بفیضِ حضور مفتیِ اعظم حضرت مصطفےٰ رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان کے صد سالہ موقع پر خصوصی نذرانۂ عقیدت

کنزالایمان کا لسانی جائزہ

موسوم بہ اسمِ تاریخی

انجلاے کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

۱۴۲۵ھ

و

عظمت کنزالایمان نادر الزماں

۲۰۰۴ء

مصنفہ **ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی**

سابق ریڈر و صدر شعبۂ اردو ایم۔ ایچ (پی۔ جی) کالج، مرادآباد، یوپی

انتساب

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے نام، جن کی پُر خلوص لگن، مسلسل کاوش و کوشش اور انتھک محنت کے سبب اردو داں اُمتِ مسلمہ کو قرآن کریم کا ایک عمدہ ترجمہ نصیب ہوگیا۔ مولاے تعالیٰ حضرت موصوف کی قبر پر تا قیامت رحمت و انوار کی بارش فرمائے۔ آمین

صابر سنبھلی

مصنف ایک نظر میں

نام:- صابر حسین

قلمی نام:- صابر سنبھلی

ولدیت:- جناب جعفر حسین

تاریخ ولادت:- (واقعی) ۳۰/جولائی ۱۹۴۲ء

(تعلیمی ریکارڈ میں) ۱۵/جولائی ۱۹۴۱ء

جائے ولادت:- سیف خاں سرائے، سنبھل، ضلع مرادآباد

تعلیم:- ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی (اردو)

پیشہ:- پنشنر

سبکدوشی از عہدہ:- ریڈر و صدر شعبۂ اردو، ایم۔ایچ کالج، مرادآباد

سبکدوشی از ملازمت:- ۳۰/جون ۲۰۰۲ء

انعامات واعزازات:-

اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ سے چار کتابوں پر انعامات

مغربی بنگال اردو اکاڈمی کلکتہ سے ایک کتاب پر انعام

آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ سے مجموعی خدمات پر امتیاز میر ایوارڈ

مصنف کی دیگر تصانیف

(الف) ناشر خود مصنف:

ادبی تجزیے (تنقید وتحقیق) ۱۹۹۰ء

تحقیق نما (طریق تحقیق) ۱۹۹۴ء

اوراق العروض (ترجمہ وتحشیہ) ڈاکٹر عارف حسن خاں صاحب کے تعاون سے ۱۹۹۶ء

توضیح فنونِ ادب (بلاغت، تاریخ گوئی، فن شاعری وغیرہم) ۱۹۹۷ء

شعارِزباندانی (زباندانی) ۱۹۹۸ء

نقد و بصر کتابوں پر تبصرے ۲۰۰۱ء

(ب) ناشر اے پی ایم پبلی کیشنس (پرائیویٹ لمٹیڈ) میرٹھ (یوپی)

بہارِاُردو (ادب الاطفال) ۵؍حصّے درجہ یکم تا پنجم کے لیے درسی کتب ۱۹۹۹ء

(ج) ناشر اروند پرکاشن مندرجہ (پرائیویٹ لمیٹڈ) میرٹھ (یوپی)

بہارِادب (ادب الاطفال) ۳؍حصے درجہ ۶؍۷؍۸؍ کے لیے درسی کتب ۲۰۰۱ء

نوٹ:- بہارِاردو اور بہارِادب میں سب کچھ مصنف کا ہی لکھا ہوا ہے۔ نظم یا نثر کا کوئی سبق کسی دوسری کتاب یا مصنف یا شاعر سے نہیں لیا گیا ہے۔ گویا یہ کتابیں تالیف نہیں بلکہ تصنیف ہیں۔ بہارِنغمات (ادب الاطفال، شاعری) نرسری تا کے۔جی کے لیے تصانیف ۲۰۰۱ء

دینیات (ادبِ اطفال و دینیات) ۵ حصّے ۲۰۰۱ء

جنرل اردو اور قواعد (زبان دانی، قواعد، ادب الاطفال) بچوں کے لیے ۶ حصّے ۲۰۰۱ء

(د) پیراماؤنٹ پبلشرز دلّی۔

اشرفی اردو (۳ حصّے برائے نرسری تا بہ کے جی) ۲۰۰۲ء

اشرفی اردو (۵ حصّے) برائے یکم تا پنجم (تصانیف) زیرِطبع

(ہ) امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف

ادبیات رضا۔ایک جائزہ

(و) طباعت کے لیے تیار

پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ، دیوانِ نعت

الحمدللّٰہ رب العٰلمین ط والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین ط

امابعد فاَعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ط بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

معروضاتِ مصنف

ترجمۂ ’’کنزالایمان کا لسانی جائزہ‘‘ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس جائزے میں امام اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی الرحمٰن کے ترجمۂ قرآن ’’کنزالایمان‘‘ اور دو دیگر ترجموں پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ان دونوں ترجموں میں ایک ترجمہ تو اردو زبان کے تشکیلی عہد کا ہے، جو شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے افادات سے ہے۔دوسرا امام احمد رضا کے ایک ہم عصر علاّمہ محمود الحسن دیوبندی اِ کے نام سے منسوب ہے، جو ترجمے کے نام پر ایک دھبّا ہے (یہ بات اس کتاب کے مطالعے کے بعد ثابت ہو جائے گی۔بغیر مطالعے کے کوئی صاحب چیں بہ جبیں نہ ہوں تو اچھا ہے) لیکن نام نہاد مترجم (اس بات کی تصدیق بھی کتابِ ہٰذا کے مطالعے سے ہوگی) اس بارے میں مقدّر کے سکندر ضرور رہے کہ اُن کا ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوا۔وجہ یہ تھی کہ ہندستان کے ایک دانش وَر کہلائے جانے والے اور عرب ممالک میں سیاسی اثر ورسوخ رکھنے والے علاّمہ (سید ابوالحسن علی میاں ندوی) نے سعودی حکومت کو یقین دلایا کہ ’’اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ ہے۔‘‘ ہم آپ سبھی جانتے ہیں کہ ایک مدّت سے سعودی حکومت پر ’’آنکھ کے اندھے، گانٹھ کے پورے‘‘ ہونے کی مثل پوری طرح صادق آتی ہے۔بس اس یقین دہانی کا ہونا تھا کہ سعودی حکومت کے خزانے کا منھ کھل گیا اور بڑی تعداد میں اس نسخے کو چھاپ کر برصغیر کے حجاجِ کرام میں چند برس تک مفت تقسیم کیا گیا؟ لیکن کسی کو دھوکے میں بھی کب تک رکھا جا سکتا ہے۔آخر ایک دن حقیقت کھل کر سامنے آ گئی اور حکومت کو پچھتاوے کے ساتھ اس کی اشاعت کو بند کرنا پڑا۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہ نکالا جائے کہ علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا ترجمہ ہے۔گذشتہ صدی عیسوی کے آخری عشرے کے اوائل سے برصغیر میں کنزالایمان کی اشاعت کی ایسی باڑھ آئی ہوئی ہے کہ ہزار کوششوں کے باوجود رکنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔حالت یہ ہے کہ اردو میں جتنے بھی تراجمِ قرآن اس وقت چھپ رہے ہیں اُن سب کی مجموعی تعداد سے زیادہ اکیلا کنزالایمان چھپ کر شائع ہو رہا ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ کسی کو مفت نہیں دیا جاتا بلکہ قیمتاً ہدیہ ہوتا ہے اور دیکھنے والے حیران ہیں کہ دیکھتے

ہی دیکھتے یہ کیا انقلاب ہوگیا۔ حد تو یہ ہے کہ اِس وقت اِس کے ناشرین کی فہرست بنانا بھی بہت مشکل کام ہے اور بعض ناشر تو وہ ہیں جو امام احمد رضا کے کٹّر مخالف ہیں۔ یہ بلا شبہہ خدا داد مقبولیت ہے۔

احقر نے امام احمد رضا کی نثر نگاری پر مضامین لکھنے کا آغاز کیا تو سنبھل میں ایک کتاب ''فاضلِ بریلوی کا مشن اور اُن کا اصلی دین۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں'' منظرِ عام پر آئی۔ کتاب میں دو تین باتوں کو چھوڑ کر نیا تو کچھ تھا نہیں؟ لیکن مصنف کا اسلوبِ تحریر شوخی آمیز تھا۔ جو بہت کھٹکا۔ کتاب میں دو تین نئی باتیں تھیں، اتفاق سے ان میں سے دو زبان دانی سے متعلق تھیں۔ ان میں ایک تو ترجمۂ کنزالایمان میں آنے والے ایک لفظ ''کڑوڑا'' پر اعتراض تھا۔ دوسرے کلمۂ حصر ''انّما'' کا ترجمہ چھوڑ دینے کا بے بنیاد الزام تھا۔

یہ کتاب ۲۰۰۰ء کے وسط میں احقر کے علم میں آئی۔ اُس وقت ترجمۂ کنزالایمان کے اسلوب پر ایک مضمون کا آغاز ہو چکا تھا۔ دو تین قسطوں (۳۰۔۳۵ صفحات) میں کام نبٹا دینے کا ارادہ تھا۔ جس وقت مذکورہ کتاب ہاتھ میں آئی، مضمون کا ایک ڈیڑھ صفحہ لکھا جا چکا تھا۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد ارادہ ہوا کہ ترجمۂ کنزالایمان پر سیر حاصل بحث کی جائے (اگرچہ بعض وجوہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا) اور کام کا انداز حتّٰی کہ اسلوبِ بیان بھی قدرتی طور پر تبدیل ہو گیا اور پھر جیسے بھی ہو سکا سرسری ہی سہی، پورے ترجمے کا جائزہ لیا گیا۔ علّامہ محمود الحسن صاحب کے ترجمے سے ترجمۂ کنزالایمان کا تقابل بھی ضروری سمجھا گیا۔ اس کے بغیر کنزالایمان کی خوبیوں کو دکھا پانا شاید ممکن بھی نہیں تھا۔

چونکہ احقر کو زبان دانی سے قدرتی طور پر دلچسپی رہی ہے۔ اس لیے جن جن مواقع پر لفظ ''کڑوڑا'' یا ''انّما'' کے ترجمے پر اعتراض کیے گئے تھے، اُن پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ مذکورہ کتاب (فاضلِ بریلوی کا مشن) کے باقی مشمولات جن کا تعلق عقاید سے ہے، احقر کے منصب سے الگ چیز تھے۔ اگر ضروری سمجھا جائے تو اُن کے جوابات کسی عالمِ دین کو دینے چاہییں۔ (اگرچہ ایسی باتوں کے جواب علمائے اہلِ سُنّت پہلے ہی بارہا دے چکے ہیں، مگر بہروپ بدل کر آنے والوں پر روک لگانا بھی ضروری ہے، جو سیدھے سادے لوگوں کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔)

اس جائزے کے دوران میرے سامنے علّامہ محمود حسن صاحب سے منسوب مترجم قرآن کریم کا وہ نسخہ رہا، جس کا ترجمہ پاکستان کی وزارتِ مذہبی اُمور کا معتمدہ و مصدّقہ ہے اور جو سعودی عرب کی وزارتِ اوقاف کی نگرانی میں

۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں طبع ہوا تھا۔ اس ایڈیشن میں ترجمے کی تصیحات جگہ جگہ جدول میں کی گئی تھیں اور اُن کے مصحح کوئی شیخ عنایت اللہ شاہ صاحب تھے، جو کسی بھی حیثیت سے معروف نہیں ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ پاکستان سے علاّمہ محمود حسن کے نام سے ایک اور ترجمہ چھپ کر شائع ہو گیا ہے (ممکن ہے کہ بھارت میں بھی کسی جگہ چھپ گیا ہو)، جس میں جدولوں میں درج الفاظ کو متن میں داخل کر لیا گیا ہے اور علاّمہ محمود حسن صاحب کے الفاظ کو ترجمے سے خارج کر دیا گیا ہے۔

یہ جس نے بھی کیا ہے، اعلیٰ درجے کی بد دیانتی اور خیانت کا کام کیا ہے۔ علاّمہ محمود حسن صاحب کی وفات کے بعد شیخ عنایت اللہ نے اس کی تصحیح کی، لیکن اس کو جدولوں میں جگہ دی۔ اب متنِ ترجمہ میں ایک دوسرے شخص کے الفاظ کی ملاوٹ کرنے اور جناب علاّمہ کے الفاظ کو ترجمے سے نکال دینے کے بعد یہ ترجمہ محمود حسن صاحب کا ہرگز نہیں رہا۔ جو اُن کا کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

اس لیے اگر اس کتاب میں منقولہ جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ اس ملاوٹی ترجمے کے مطابق نہ ہو تو اُس کے لیے مجھے ذمے دار نہ مانا جائے۔

اس جائزے کو قلم بند کرنے میں احقر کو ایک تلخ تجربہ ہوا۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ بعض غیر ذمے دار ناشرین نے کنزالایمان کے بہت غلط سلط نسخے چھاپے ہیں۔ اس لیے احقر نے پہلے استقامت، کان پور سے شائع شدہ ترجمۂ کنزالایمان کا مطالعہ کیا، جس کی اشاعت سے پہلے تصحیح کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ مگر مطالعے سے معلوم ہوا کہ ناشر نے زبانی وعدوں کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا۔ پھر قرآن کمپنی بریلی کے نسخے کا مطالعہ کیا۔ یہ جس نسخے کی نقل تھا اس میں مولانا عبدالمبین نعمانی قادری رضوی صاحب پہلے ہی ۴۷۳۱ اغلاط کی نشان دہی کر چکے تھے اور ان اغلاط کی فہرست بھی موصوف راقم کو اُس کے اصرار پر بھیج چکے تھے۔ اس نسخے میں زیادہ تر کی تصحیح ہو گئی تھی مگر بہت سی غلطیاں بغیر تصحیح رہ گئیں۔ نازبک ڈپو دلی کے جیبی مترجم قرآن میں بھی بہت سی غلطیاں موجود پائیں۔ اس کو حسنِ اتفاق ہی کہا جائے گا کہ کنزالایمان کے اصل مسوّدے (جو حضرت صدرالشریعہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے) کا ابھی ۵۷ فی صد حصہ محفوظ ہے۔ برصغیر میں متعدد حضرات کے پاس اس کی فوٹو کاپیاں بھی موجود ہیں۔ اس مسوّدے اور کنزالایمان کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ مرادآباد) کی مدد سے مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے رضا اکیڈمی مالیگاؤں کے نسخے کی تصحیح کی تھی۔ چند ہی پاروں کا جائزہ سپردِ قلم ہو چکا تھا کہ یہ نسخہ بھی دستیاب ہو گیا۔ مگر احقر اس

کی تصیحات سے بھی کُلّی طور پر مطمئن نہ ہوسکا۔ چند اغلاط کو لے کر نعمانی صاحب کو خط لکھا مگر انہوں نے صرف ایک غلطی کو تسلیم کیا۔ اس ایڈیشن میں ایک بڑی کمی یہ بھی رہ گئی کہ انہوں نے قدیم املا کو جدید املا سے بدلنے کی کوشش نہیں کی، جب کہ یہ ضروری تھا اور یہ تدوینِ متن کا ضروری ضابطہ ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ رضا اکیڈمی ممبئ نے پاکستان کے کسی ایڈیشن کا عکس شائع کیا ہے۔ یہ ابھی احقر کی نظر سے نہیں گزرا ہے۔ مگر بعض جگہ اس کی روشنی میں مولانا عبدالسلام رضوی (استاذ جامعہ نوریہ بریلی شریف) نے مالیگاؤں ایڈیشن کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے، اس سے اطمینان حاصل ہوا۔ اتفاق سے مذکورہ دستیاب نسخوں میں سے ہر ایک سے جائزے میں تراجم نقل کیے گئے ہیں۔ جو جس وقت پیش نظر رہا۔

یہ تفصیل اس لیے ضروری تھی کہ جائزے میں جو تراجم نقل ہوئے ہیں ان میں بعض مقامات پر کچھ اغلاط ہوسکتے ہیں۔ اغلاط درآنے کی اس لیے بھی امید ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ باوضو ہی کیا جاتا ہے اور احقر نے بھی ایسا ہی کیا۔ کچھ لوگوں کو شکایت ہوتی ہے کہ ان کا وضو زیادہ دیر نہیں رہتا، احقر بھی انہی میں سے ہے۔ اس لیے مطالعہ اور نقل کا کام ایسے سکون سے نہیں ہوسکا جس کی ضرورت تھی۔ پھر نقل درنقل اور کمپوزنگ میں بھی غلطیاں ہونے کا امکان رہتا ہے۔ (بلکہ احقر کا تجربہ تو یہ ہے کہ کمپیوٹر کمپوزنگ سے کسی کتاب کو مکمل صحت کے ساتھ چھاپنا بڑا مشکل کام ہے اور آج کل اسی کا رواج ہوگیا ہے) اگر کوئی صاحب ایسی غلطیوں کی نشان دہی فرمائیں گے تو ان غلطیوں کو اور ان کی وجہ سے برآمد ہونے والے غلط نتائج کو احقر کھلے دل سے تسلیم کرے گا اور رجوع بھی کرے گا۔ کیونکہ احقر اس بات کو مانتا ہے کہ غلطی کا ہونا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ مگر کتاب میں وہ تصحیحات کرنا ناشر کا کام ہے۔ کیونکہ ایک بار نگیٹیو پازیٹیو بن جانے کے بعد ناشرین کسی کھکھیڑ میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ناشر کی کوتاہی کے لیے احقر ذمّے دار نہیں ہوسکتا۔

لیکن یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کا قدیم املا علاوہ وہاں کے جہاں ضروری سمجھا گیا ہے، احقر نے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے ترجمے کو بھی آج کل کے مروّجہ املا میں ہی لکھا ہے اور یہی اصول اور ضابطہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خلوصِ نیت سے جس غلطی کی بھی نشان دہی کی جائے گی اس کو صمیمِ قلب اور شکریے کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی صاحب ہٹ دھرمی سے کام لیں گے تو جس لب و لہجے اور جس اسلوبِ نگارش

میں اعتراض کیا جائے گا ان شاء اللہ اُسی لب و لہجے اور اُسی اسلوبِ نگارش میں جواب دیا جائے گا۔

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ اس جائزے کا اسلوبِ بیان میرا اپنا نہیں ہے۔(میرا اسلوبِ نگارش میری دیگر کتب میں دیکھا جاسکتا ہے) اس کتاب کا اسلوب جیسا کچھ ہے وہ ''فاضلِ بریلوی کا مشن'' کے مصنف کا ہے اور وہی اس کے لیے ذمے دار ہیں۔

نہ تم ایذا ہمیں دیتے نہ یوں فریاد ہم کرتے
نہ کُھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

میرا شروع سے ہی ایک اصول رہا ہے۔مَیں نے اپنی کسی کتاب پر کسی ادیبِ شہیر سے کبھی پیش لفظ نہیں لکھایا۔نہ خود کسی کی کتاب پر لکھتا ہوں (میری نظر میں یہ ادبی بیساکھی اور اپنی تعریف چاہنا ہے) مگر میری جس کتاب کا ناشر میرے علاوہ کوئی اور ہو اُس کا ہاتھ تو مَیں پکڑ نہیں سکتا۔نہ اُس میں میری خواہش شامل ہوگی۔ناشر جو بھی لکھتا، لکھاتا یا چھاپتا ہے، اس کے لیے وہی ذمے دار ہے۔اس کتاب کے ساتھ بھی ایسا معاملہ ممکن ہے، جس میں مجھ کو معذور سمجھا جائے۔

کنزالایمان کے لسانی جائزے کا کام برادرم سید خلیق احمد حسنی (سنبھلی) کے اصرار سے شروع ہوا تھا۔پھر مولانا عبدالسلام رضوی صاحب (استاذ جامعہ نوریہ بریلی شریف) نے بیش قیمت مشوروں سے نوازا۔مولانا محمد شفیع رضوی دَول پوروی نے بعض اجزا کا اصل سے مقابلہ کرکے تصحیح کی۔مَیں ان تینوں کرم فرماؤں کا دل سے ممنون ہوں۔مولائے تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

۲۶ر جمادی الآخر ۱۴۲۵ھ

مطابق ۱۴ر اگست ۲۰۰۵ء بروز ہفتہ

احقر العباد

صابر سنبھلی

ترجمہ کنزالایمان کا لسانی جائزہ

بیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ترجمۂ کنزالایمان کی طلب ورسد نے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ یہ ترجمہ مشکل سے دست یاب ہوتا تھا اور دلّی کے کتب فروش تو گویا اس کو اپنے کتب خانوں میں رکھنا جرم سمجھتے تھے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی اچھائی کو زیادہ دنوں تک چھپا کر نہیں رکھا جاسکتا۔ دھیرے دھیرے لوگوں کا شعور بیدار ہوا، ذہنوں کے جالے صاف ہوئے اور اس ترجمے کی خوبیوں نے لوگوں کے دِلوں میں گھر کرنا شروع کیا۔اب بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ایک باخبر اور معتبر ناشر کے مطابق حال یہ ہے کہ دلّی کے پندرہ ناشر اس کو چھاپ رہے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان ۱۵ ناشروں میں سے صرف دو ایسے ہیں جو ترجمے سے اور مترجم کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں۔باقی تیرہ ۱۳ ناشر آج بھی اس کی مانگ کو دیکھتے ہوئے اس کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔اس کو انقلاب ہی کہا جائے گا۔

علماے اہل سُنّت نے اپنے مقدور بھر اس کی خوبیوں کو اُجاگر کیا، لیکن یہ خوبیاں صحیح ترجمانی اور شرعی حدود کی پابندی سے ہی زیادہ تعلق رکھتی تھیں۔عقل کہتی ہے کہ صرف صحیح ترجمانی کی وجہ سے اس ترجمے کو اتنی مقبولیت حاصل نہ ہوتی۔کیونکہ صحیح ترجمے تو شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی کیے تھے، لیکن دونوں لفظی ترجمے تھے۔کنزالایمان کی مقبولیت کی وجہ اس کی زبان اور طرزِ بیان بھی معلوم ہوتے ہیں، جنھوں نے عام مسلمانوں کے دِلوں میں گھر کرلیے ہیں۔اس لیے اس ترجمے کا لسانی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

یہ ترجمۂ قرآن' امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا مسلمانوں کے لیے عمدہ تحفہ ہے۔عام طور سے یہ بات بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اس ترجمے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔جو لوگ امام احمد رضا کی تصنیفی اور خاص کر فتاویٰ نویسی کی مصروفیات سے واقف ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اُن کے پاس وقت کی کتنی کمی تھی۔اُن کے عزیز شاگرد صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہارِ شریعت چاہتے تھے کہ اگر امام احمد رضا قرآن کریم کا اردو ترجمہ کردیں تو وہ اُن کے علم وفضل اور عشقِ رسول کی وجہ سے ایک لاثانی ترجمہ بن جائے گا۔انہوں نے اس کے لیے کئی بار فاضلِ بریلوی سے عرض کیا۔لیکن باوجود وعدوں کے اس کام کے لیے وقت نہیں نکل سکا۔آخر یہ

طے پایا کہ صدرالشریعہ دوپہر کو قیلولہ کے وقت یا رات کو سوتے وقت فاضل بریلوی کے پاس پہنچ جایا کریں۔اور ایسا ہی ہوا۔ترجمے کا طریقہ یہ رہا کہ صدرالشریعہ آیاتِ قرآنی پڑھتے جاتے اور آپ اُن کا ترجمہ اِملا کراتے جاتے۔مترجم کے پاس نہ تفاسیرِ قرآن دیکھنے کی فرصت تھی، نہ ترجمے کی زبان پرنظرثانی کرنے کا وقت۔چاہیے تھا کہ ایسی روا روی (بلکہ بھاگ دوڑ) میں کیا گیا ترجمہ معمولی ترجمہ ہوتا۔لیکن یہ مترجم علیہ الرحمہ پراللہ رب العزت کا کرمِ خاص تھا کہ یہ ترجمہ اردو ترجموں میں شاہ کار ہوگیا۔یہ کام ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں مکمل ہوا۔

”کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن“ اس کا تاریخی نام ہے جس سے سال ۱۳۳۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

بسم اللہ سے آخر سورۂ بقرہ تک کنزالایمان کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم السطور کو اس ترجمے کی مندرجہ ذیل خوبیوں کا علم ہوا۔

(۱) آیات کے تراجم میں ربطِ باہمی (۲) روانی (۳) سلاست (۴) اردو کا روزمرّہ (۵) اللہ اور رسول کے مراتب کا لحاظ (۶) احتیاط (۷) سوقیانہ اور بازاری الفاظ سے اجتناب (۸) سہلِ ممتنع۔

اس اجمال کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) آیات کے تراجم میں ربطِ باہمی : ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔لفظی ترجمے کی بات الگ ہے۔بامحاورہ ترجمے میں یہ مشکل اس لیے پیش آتی ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر دو زبان کے تراجم میں ہم آہنگی ہو۔عربی اور اردو کے ساتھ یہی مسئلہ ہے۔عربی سامی خاندان کی زبان ہے اور اردو ہند آریائی خاندان کی۔پھر عربی کا ذخیرۂ الفاظ وافر اور اردو کا اس کی کم عمری کے سبب محدود۔مترجم کے سامنے یہ دشواری بھی ہوتی ہے کہ ترجمے کو بامحاورہ بنانے میں اصل کی روح کو کس طرح برقرار رکھا جائے۔آیاتِ قرآنی آپس میں مربوط ہیں! لیکن دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے پر زبانوں کے اختلافِ مزاج کی وجہ سے آیات کے تراجم میں بے ربطی محسوس ہوتی ہے، پھر بھی قرآنِ کریم کا عرفان رکھنے والے اس بے ربطی پر قابو پا لیتے ہیں۔امام احمد رضا نے اردو میں جو ترجمہ کیا ہے وہ عربی متن سے بندھ کر کیا ہے۔پھر بھی ان کے عرفان نے ترجمے کو بے ربط نہیں ہونے دیا۔صرف ایک مثال کافی ہوگی:

”اے اولادِ یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان، جو مَیں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانے پر تم کو بڑائی دی۔اور ڈرو اُس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوسکے گی اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش مانی جائے اور نہ

کچھ لے کر اُس کی جان چھوڑی جائے اور نہ اُس کی مدد ہو۔ اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر بڑا عذاب کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی یا بڑا انعام ہوا۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تمہیں بچالیا اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس روز کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی اور تم ظالم تھے۔"

(البقرہ، آیات ۴۷ تا ۵۱)

(۲) **روانی**: ترجمے میں طبع زاد تحریر کی طرح روانی ممکن نہیں ہے بشرطیکہ اصل متن کی روح کو برقرار رکھا جائے۔ ہاں مفہوم میں کتر بیونت کر کے طبع زاد تحریر جیسی روانی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کے ترجمے میں اس کا موقع نہیں ہوتا۔ پھر بھی کنزالایمان میں قرآنِ کریم کے اصل مفہوم کے باوجود اردو کے دیگر تمام تراجم سے زیادہ روانی پائی جاتی ہے۔ خوفِ طوالت سے مزید مثال نہیں دی جارہی ہے۔ مندرجہ بالا مثال کو روانی کی مثال بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(نوٹ: قرآن حکیم کے اردو ترجمے میں لفظ "اور" کی کثرت نظر آتی ہے۔ جس سے روانی کچھ مجروح سی ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ مترجمینِ قرآن کی مجبوری ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں واؤ عطف کا استعمال کثرت سے ہوا ہے جو عربی عبارت کی روانی میں مخل نہیں۔ لفظ "اور" کا زیادہ استعمال اگرچہ اردو میں معیوب نہیں ہے۔ لیکن کسی حد تک روانی میں مخل ہوتا ہے۔)

(۳) **سلاست**: کنزالایمان دیگر تراجم کے مقابلے میں سلیس بھی ہے۔ یہ بڑی خوبی ہے۔ اس لیے کہ اگر ترجمے میں بھی سلاست نہ ہو تو اس کا فائدہ عام نہیں ہوتا۔ ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے پھر سب اشیا کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم! بتادے انہیں سب اشیا کے نام۔ جب آدم نے انہیں سب کے نام بتادیے۔ فرمایا مَیں نہ کہتا تھا کہ مَیں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں۔ اور مَیں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ

منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔''

(سورۂ بقرہ، آیات ۳۱ تا ۳۴)

(۴) **اردو کا صحیح روز مرّہ** : کنزالایمان میں عربی اور فارسی زبانوں کے رائج الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں اور خالص اردو کا روز مرّہ بھی۔ یہ روز مرّہ ۱۹۱۲ء کے شرفا کے روز مرّہ کے مطابق ہے اور آج بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ درجن بھر مثالیں پیش ہیں۔ سبھی مثالیں سورۂ بقرہ سے ہیں۔ آیات کے نمبر سامنے درج ہیں:

آس پاس سب جگمگا اُٹھا (آیت ۱۷)

بجلی یوں معلوم ہوتی تھی کہ اُن کی نگاہیں اُچک لے جائے گی (آیت ۲۰)

تو تمھیں کڑک نے آ لیا (۵۵)

اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں (۷۴)

اور اُن کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا (۹۳)

یہ اُن کی خیال بندیاں ہیں (۱۱۱)

سب اُس کے حضور گردن ڈالے ہیں (۱۱۶)

ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ (۱۳۹)

اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے (۱۴۳)

تو ہوش اُڑ گئے کافر کے (۲۵۸)

چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے (۲۶۰)

اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو (۲۸۶)

(۵) **اللہ اور رسول کے مراتب کا لحاظ** : عربی کے لفظ قُل اور دیگر مشتقات کا ترجمہ امام احمد رضا سے پہلے مترجمین نے ہر جگہ قائل کے مرتبے کا لحاظ رکھے بغیر کیا ہے۔ اور بعض نے اُن سے بعد میں بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا۔ امام احمد رضا نے ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا ہے، چند مثالیں حاضر ہیں۔

(الف) **اللہ تعالیٰ کے لیے** :

فرمایا اے آدم! بتادے انہیں سب اشیا کے نام (البقرہ آیت ۳۳)

(ب) **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے :**

تم فرمادو اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے (البقرہ آیت ۱۲۰)

اسی آیت میں اس سے آگے کا فرمان کفّار کے لیے ہے اُس کے جدا کرنے کے لیے قوسین میں درج کر دیا گیا، (اے سننے والے کسے باشد) یہ احتیاط کی ایک عمدہ مثال ہے۔

(ج) **بندوں کے لیے :**

اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں (البقرہ آیت ۱۰۴)

اس باریک فرق کا عرفان اور التزام بغیر حُبّ اللہ اور حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن نہ تھا۔

(۶) **احتیاط** : کنزالایمان کے مترجم نے کمالِ احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کا لحاظ بھی کمال احتیاط کی ہی مثال ہے، جس کا ذکر اوپر ۵ میں گزرا۔ یہاں ایک مثال اور درج کرنا چاہتا ہوں:

سورۂ بقرہ میں وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ط (آیت ۲۸۲) کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح ہوں گے۔

(الف) اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو۔

(ب) نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ۔

امام احمد رضا نے دونوں ترجمے درج کیے ہیں۔ جو سیاق وسباق سے زیادہ مطابق اور تفاسیر سے زیادہ قریب ہے، وہ پہلے اور دوسرا قوسین میں۔ اس ترجمے سے پہلے کسی مترجم نے اس بات کا خیال نہیں رکھا اور بعض نے اس کو دیکھنے کے بعد اختیار کیا۔ ظاہر ہے ترجمۂ قرآن میں اس سے زیادہ احتیاط اور کیا ہوسکتی ہے۔

(۷) **سوقیانہ اور بازاری الفاظ سے اجتناب** : اس ترجمے میں رکیک اور مبتذل الفاظ نہیں آئے ہیں۔ یہاں اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔ مثال یا سند اس چیز کی دی جاتی ہے جو موجود ہو۔ جو موجود نہ ہو اُس کی سند کہاں سے دی جائے۔ سارے ترجمے کو تو نقل نہیں کیا جا سکتا۔

(۸) **سہل ممتنع** : سہل ممتنع کلام کی اس صفت کو کہتے ہیں کہ قاری یا سامع کو یہ گمان ہو کہ مَیں بھی ایسا کلام کرسکتا ہوں، لیکن جب کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ کنزالایمان میں یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس کی سلاست

کی وجہ سے ہر عالم یہ خیال کرسکتا ہے کہ مَیں بھی ایسا ترجمہ کرسکتا ہوں لیکن ابھی تک کسی سے نہیں ہوسکا۔

کنزالایمان کی خوبیوں کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم کے کسی دوسرے اردو ترجمے سے اس کا تقابل کیا جائے۔ اس تقابل کے لیے مَیں علاّمہ محمود الحسن صاحب کے اردو ترجمۂ قرآن کو منتخب کرتا ہوں اور اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے اس ترجمے کو بہت اہمیت دی ہے۔ سعودی عربیہ کے حکمران شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کی بابت لکھا ہے:

”یہ اردو ترجمہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزارتِ مذہبی اُمور کی طرف سے معتمد و مصدق ہے اور مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی نے مترجم و مفسر کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور اس ترجمہ و تفسیر کی توثیق ان الفاظ میں کی ہے: ”اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت ہونی چاہیے۔“

(قرآن مجید مترجم، ناشر شاہ فہد قرآن شریف کمپلیکس، مدینہ منورہ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء)

آیئے دیکھیں کہ آلِ سعود کی وفادار مشہور علمی شخصیت کی یہ رائے کس حد تک درست ہے۔ دونوں ترجموں کا تقابلی جائزہ شروع سے لیا جائے گا۔ لیکن جائزے سے پہلے اس ترجمے کے بارے میں چند تعارفی کلمات لکھنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

علاّمہ محمود الحسن صاحب نے مقدمے میں جو قرآن کریم کے آخر میں شامل ہے (آلِ سعود کی یہ اُلٹی چال بھی قابلِ دید ہے کہ عنوان ”مقدمہ“ اور جگہ آخر میں۔ یوں بھی مقدمۂ قرآن سورۂ فاتحہ ہے) یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ ترجمہ نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن احباب مسلسل زور دے رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کی تسہیل یا تجدید کردی اور اس کے لیے انہوں نے شاہ صاحب کے ترجمے سے ایسے الفاظ کو بدل دیا جو متروک ہوگئے تھے۔ (اس جائزے کو بغور پڑھنے کے بعد اس دعوے کی اصلیت بھی معلوم ہوجائے گی) مطلب یہ ہوا کہ ترجمہ تو شاہ صاحب کا ہی ہے علاّمہ نے صرف تجدید کی ہے لیکن یہ غور طلب ہے کہ اس قرآنِ کریم پر مترجم کی حیثیت سے شاہ عبدالقادر صاحب کے بجائے علاّمہ محمود الحسن کا نام کیوں لکھا جاتا ہے۔ ہر قاری مقدمہ تو پڑھتا نہیں اس لیے سرورق پر مترجم کے نام کا اندراج اس طرح ہونا چاہیے:

مترجم: شاہ عبدالقادر دہلوی علیہ الرحمہ

مجدّد: علاّمہ محمود الحسن صاحب

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ نے یہ کام امام احمد رضا کے ترجمے سے ٦/سال بعد یعنی ١٣٣٦ھ/١٩١٨ء میں مکمل کیا تھا اور انہیں کچھ عجلت بھی نہیں تھی۔ بڑے اطمینان سے کام کیا ہے۔ بلکہ حاشیے میں کی گئی نشان دہی کے مطابق بعض سورتوں کا ترجمہ مالٹا جیل میں بھی ہوا، جہاں فرصت ہی فرصت تھی۔ پھر بھی سورۂ فتح کی ٢٩/آیتوں کی تجدید میں ٥/دن اور سورۂ ق کی ٤٠/آیتوں کی تجدید میں دو دن لگے۔ سورۂ حجرات کی ٢٨/آیات کی تجدید ایک دن میں ہی ہوگئی۔

قارئین کرام! یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ ١٢٠٥ھ مطابق ١٧٩٠ء میں کیا تھا یعنی شمسی حساب سے اب سے ٢١٥/برس پہلے اور قمری حساب سے ٢٢٢/سال قبل۔ اب دونوں ترجموں کا تقابلی جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ٥

یہ کوئی انکشاف نہیں ہے بلکہ سبھی جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے ترجمے سے پہلے اس آیت کا ترجمہ جس نے بھی کیا اس نے لفظ "شروع" کو مقدم رکھا۔ یعنی اللہ کے نام سے آغاز کرنے کے بجائے لفظ "شروع" سے آغاز کیا۔ امام احمد رضا پہلے مترجمِ قرآن تھے جنہوں نے واقعی "اللہ" کے نام سے ترجمے کا آغاز کیا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا"

علاّمہ محمود الحسن صاحب کو ٦/برس بعد بھی اس کی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک صدی سے زیادہ مدّت سے چلی آ رہی خامی کو درست فرما لیتے۔ غرض امام احمد رضا کے ترجمے کی **بسم اللہ** ہی نہایت خوب اور لا ثانی ہے۔

١۔ سورۂ فاتحہ

آیت ٦: علاّمہ صاحب نے اِس آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"بتلا ہم کو راہ سیدھی"

(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ کے نزدیک بھی اور علی میاں ندوی مذکور کے نزدیک بھی "بتلا" "بتا" کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہے) شاہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کیا تھا:

"چلا ہم کو راہ سیدھی"

دل پر ہاتھ رکھ کر ایمان داری سے جواب دیجیے کہ علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے کی تجدید کی ہے یا تخریب۔

راقم السطور اس بارے میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ کسی مجہول منکرِ حدیث (چکڑالوی) کا ایک قول اس بابت نقل کرنا کافی معلوم ہوتا ہے، لکھتا ہے:

''دکھا ہم کو راہ سیدھی'' ''بتلا ہم کو راہ سیدھی'' اس پر غیر مسلم معترضین کا اعتراض ہے کہ جب رسولِ مقبول خود ساری عمر سیدھی راہ دیکھنے کے لیے دعا ہی کرتے رہے، دیکھی نہیں تو آپ دوسروں کو سیدھی راہ کیا بتا سکتے تھے؟''[۱]

اس آیت کے سب سے اچھے ترجمے (بقول علی میاں ندوی) کو آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے، فرماتے ہیں:

''ہم کو سیدھا راستہ چلا''

یہ ایسا بے داغ ترجمہ ہے، جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ الفاظ کی ترتیب بھی نثر کے عین مطابق ہے۔ غور کیجیے اس سے بہتر ترجمہ کیا ہو سکتا ہے۔

۲۔ سورۂ بقرہ

آیت ۷۲: کے ایک جُز کا ترجمہ علّامہ محمود الحسن صاحب نے یہ کیا ہے:

''پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے''

کیا دھرنے لگے؟ یہ کچھ پتہ نہیں۔ اگرچہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا؛ لیکن وہ ۱۷۹۰ء کی بات تھی، جب اردو زبان تشکیلی دور سے گزر رہی تھی اور کسی علمی کام کے قابل نہیں ہوئی تھی، زیادہ سے زیادہ قصّے کہانیوں کی ادائیگی کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب نے لفظی ترجمہ کیا تھا؛ لیکن مبینہ طور پر اردو زبان میں سب سے اچھے مترجمِ قرآن کو کیا ہوا تھا کہ شاہ صاحب کے صاف ترجمے کی تسہیل کرتے تھے اور مبہم ترجمے کو باقی رکھتے تھے۔ اس کے برعکس امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیے کس قدر صاف اور واضح ہے:

''ایک دوسرے پر اس کی تہمت ڈالنے لگے''

آیت ۹۰: کے ایک حصّے کا ترجمہ علّامہ نے اس طرح کیا ہے:

''سو کما لائے غصّے پر غصّہ''

معلوم نہیں اردو کے کس علاقے کا روزمرّہ ہے۔ امام احمد رضا نے اس جُز کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے"

آیت ۱۳۰: علاّمہ محمودالحسن نے ایک حصّے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو"

امام احمد رضا اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"سوا اُس کے جو دل کا احمق ہے"

دونوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔

آیت ۱۷۸: کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح کیا تھا:

"اے ایمان والو! حکم ہوا تم پر بدلہ برابر مارے گیوں میں"

حضرت علاّمہ کو اس ترجمے میں خامی نظر آئی تو اس کی اصلاح اس طرح کی:

"اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں"

لفظ قصاص کو اس طرح قوسین میں لکھا گیا ہے جیسے یہ لفظ قرآن کے متن میں نہ ہو اور مترجم نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہو۔ جب کہ لفظ "قصاص" متنِ قرآن مجید میں موجود ہے۔ (سبحان اللہ زبان کا عرفان ہو تو ایسا ہو) اور سوا سو سال کے بعد بھی شاہ صاحب کے ترجمے کو کوئی ترقی نہیں دے سکے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں اُن کے خون کا بدلہ لو"

کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ترجمہ خود بول رہا ہے۔

آیت ۱۷۹: کے ایک حصّے کا ترجمہ علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں اصلاح اور ترمیم کر کے یوں کیا ہے:

"تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے"

امام احمد رضا آیت کے اس جُز کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے"

آیت ۱۸۰: حضرت علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے کے دو لفظ بدل کر یوں کیا ہے:

”فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت“

اور امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے“

آیت ۱۹۱: کے ایک جُز کا ترجمہ کرتے ہوئے علّامہ صاحب رقم طراز ہیں:

”اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے“

یہاں بچلانا گمراہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ شاہ صاحب نے بھی استعمال کیا تھا؛ لیکن وہ عہد دوسرا تھا۔ ۱۷۹۰ء اور ۱۹۱۷ء کی اردو میں کچھ تو فرق ہوگا۔ یوں بھی علّامہ صاحب' شاہ صاحب کے ترجمے کی اصلاح کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتے ہیں، لیکن اُن سے اس لفظ کو نہیں بدلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کے روز مرّے میں شامل تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس آیت کے علاوہ بھی اس لفظ کو دو شکلوں میں استعمال کیا ہے۔ (آیت ۲۰۹ میں ”بچلنے لگو“ اور آیت ۲۱۷ میں ”دین سے بچلانا“) قارئین کرام اس بات کو ذہن میں رکھیں۔ سورۂ انعام کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت اس بارے میں مزید کچھ عرض کیا جائے گا۔

اب ملاحظہ ہو آیت کے اس جُز کا امام احمد رضا کا کیا ہوا ترجمہ:

”اور اُن کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے“

آیت ۱۹۶: علّامہ محمود الحسن صاحب ترجمہ فرماتے ہیں:

”یہ حکم اُس کے لیے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس“

اس کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ حکم اُن کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام سے کچھ فاصلے پر رہتے ہوں؛ لیکن کتنے فاصلے پر رہنے والوں پر یہ حکم نافذ ہوگا اس کی صراحت نہیں ہے۔ اس لیے علّامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو حاشیے میں اس ترجمے پر خامہ فرسائی کرنی پڑی۔ مگر افسوس کہ بات پھر بھی نہیں بنی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”یہ حکم اُس کے لیے ہے جو مکّہ کا رہنے والا نہ ہو“

آیت ۱۹۷: علّامہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر فائدہ زادِ راہ کا بچنا ہے سوال سے“

اس آیت کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس طرح کیا تھا:

”اور خرچ راہ لیا کرو کہ خرچ راہ میں بہتر ہے“

شاہ صاحب کا ترجمہ بالکل صاف ہے۔ نہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ کسی متروک لفظ سے بوجھل، لیکن حضرت علّامہ کو تو تجدید کے نام پر جدّت سے کام لینا تھا اس لیے نیا ترجمہ کیا اور محاورے سے کوسوں دور۔ اس اردو نویسی کی داد ہزار دوداں کو دینی چاہیے۔ اس کے بعد مترجم کے علم و فضل کو بھی آفریں کہنا چاہیے کہ انہوں نے لفظ ”تقویٰ“ کا ترجمہ ”بچنا“ کیا۔ بے شک اب ایسے مترجم کہاں پیدا ہوں گے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

”اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے“

اردو کے (بقول شخصے) سب سے اچھے ترجمے کے مقابلے اس ترجمے کی بلاغت پر غور فرمائیے۔

آیت ۲۱۴: حضرت علّامہ نے ترجمہ فرمایا:

”اور جھڑ جھڑائے گئے“

شاہ صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا؛ لیکن شاہ صاحب کے ترجمے میں سیکڑوں جگہ اِصلاح کرنے والے قرآن کریم کے اردو میں سب سے اچھے مترجم (بقول شخصے) کو ۱۳۱ قمری سال کے بعد بھی اس لفظ کی جگہ لانے کے لیے کوئی رائج لفظ نہیں ملا۔ جبکہ آیت ۱۹۷ کے ترجمے میں بلا ضرورت اصلاح اور ترمیم کر دی (دیکھیے اس سے پہلی آیت) امام احمد رضا اُن سے ۶۰ برس پہلے ہی اس آیت کا اپنے عہد کی زبان میں ترجمہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ترجمہ فرمایا تھا:

”اور ہلا ہلا ڈالے گئے“

آیت ۲۱۵: علّامہ صاحب کا ترجمہ ہے:

”کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لیے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے“

کسی کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے جملہ آخر تک نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرا جملہ ہے۔ گویا مترجم کے نزدیک یہ جملہ پورا ہو گیا۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

(الف) کیا ایک عام اردو داں کے نزدیک یہ جملہ صحیح ہے؟

(ب) کیا ۱۹۱۸ء میں یہی زبان بولی اور لکھی جاتی تھی؟

(ج) اچھا ترجمہ تو کجا کیا اس کو اچھی اردو بھی کہہ سکتے ہیں؟

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمہ کی اصلاحی شکل ہے۔

اب دیکھیے کنزالایمان کا ترجمہ:

''تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لیے ہے''

آیت ۲۲۰: علاّمہ صاحب نے یوں ترجمہ کیا:

''کہہ دے سنوارنا اُن کے کام کا بہتر ہے''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ کیا:

''تم فرماؤ اُن کا بھلا کرنا بہتر ہے''

اندازہ کیجیے کہ دونوں ترجموں میں کس کے دل میں اللہ کے محبوب ﷺ کی کتنی عزت اور عظمت تھی۔

آیت ۲۵۱: علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

''اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک''

خط کشیدہ ٹکڑے پر غور کیجیے۔ کیا ''اللہ کا دفع کرا دینا'' ٹکڑے سے ایک فاسد معنی پیدا نہیں ہو سکتے؟ جیسے کوئی کہے کہ ''اس جھگڑے کا دفع کرا دینا ہی بہتر ہے'' یا ''بیماری کا دفع کرانا اطبا کا کام ہے'' غالباً بعض لوگوں کے نزدیک سب سے اچھے ترجمے کا معیار یہی ہے۔ یہ ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے میں اصلاح اور ترمیم کے بعد کیا گیا ہے۔ جس میں فاسد معنی کا احتمال نہیں تھا۔ اُن کا ترجمہ ہے:

''اور اگر دفع نہ کرواوے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو خراب ہو جاوے ملک''

اور امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے''

۳۔ سورۂ آل عمران

آیت ۱۵: علاّمہ محمودالحسن صاحب اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں، جن کے نیچے جاری ہیں نہریں۔ ہمیشہ رہیں گے اُن میں اور عورتیں ہیں ستھری اور رضامندی اللہ کی اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے"

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کے دو لفظ اور ایک چھوٹا فقرہ بدل کر کیا گیا ہے یعنی "بہتی" کو بدل کر "جاری" اور "ندیاں" کو بدل کر "نہریں" کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کے ایک فقرے "رہ پڑے انہیں میں" کو "ہمیشہ رہیں گے ان میں" سے بدل دیا گیا۔ گویا شاہ صاحب کے ترجمے کی زبان میں امتدادِ زمانہ کے سبب جو اجنبیت آ گئی تھی اس کو ختم کر دیا گیا، لیکن امام احمد رضا ان سے چھ ۶ برس پہلے اس کا ترجمہ اس طرح کر چکے تھے:

"پرہیزگاروں کے لیے اُن کے رب کے پاس جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور ستھری بیبیاں اور اللہ کی خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے"

دونوں ترجموں کی زبان کا فرق واضح ہے۔

آیت ۲۰: علاّمہ محمودالحسن ترجمہ فرماتے ہیں:

"میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم پر"

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

"میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں"

آیت ۲۸: علاّمہ ترجمہ ارقام فرماتے ہیں:

"مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم اُن سے بچاؤ"

یہ ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی اصلاحی صورت ہے۔ امام احمد رضا اس جُز کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

"مگر یہ کہ تم اُن سے کچھ ڈرو"

سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ترجمۂ کنزالایمان کی آٹھ خوبیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سورہ کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت ایک اور خوبی علم میں آئی اور وہ ہے "جامعیت" (یہ خوبی سورۂ فاتحہ اور بقرہ کے تراجم

میں بھی تھی، لیکن ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکی)۔ مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اس خوبی کی واضح دلیل ہے۔

آیت ۳۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو برقرار رکھا ہے اور کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ترجمہ یہ ہے:

’’آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اُس میں فرق پڑ جاوے دور کا‘‘

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

’’کاش مجھ میں اور اُس میں دور کا فاصلہ ہوتا‘‘

حق یہ ہے کہ اتنا جامع ترجمہ کسی سے نہیں ہوسکا۔

آیت ۳۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمہ فرماتے ہیں:

’’پھر قبول کیا اُس کو اُس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا‘‘

قارئین فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ کہاں کی اردو ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

’’تو اُسے اُس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اُسے اچھا پروان چڑھایا‘‘

بقول شخصے اردو کے سب اچھے ترجمے کے مقابلے میں کنزالایمان کی جامعیت کی داد نہ دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ جامعیت سے قطع نظر دونوں ترجموں کی زبان ترسیل کا کتنا حق ادا کرتی ہے اس پر تبصرہ کرنا غیر ضروری ہے۔ کم پڑھے لکھے اور بعض اَن پڑھ بھی دونوں ترجموں کے فرق کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

آیت ۴۴: شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

’’جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پالے مریم کو‘‘

ترجمے میں ابہام ہے۔ قلم ڈالنے سے کیا مراد ہے، اس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے بھی اس ابہام کو دور نہیں کیا بلکہ اس میں موجود جامعیت کی خوبی کو بھی ختم کردیا۔ ترجمے میں تین الفاظ بڑھا کر بھی کوئی ترقی نہیں دے سکے۔ انھوں نے اس طرح ترجمہ کیا:

’’جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو‘‘

امام احمد رضا نے اس حصّۂ آیت کا ترجمہ یوں کیا:

’’جب وہ اپنے قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں‘‘

الفاظ کی تعداد کچھ بڑھ گئی؛ لیکن ابہام ختم ہو گیا۔ جامعیت نویں خوبی تھی۔ وضاحت کو دسویں خوبی شمار کیجیے۔ (یہ خوبی بھی شروع سے موجود ہے ذہن کی گرفت میں یہاں آئی ہے)

آیت ۷۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب آیت کے ایک جُز کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں:

"جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول"

اس ترجمے کا مفہوم کیا ہے یہ شاید ان جیسا علاّمہ ہی سمجھ سکے۔ اس کا ایک آسان سا تجزیہ کر کے دیکھیے:

سوال:- لوگ کیا کرتے ہیں؟

جواب:- لوگ مول لیتے ہیں۔

سوال:- کیا مول لیتے ہیں؟

جواب:- تھوڑا سا مول (اللہ کے قرار پر اپنی قسموں پر)

اس جواب کی اور وضاحت کیجیے تو صورت یہ ہو گی۔

(الف) لوگ اللہ کے قرار پر مول لیتے ہیں (ب) اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول لیتے ہیں۔

پہلے جُز کو سمجھنے کے لیے تو مترجم جیسا ہی علم درکار ہے لیکن جُز "تھوڑا سا مول" خریدتے (مول لیتے) ہیں، کہاں کی اردو ہے فقیر اس سے قطعی نابلد ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حصّۂ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

"جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں"

وضاحت بھی ہے اور جامعیت بھی۔ ایسا نفیس ترجمہ وہی کر سکتا ہے جس کو ہر دو زبان پر حاکمانہ قدرت حاصل ہو۔

آیت ۷۹: اس کے ایک جُز کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے یوں کیا تھا:

"جیسے تھے تم کتاب سکھاتے"

علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس کی تجدید یوں کی:

"جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب"

گویا کہ علاّمہ موصوف کے نزدیک سکھاتے کے مقابل سکھلاتے فصیح تر ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

''اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو''

پس صحتِ زبان کنزالایمان کی گیارہویں خوبی ہے۔

آیت ۱۰۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا:

''اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے بعضے اہلِ کتاب کا تو پھر کردیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر''

قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہوگا اور جنھوں نے یہ خیال نہیں کیا ہے وہ غور فرمالیں کہ علاّمہ محمودالحسن صاحب کا مبینہ اردو ترجمۂ قرآن (جو بقول شخصے اردو کا سب سے اچھا ترجمہ ہے) اردو نثر کی نحوی ترتیب سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس ترجمے میں بارہا بلکہ تقریباً ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے کہ فعل مقدّم اور فاعل مؤخر ہوتا ہے۔ ''کردیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر'' بامحاورہ اردو نہیں ہے، لہٰذا یہ ترجمہ بھی بامحاورہ نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن کے عربی الفاظ کے تقدّم و تاخر کے مطابق اردو الفاظ کو مقدّم اور مؤخر رکھنا لفظی ترجمے کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ایسا ہے؛ لیکن نثر کے ابتدائی دور کا ہونے کے سبب وہ غنیمت ہے۔ پھر بھی ہم اس کو لفظی ترجمہ ہی کہیں گے۔ بعض مؤرخین ادب اردو جو شاہ صاحب کے ترجمے کو بامحاورہ کہتے ہیں تو ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ نثر کی قدامت کے زیادہ سے زیادہ شواہد کتابوں سے فراہم کیے جاسکیں۔

یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ (۱۰۰) کا جب یہ ترجمہ ہوگا:

''کردیں گے وہ تم کو ایمان لائے پیچھے کافر''

تو یہ لفظی ترجمہ ہوگا کیونکہ اس ترجمے کے الفاظ کی ترتیب عربی الفاظ کی ترتیب کے مطابق ہے اور اگر اس کا ترجمہ یوں کیا جائے:

''وہ تمھیں ایمان لانے کے بعد کافر کردیں گے''

تو یہ بامحاورہ ترجمہ ہوگا۔ کیونکہ اردو نثر اور بول چال میں الفاظ کی ترتیب اسی طرح ہوتی ہے۔ حضرت علاّمہ کا یہ اندازِ بیان (اردو کی ترتیب الفاظ عربی کے مطابق) داستانوں کے زمانے کی یاد دلاتا ہے، جب کہا جاتا تھا یا لکھا جاتا تھا:

''آنا راجہ اندر کا محفل میں اور ساز دُرست کرنا سازندوں کا اور ناچ دکھانا نیلم پری کا''

یا اس میں گلابی اردو (مزاح نگاری) کا رنگ نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مولانا ظفر علی خاں یا مُلّا

رموزی اپنے قارئین کو ہنسانے کے لیے الفاظ کے اُلٹ پھیر سے کام لے رہے ہوں۔ظاہر ہے کہ ترجمۂ قرآن میں اس انداز کو مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔

امام احمد رضا نے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح کیا:

''اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے''

اس ترجمے میں اہلِ کتاب کے لیے ''کتابیوں کا'' استعمال بھی اردو کے روزمرّہ کے عین مطابق ہے۔معلوم ہوا کہ ''بامحاورہ زبان'' ترجمۂ کنزالایمان کی بارہویں خصوصیت ہے۔

آیت ۱۰۱: علّامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا:

''اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو''

یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی کیا تھا؛ لیکن یہ اُس دور کی بات تھی جب اردو زبان ٹھیک سے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔حضرت علاّمہ نے اس ترجمے میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں سمجھی اور اللہ رب العزت کی تجسیم کے فاسد عقیدے کا سامان پیدا کیا۔ظاہر ہے کہ کسی جسم کو ہی پکڑا جا سکتا ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

''اور جس نے اللہ کا سہارا لیا''

آیت ۱۰۸: شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

''اور اللہ نہیں چاہتا ظلم جہان والوں پر''

قطع نظر لفظی ترتیب کے اچھا خاصا ترجمہ تھا؛ لیکن علاّمہ کو یہ پسند نہیں آیا اور انھوں نے اس میں اس طرح اصلاح فرمائی:

''اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر''

گویا اس کا کام ظلم کرنا تو ہے؛ لیکن وہ اس وقت یا اس مخلوق پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

''اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا''

یعنی اللہ رب العزت کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس کی مخلوق پر کوئی ظلم کرے۔اس باریک فرق تک ذہن کی رسائی

ہو جائے تو بے ساختہ زبان سے داد نکل جائے گی۔

آیت ۱۱۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں"

"اُمتوں" جمع اور "بھیجی گئی" واحد سے متعلق ہے۔ غیر اردو داں حضرات بھی اردو بولنے یا لکھنے میں ایسی غلطی شاید ہی کریں۔ شاید کوئی کہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا تو جواباً عرض ہے کہ اس عہد کی اردو کی تہی دامنی کو دیکھتے ہوئے شاہ صاحب کو معذور خیال کرنا چاہیے؛ لیکن ترجمۂ کنزالایمان کے ۶/ برس بعد علاّمہ محمودالحسن صاحب کے سامنے خدا جانے ایسی کون سی مجبوری آ گئی تھی جو واحد و جمع کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اُس وقت تو واحد اسم کے ساتھ واحد فعل اور جمع اسم کے ساتھ جمع فعل کا صیغہ ہی استعمال ہوتا تھا۔ ثبوت کنزالایمان میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

"تم بہتر ہو اُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں"

اگر کوئی کہے کہ واحد فعل اس لیے آیا ہے کہ اشارہ آخری اُمت کی طرف ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ علاّمہ صاحب نے ہی لفظ "تم" لکھا ہے اور اس کے ساتھ بھی واحد نہیں ہمیشہ سے جمع فعل ہی آتا ہے۔ ہاں، اگر علاّمہ اردو زبان سے نا آشنا تھے تو اس کا کوئی علاج نہیں اور ان کو بھی معذور سمجھنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمے میں رقم طراز ہیں:

"اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر"

اس ترجمے میں لفظ "بٹھلانے" پر غور فرمایئے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے لفظ "بٹھانے" استعمال کیا تھا۔ لیکن علاّمہ کو فعل متعدی المتعدی سے خدا جانے اتنا لگاؤ کیوں ہے کہ اچھے خاصے ترجمے کی مٹی پلید کر دیتے ہیں۔ "بتانا" کی بجائے "بتلانا" "سکھانا" کی بجائے "سکھلانا" پہلے آ چکے ہیں اور اب "بٹھلانا" میں نہ جانے اُن کو کتنی شیرینی اور فصاحت نظر آئی جو شاہ صاحب کے ترجمے کی اصلاح کر دی...... بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

"بٹھلانا، سکھلانا،...... فصیح نہیں سمجھے جاتے۔ یہی حال بتلانا کا ہے۔"[1]

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

''اور یاد کرو اے محبوب! جب تم صبح کو اپنے دولت خانے سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے موروچوں پر قائم کرتے''

طرزِ تخاطب، الفاظ کی دروبست، عبارت کی روانی سب چیزیں قابلِ داد ہیں۔

آیت ۱۳۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمہ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو مت کھاؤ سود دُونے پر دُونا''

یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی کیا تھا۔ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس میں کوئی ترقی نہیں کی۔ امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

''اے ایمان والو سود دُونا دُون نہ کھاؤ''

اس ترجمے میں علاّمہ صاحب کے ترجمے کے مقابلے میں جامعیت بھی ہے اور یہ اردو روزمرّہ کے مطابق بھی ہے۔

آیت ۱۴۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم اُن کو لوگوں میں اور اس لیے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے''

یہ دو جملے ہیں۔ پہلے جملے کا مطلب کیا ہے بہت غور کرنے پر بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر اس جملے میں ''اُن کو'' نہ ہوتا تو مطلب نکل سکتا تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے پہلے حصّہ کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں''

زبان اگرچہ قدیم ہے لیکن کچھ نہ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ علاّمہ نے بیچ میں ''اُن کو'' داخل کر کے ترجمے کو چیستان بنا دیا۔ چیستاں کو تو خیر پھر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اردو کے اس ترجمے کو سمجھنے کا دعویٰ کسی کے لیے بھی مشکل ہے۔ امام احمد رضا نے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

''اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی''

یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ محمودالحسن صاحب کی اس چیستان کو اُن کے مفسّر نے سلجھانے کی کوشش کی اور دوسرے حصّے کی وضاحت میں ہار جھک مار کر وہی لکھ دیا جو امام احمد رضا چھ ۶ برس پہلے ہی صدرالشریعہ کو املا کرا چکے تھے، یعنی۔

''سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کردے دونوں کا رنگ صاف صاف اور جُدا جُدا نظر آنے لگے''

مفسّر نے یہ نہیں لکھا کہ اللہ معلوم کرے یا پتہ چلائے کہ کون کون ایمان دار ہیں۔

آیت ۱۵۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب اس طرح ترجمہ عنایت کرتے ہیں:

''جب تم چڑھے چلے جاتے تھے''

چڑھے چلے جانے کا مطلب خدا جانے اس جگہ پر کیا ہے۔اس کا ایک مفہوم تو کسی پر حملہ کرنے کے ارادے سے لیا جاتا ہے۔کسی بلندی پر پہنچنے کی کوشش کو بھی انہیں الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور کم ہی سہی آپے سے باہر ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔سوال یہ ہے کہ قاری کون سا مفہوم مراد لے۔اگر چہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے کیا تھا،لیکن کیا بدلے ہوئے زمانے میں اس کی وضاحت ضروری نہیں تھی۔امام احمد رضا نے ترجمہ اس طرح لکھایا:

''جب تم منھ اُٹھائے چلے جاتے تھے''

آیت ۱۵۹:علاّمہ محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں دو لفظ بدل کر ترجمہ اس طرح اپنے نام کرلیا:

''سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا اُن کو''

شاہ عبدالقدر صاحب نے ''ہی رحمت'' کی جگہ ''مہر'' اور ''مل گیا'' کی جگہ ''ملا'' لکھا تھا۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے''

دونوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔

٤۔ سورۂ نساء

آیت ۳٦: علاّمہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ کو پسند نہیں آتا اترانے والا، بڑائی کرنے والا''

''بڑائی کرنے والا'' میں ابہام ہے۔بڑائی تعریف کو بھی کہتے ہیں۔ترجمے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ کس کی بڑائی

کرنے والا اللہ کو پسند نہیں آتا۔ کیا اللہ کی بڑائی کرنے والا بھی اُسے پسند نہیں۔ تو کیا اللہ کی بڑائی نہیں کرنی چاہیے؟

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

"بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اِترانے والا، بڑائی مارنے والا"

بڑائی مارنے کا مطلب ہے۔ ڈینگ ہانکنا، تکبّر کی بات کرنا، شیخی مارنا، اپنی تعریف آپ کرنا۔ اسے کہتے ہیں ترجمے کا حق ادا کرنا۔

آیت ۱۱۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ہے:

"ہم حوالہ کریں گے اُس کو وہی طرف جو اُس نے اختیار کی"

"وہی طرف حوالہ کریں گے" معلوم نہیں کہاں کی اردو ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے"

آیت ۱۳۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اے لوگو! اور لے آئے اور لوگوں کو"

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں تصرّف کے بعد وجود میں آیا ہے، لیکن پھر بھی علاّمہ کے عہد کی زبان کے مطابق نہیں ہوا جبکہ امام احمد رضا ان سے ۶ برس پہلے یہ ترجمہ کر چکے تھے:

"اے لوگو! وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے"

دونوں ترجموں کی زبان کے فرق کو ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

آیت ۱۳۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا۔ طویل مدّت گزر جانے کے بعد بھی علاّمہ نے اس کی زبان بدلنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گویا وہ اس کو حسبِ حال سمجھتے تھے۔ جبکہ اُن سے پہلے امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا:

"اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"

ملاحظہ فرمائیے کتنا با محاورہ اور منھ بولتا ہوا ترجمہ ہے۔

آیت ۱۴۲: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی اُن کو دغا دے گا"

افسوس اس پر ہے کہ علاّمہ کو یہ بھی معلوم نہیں کون سا لفظ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو دغا بازی کا مرادِف کوئی لفظ اردو میں ملا نہیں۔ مرحلہ بھی سخت تھا؛ لیکن امام احمد رضا اس مشکل مرحلے سے بہ حسن و خوبی گزر گئے اور یہ ترجمہ املا کرایا:

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی اُنہیں غافل کر کے مارے گا"

آیت ۱۴۳: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اَدھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ، نہ اِن کی طرف نہ اُن کی طرف"

یہ ترجمہ بھی بلفظہٖ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

"بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے"

دونوں ترجموں کا فرق روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ جامعیت سے بھی مزین ہے۔

آیت ۱۵۳: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"تجھ سے درخواست کرتے ہیں اہلِ کتاب کہ تُو اُن پر اُتار لاوے لکھی ہوئی کتاب آسمان سے۔ سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اِس سے بھی بڑی چیز اور کہا ہم کو دکھلا دے اللہ کو بالکل سامنے۔ سو آ پڑی اُن پر بجلی اُن کے گناہ کے باعث"

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ترجمے کو دیکھئے اور فرق محسوس کیجیے:

"اے محبوب! اہلِ کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ اُن پر آسمان سے ایک کتاب اُتار دو تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو اُنہیں کڑک نے آ لیا اُن کے گناہوں پر"

آیت ۱۶۱: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو اُن میں ہیں عذاب دردناک"

اس ترجمے میں خط کشیدہ الفاظ (یعنی جو اُن میں ہیں) صحیح جگہ پر نہیں ہیں اور عبارت کی روانی میں بھاری پتھر کی

طرح رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ اس جگہ بھی کھپ سکتے تھے اگر ان کو قوسین میں لے لیا جاتا؛ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

اب امام احمد رضا کا بغیر کسی اہتمامِ خاص کے املا کرایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور اُن میں جو کافر ہوئے ہم نے اُن کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''

آیت ۱۶۴: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ یوں کیا:

''اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر''

خط کشیدہ (یعنی بول کر) بھرتی کے الفاظ ہیں۔ یہ نہ ہوتے تب بھی یہی مفہوم ہوتا۔ یہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالکل یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی کیا تھا۔علاّمہ نے اردو نثر کے ابتدائی دور کے زوائد کو دور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔امام احمد رضا آیت کے اس حصّے کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

''اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا''

آیت ۱۷۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور اُس کی ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا اُس کا جو چھوڑ مرا''

علاّمہ نے ''جو چھوڑ مرا'' شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے نقل کیا ہے اور یہ اُن کو اتنا پسند ہے کہ اس کی کافی تکرار کی ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا:

''اُس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں سے اُس کی بہن کا آدھا ہے''

لفظ ''ترکہ'' نے ترجمے کا حق ادا کر دیا۔اب ضرورت ہی نہیں کہ ''اس کا جو چھوڑ مرا'' لکھا جائے۔ زبان پر ایسی حاکمانہ قدرت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔سچ ہے ''جائے استاد خالیست۔''

۵۔ سورۂ مائدہ

آیت ۳۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ کیا:

''کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے''

جب تک اس کی مزید تشریح نہ کی جائے، عام قاری کے لیے سمجھنا محال ہے۔اسی لیے اُن کے شارح علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو اس ترجمے پر حاشیہ لکھنا پڑا، انہوں نے حاشیے میں لکھا:

''یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''کاٹیے اُن کے ہاتھ اور پاؤں مقابل کا''

علامہ نے اصلاح اور تجدید کے نام پر شاہ صاحب کے ترجمے سے بھی زیادہ ابہام پیدا کر دیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھا تھا:

''ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں''

آیت ۳۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا:

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو اُن کے ہاتھ''

اس ترجمے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ اگرچہ اس میں دونوں یعنی چور مرد و عورت کا ذکر موجود ہے، لیکن ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جس سے انہیں کے ہاتھ کاٹے جانے کا اشارہ ملتا ہو۔ کوئی شخص یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں چور مرد اور عورت کو مخاطب بنایا گیا ہے، جبکہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا تھا:

''اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت تو کاٹ ڈالو اُن کے ہاتھ''

اس ترجمے میں کوئی لفظ متروک بھی نہیں تھا اور نہ کوئی مشکل لفظ تھا۔ پھر اُس کو بدل کر علاّمہ صاحب نے کیوں ایسا ترجمہ کیا جو معنوی اعتبار سے ناقص ہے۔ یہ بات فہم سے باہر ہے۔ شاید اُن کے عقیدت مندوں کے پاس اس کا کوئی جواز ہو۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اُن کا ہاتھ کاٹو''

آیت ۴۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح کیا:

''تم دوڑ کر لو خوبیاں''

یہ کیسی زبان ہے ہر اردوداں جانتا ہے، اس موقع پر شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''تم بڑھ کر لو خوبیاں''

علاّمہ صاحب نے اپنے مقدمے میں یہی تحریر فرمایا تھا کہ مزید کسی ترجمۂ قرآن کی ضرورت نہیں۔اس لیے شاہ صاحب کے ترجمے میں متروک الفاظ کی جگہ مرّوج الفاظ اور مشکل الفاظ کی جگہ آسان الفاظ لکھ دیے جائیں گے۔ جناب علاّمہ نے اس ترجمے میں شاہ صاحب کے دولفظوں کو بدلا ہے۔ وہ لفظ ہیں ''بڑھ کر''۔اہلِ زبان بلکہ کم پڑھے لکھے بھی جانتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ابھی تک نہ تو متروک ہوئے ہیں اور نہ مشکل ہی ہیں۔علاّمہ صاحب نے ''بڑھ کر'' کو''دوڑ کر'' سے بدلا،تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اس بات کو نہیں نباہا جس کا اعلان انہوں نے مقدمے میں کیا تھا۔ جب وہ اپنے متعین کردہ دائرۂ کار سے باہر نکل ہی گئے تھے تو آیت کے اس حصّے کا ترجمہ مروّج زبان میں بھی کر سکتے تھے،اور کون کہہ سکتا ہے کہ اُنہوں نے کوئی کسر چھوڑی ہوگی۔اندازہ ہے کہ انہوں نے پوری قوت لگا کر یہ ترجمہ کیا ہوگا،اور غالبًا یہی اُن کی ترجمہ نگاری کی معراج ہے۔شاید وہ اپنی اس کمزوری سے واقف بھی تھے،اس لیے کوئی نیا ترجمہ کرنے کے خلاف تھے۔علمیت کا بھرم رکھنے اور مترجمینِ قرآن میں نام شامل کرانے کے لیے شاہ صاحب کے ترجمے پر مشقِ ستم کرنے کا موقع مل گیا،اور پھر ایسے نام نہاد دانش ور بھی مل گئے جو اس ترجمے کو اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ کہہ گئے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ یوں اِملا کرایا:

''بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو''

نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو یہ ہے صحیح معنوں میں اردو ترجمہ۔

آیت ۵۷: جناب علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اے ایمان والو! مت بناؤ اُن لوگوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل، وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور نہ کافروں کو اپنا دوست''

اس آیت میں اللہ رب العزت نے کچھ لوگوں کا ذکر کر کے حکم دیا ہے کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔اب علاّمہ کے ترجمے میں ''مت بناؤ'' اور ''دوست'' الفاظ کو تلاش کیجیے۔(قارئین کی سہولت کے لیے اُن کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے)اور دیکھیے اُن کے مابین کتنے الفاظ اور ہیں۔کیا اتنے فصل کے بعد ہر شخص اُن کا مفہوم ''مت بناؤ دوست''

آسانی سے لے سکے گا۔ معلوم نہیں یہ کس زمانے کی اردو ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں بھی ایسی مثال ملنی مشکل ہے، خود شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''اے ایمان والو! رفیق نہ پکڑو واسیوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل اور جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور وہ جو کافر ہیں''

''رفیق نہ پکڑو'' اب متروک ہے تو کیا اس کی جگہ ''مت بناؤ دوست'' یا ''دوست نہ بناؤ'' نہیں لایا جا سکتا تھا؟ اور اس کے ٹکڑے کرکے اُن کو اتنے فاصلے پر رکھنے کا جواز کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ عربی متن میں ''لَا تَتَّخِذُوْا'' پہلے اور ''اَوْلِیَاءَ'' بعد میں آیا ہے اور علاّمہ نے ہر عربی لفظ کا اُردو ترجمہ اُس کے نیچے یا عربی کی ترتیب کے مطابق لکھنے کی کوشش کی ہے۔ تو اس موقع پر یہ پوچھنا بے محل نہ ہوگا کہ ایسے ترجمے کو لفظی ترجمہ کہا جائے یا بامحاورہ، اور کیا اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنا درست ہے؟...... امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

''اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے، وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ''

آیت ۶۸: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''کہہ دے اے کتاب والو! تم کسی راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل کو اور جو تم پر اُترا تمہارے رب کی طرف سے''

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

''تم فرمادو اے کتابیو! تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کے پاس سے اُترا''

''کتابیو'' اور ''تم کچھ بھی نہیں ہو'' کا جواب نہیں۔ یہ عین اردو کا روزمرّہ ہے اور برجستہ ترجمہ بھی۔ اس خوبی کو ''فطری ترجمہ نگاری'' کا نام دیتا ہوں۔ اس کو کنزالایمان کی ۱۳/ویں خوبی تصور فرمائیے۔

آیت ۷۵: علاّمہ محمودالحسن نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''پھر دیکھ وہ کہاں اُلٹے جا رہے ہیں''

اس ترجمے میں شاہ صاحب کے ترجمے پر ایک لفظ وہ (خط کشیدہ) کا اضافہ کیا گیا ہے اور "اُلٹے" میں واؤ زائد کم کیا گیا ہے، جو اَب متروک ہے۔ دوسری ترمیم تو متروک ہونے کے باعث اُن کے دائرۂ کار میں آتی ہے، لیکن لفظ "وہ" کا اضافہ بتا رہا ہے کہ وہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے سے مطمئن نہیں تھے اور انہوں نے اپنے مقدمے میں شاہ صاحب کے ترجمے کی جو تعریف کی ہے، وہ محض دکھاوا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:

"پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں"

بالکل فطری اور روزمرّہ کے مطابق ترجمہ ہے۔ اب فعلِ متعدی المتعدی کی بہاریں دیکھیے۔

آیت ۶۰: علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے ترجمہ کیا تھا:

"تو کہہ میں تم کو بتاؤں ان میں کس کی بُری جزا ہے اللہ کے ہاں"

علاّمہ موصوف نے شاہ صاحب کے ترجمے میں صرف ایک لفظ بدلا ہے اور وہ تھا "بتاؤں" گویا لفظ "بتاؤں" متروک تھا اور "بتلاؤں" اہلِ زبان کا روزمرّہ۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

"تم فرماؤ کیا میں بتادوں جو اللہ کے یہاں اُس سے بدتر درجہ میں ہیں"

دونوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔

آیت ۶۷: علاّمہ کا ترجمہ ہے:

"بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قومِ کُفّار کو"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے: "اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو"

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ اِملا کرایا: "بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا"

آیت ۱۰۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ ارقام فرمایا:

"پھر وہ جتلادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ کیا تھا:

”تم سب کو پھر وہ جتادے گا، جو کچھ تم کرتے تھے“

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا:

”پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم کرتے تھے“

اِن تین آیتوں کے ترجمے سے فقیر کے اِس خیال کو مزید تائید حاصل ہوتی ہے کہ علاّمہ محمودالحسن صاحب کو فعلِ متعدی المتعدی از حد مرغوب تھا اور اس کو وہ اِتنا پسند کرتے تھے کہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کو بھی بدل دیتے تھے۔

اب تک کے موازنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ہر آیت اور اُس کے ہر جُز کے ترجمے میں امام احمد رضا نے ہر دو مترجمین سے کم الفاظ میں کام لیا، مطلب یہ ہوا کہ اختصار کنزالایمان کی چودھویں خوبی ہے۔

٦۔ سورۂ انعام

آیت ٦: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس پوری آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کر دیں ہم نے اُن سے پہلے اُمّتیں، جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی اُن کے نیچے۔ پھر ہلاک کیا ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے اُن کے بعد اور اُمّتوں کو“

اسی آیت کا امام احمد رضا کا لکھا ہوا ترجمہ یہ ہے:

”کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں اُنہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا اور اُن پر موسلا دھار پانی بھیجا اور اُن کے نیچے نہریں بہائیں، تو اُنہیں ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور اُن کے بعد اور سنگت اُٹھائی“

اب دونوں ترجموں کے ہر ہر فقرے اور ہر ہر جملے کا موازنہ کر کے دیکھئے:

ترجمہ علاّمہ محمودالحسن صاحب	ترجمہ کنزالایمان
(الف) کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے اُمّتیں۔	(الف) کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں۔

(ب) جن کو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا۔	(ب) انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تم کو نہ دیا۔
(ج) اور چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا۔	(ج) اور اُن پر موسلادھار پانی بھیجا۔
(د) اور بنادیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی اُن کے نیچے۔	(د) اور اُن کے نیچے نہریں بہائیں۔
(ہ) پھر ہلاک کر دیا ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے اُن کے بعد اور امتوں کو۔	(ہ) تو انہیں ہم نے اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور اُن کے بعد اور سنگت اُٹھائی۔

زبان کی معمولی فہم رکھنے والا بھی اس موازنے سے دونوں ترجموں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے۔

آیت ۱۰: حضرت علاّمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''اور بلاشبہ ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا اُن سے ہنسی کرنے والوں کو اُس چیز نے کہ جس پر ہنسا کرتے تھے''

اس ترجمے پر کوئی تبصرہ کیے بغیر آیت کے اسی حصّے کا امام احمد رضا کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

''اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو اُن سے ہنستے تھے اُن کی ہنسی اُنہیں کو لے بیٹھی''

قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون سا ترجمہ بہتر ہے اور کتنا بہتر ہے۔ بغیر کسی تبصرے کے دو آیتوں کے ترجمے اور ملاحظہ فرمایئے۔

آیت ۲۴: علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں اُن سے وہ باتیں جو بنایا کرتے تھے''

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

”دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گُم گئیں اُن سے جو باتیں بناتے تھے“

آیت ۳۷: جناب علاّمہ ترجمہ طراز ہیں:

”اور کہتے ہیں کیوں نہیں اُتری اُس پر کوئی نشانی اُس کے رب کی طرف سے، کہہ دے کہ اللہ کو قدرت ہے اِس بات پر کہ اُتارے نشانی، لیکن اُن میں اکثر نہیں جانتے“

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ اِملا کردیا:

”اور بولے اُن پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری اُن کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اُتارے؛ لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں“

آیت ۵۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ رقم فرمایا:

”تو کہہ میں نہیں چلتا تمہاری خوشی پر بیشک اب تو میں بہک جاؤں گا اور نہ رہوں گا ہدایت پانے والوں میں“

اس ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے کہلوایا کہ میں اب بہک جاؤں گا اور ہدایت یافتہ نہ رہوں گا یعنی گمراہ ہوجاؤں گا۔

ہر صاحبِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غلط بات کہنے کا حکم نہیں دیتا اور یہ بھی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سرکار ﷺ ہمیشہ ہادی اور مہدی رہے۔ لہٰذا ترجمہ درست نہیں ہوا۔ اس ترجمے پر اس کے حاشیہ نگار علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے بھی خامہ فرسائی کی، لیکن اس نازک مسئلے کو نظر انداز کر گئے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

”تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر نہیں چلتا۔ یوں ہو تو مَیں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں“

بے شک کفار کی خواہش یہی تھی کہ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے باپ دادا کے دین پر آجائیں۔ امام احمد رضا نے اس مقام کی نزاکت کو سمجھ کر عجلت میں بھی ایسا ترجمہ کیا جو حق ہی حق ہے۔

آیت ۵۷: علاّمہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا:

”میرے پاس نہیں جس چیز کی تم جلدی کر رہے ہو۔“

امام احمد رضا نے لکھایا:

”میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو“

یہ ترجمہ اردو روزمرّہ کے زیادہ قریب ہے:

آیت ۶۶: علاّمہ صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

"تو کہہ دے کہ میں نہیں تم پر داروغہ"

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ فرمایا:

"تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں"

اس فقیر حقیر نے یہ دونوں ترجمے اس لیے نقل کیے ہیں کہ لفظ "کڑوڑا" کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے (جو عربی لفظ "وکیل" کا ترجمہ ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ کنزالایمان کے لسانی جائزے کے تحریری محرّکات میں سے ایک، اس لفظ کے بارے میں سنبھل میں ایک جماعت کا اُٹھایا گیا طوفانِ بدتمیزی بھی ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۹ء میں سنبھل، یوپی سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی، جس کا نام تھا "فاضل بریلوی کا مشن اور اُن کا اصل دین قرآن وحدیث کی روشنی میں" اس کتاب پر مصنف کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد خالد قاسمی کا نام درج ہے۔ اس کتاب سے پہلے اُن کے نام سے ایک صفحہ بھی منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لیے باخبر حلقوں میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جارہی ہے کہ یہ کتاب اُن کے کسی بھائی کا عطیہ ہے، جو اس طرح کی دل آزار کتابیں اپنے اور دوسروں کے نام سے چھپواتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں ساری باتیں وہی ہیں، جو اَب سے پہلے بار بار دوہرائی جاتی رہی ہیں، اور ایک غیر ذمے دار قلم کار احسان الٰہی ظہیر کی زادہ فکر ہیں۔ اِن باتوں کا بارہا جواب بھی دیا جاچکا ہے، اس لیے یہ کتاب قابلِ اعتنا نہیں تھی، لیکن مصنف نے اس میں ترجمہ کنزالایمان میں چار بار استعمال ہونے والے لفظ "کڑوڑا" پر بھی اعتراض کیا ہے، جو نئی بات ہے اور اس پر غور وفکر بلکہ بحث کی ضرورت ہے۔

لفظ "کڑوڑا" سے متعلق بحث کرنے سے پہلے یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ مصنف کے نام کے ساتھ لگے دم چھلّے سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اگرچہ کتاب پر انہوں نے رعب ڈالنے کے لیے اپنے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" اس طرح لکھا ہے جیسے ان کے پاس کسی یونی ورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہو، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک دور افتادہ گاؤں میں دوا فروشی کرتے ہیں۔ البتہ اس دُم چھلّے سے ان کی سوچ کا پتہ چلتا ہے۔ فاضلِ دیوبند (قاسمی) ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ "مولوی" یا "مولانا" لکھنے کے بجائے "ڈاکٹر" لکھا (جب کہ ان کے پاس کسی یونی ورسٹی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ہے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ بے چارے اپنی مولویت، ملائیت

اور فضیلت سے شرم سار اور بے زار ہیں۔

پہلے تو صلوٰۃ وسلام کے خلاف جلسوں پر جلسے اور تقریروں پر تقریریں کرتے ہوئے بار بار یہ کہا گیا کہ لفظ کڑوڑا کسی ڈکشنری میں نہیں ہے۔ پھر کچھ دن بعد کہا گیا کہ صرف فرہنگِ آصفیہ میں ملتا ہے (گویا فرہنگِ آصفیہ کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بے چاروں کو لغات کے مدارج کا بھی علم نہیں ہے) پھر کتاب میں چار لغات (مہذب اللغات، فرہنگِ آصفیہ، قاعد اللغات اور فیروز اللغات) کے حوالے درج کردیے گئے۔ واضح ہو کہ ان میں فرہنگ آصفیہ کو چھوڑ کر باقی تین لغات محققین کے نزدیک استناد کے قابل نہیں ہیں۔ مصنف دو اور مستند اور معتبر ڈکشنریوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے۔ اُن دونوں لغات کے اندراجات اس طرح ہیں:

جان ٹی پلیٹس کی ڈکشنری میں اس مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ ''کروڑی'' درج ہے، معنی یہ دیئے ہیں:-

a.m Tax gatherer, inspector, overseer (of a market & c.) ۱؎

ڈنکن فاربس کی ڈکشنری میں کڑوڑا ہی درج ہے۔ معنٰی یہ دیے ہیں:

a Tax gatherer c.s. ۲؎

گویا اس لفظ کا اندراج تین مستند اور تین غیر مستند ڈکشنریوں میں پایا جاتا ہے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لفظ مجہول، غیر معروف اور غریب ہے۔ (مصنف کا اہم اعتراض یہی تھا) کیونکہ لغات میں انہیں الفاظ کا اندراج ہوتا ہے، جو بول چال اور تحریروں میں رائج ہوتے ہیں۔ بعد میں بہت سے الفاظ متروک بھی ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی ایک لفظ یہ بھی ہے جو امام احمد رضا کے عہد میں چلن میں تھا۔ اب ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ جب ''کڑوڑا'' متروک ہو گیا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ کیوں نہیں رکھ لیا جاتا۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو اس جگہ کے لیے کڑوڑا سے بہتر لفظ اردو زبان میں موجود نہیں ہے۔ دوئم کسی کی تحریر میں بھی بعد وفات تصرّف کرنا سخت ادبی جرم ہے۔ ایسا جرم تراجمِ قرآن کی تاریخ میں علاّمہ محمود الحسن صاحب سے ہی سرزد ہوا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تجدید کے نام پر شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمۂ قرآن کی تخریب ہو گئی۔

مصنف نے لکھا ہے:

''وکیل کے معنی جس پر بھروسہ کیا جائے، عاجز انسان سب کچھ اس کے سپرد کردے، وہ اسے مکمل کفایت بھی کرتا ہو۔'' ۳؎

اس سے مصنف کا مقصد صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا زیرِ بحث چار آیات میں ''وکیل'' کا ترجمہ ''قابل بھروسہ'' کرتے اور ان چاروں آیات کا ترجمہ اس طرح ہو جاتا۔

(۱) تم فرماؤ کہ میں کچھ قابل بھروسہ نہیں (سورہ الانعام ۶۶)

(۲) اور تم اُن کے بھروسے کے قابل نہیں (ایضاً ۱۰۷)

(۳) اور میں کچھ قابل بھروسہ نہیں (سورہ یونس ۱۰۸)

(۴) اور ہم نے تم کو بھروسے کے قابل بنا کر نہیں بھیجا (بنی اسرائیل ۱۵۴)

لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس کی توقع اپنے علاّ ماؤں سے کیوں نہیں کی گئی۔ علاّ مہ محمود الحسن صاحب نے ان چاروں آیات میں وکیل کا ترجمہ ایک جگہ مختار ایک جگہ ذمہّ لینے والا اور دو جگہ داروغہ کیا ہے۔ فتح محمد جالندھری صاحب نے سورۂ یونس کی آیت کے علاوہ باقی تین جگہ وکیل کا ترجمہ داروغہ کیا ہے۔ (سورۂ یونس کی مذکورہ آیت میں وکیل کا ترجمہ وکیل ہی کیا ہے) علاّ مہ تھانوی صاحب نے ایک جگہ تعینات، ایک جگہ مختار، ایک جگہ مسلّط اور ایک جگہ ذمّے دار کیا ہے۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ ان حضرات نے وکیل کا ترجمہ بھروسے کے قابل کیوں نہیں کیا؟ اور دوسرا یہ کہ وکیل کے معنیٰ داروغہ، تعینات اور مسلّط کس لغت میں درج ہیں؟ جو اُن کے پیشواؤں نے ترجموں میں داخل کیے ہیں۔

شاید یہ کہا جائے کہ شاہ رفیع الدین دہلوی نے ان چار آیات میں وکیل کا ترجمہ داروغہ ہی کیا ہے، تو یہ اُس زمانے کی بات ہے جب داروغہ سے کسی کو سوئے ظن نہیں ہوتا تھا۔ اب (بلکہ علاّ مہ کے عہد میں بھی) داروغہ سب انسپکٹر پولس کو کہا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس سے حسنِ ظن نہیں رکھتے، اس لیے اس زمانے میں لفظ داروغہ اپنی معنویت کھو چکا ہے۔

مذکورہ بالا چاروں مقامات پر ''وکیل'' سے مراد کیا ہے یہ بات بھی غور طلب ہے۔ ان چاروں ہی آیات میں اللہ ربُ العزّت نے اپنے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمہارا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ ہدایت دینے کی ذمے داری تمہاری نہیں ہے (اگر یہ ذمہ داری بھی تمہاری ہوتی تو تم وکیل ہوتے)۔ قرآنِ کریم میں یہ بات واضح الفاظ میں بھی بیان ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فَاعلَمُو اَنَّمَا عَلٰے رَسُولِنَا البَلٰغُ المُبِینُ (سورۂ مائدہ آیت ۹۲)

جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر (ترجمۂ محمودالحسن صاحب)

مَاعَلَے رَّسُوْلِ اِلَّا البَلٰغُ (سورہ مائدہ آیت ۹۹) رسول کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا (ترجمۂ محمودالحسن صاحب)

وَمَانُرسِلُ المُرسَلِینَ اِلَّا مُبَشِّرِینَ وَمُنذِرِینَ (سورۂ انعام آیت ۴۸) اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر خوشی اور ڈر سنانے کو (ترجمہ علاّمہ محمودالحسن صاحب دیوبندی)

اور علاّمہ شبیر احمد عثمانی سورۂ یونس کی آیت ۱۱۸ (جو زیرِ بحث چار آیتوں میں سے ایک ہے) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''اُن کا کام صرف آگاہ کردینے اور راستہ بتلا دینے کا ہے اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے'' ؎

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

رہا ان چار آیتوں میں وکیل کا ترجمہ کرنا، تو وہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان آیات میں لفظ ''وکیل'' فرمانے سے منشاے الٰہی پیغام پر عمل کرانے کے ذمّے دار سے ہے۔ کسی حکم پر عمل کرالینا اس شخص کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا جس کو اردو میں وکیل کہتے ہیں۔ لہٰذا ان چاروں مقامات پر ''وکیل'' کا ترجمہ ''کڑوڑا'' ہی ہوسکتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑا اور بااختیار افسر ہوتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں ''کڑوڑا'' کے معنی اس طرح درج ہوئے ہیں۔

''وہ شخص جو عاملوں اور محصلوں پر خیانت کی نگرانی کے واسطے کوئی حاکم مقرر کرے، افسروں کا افسر، حاکموں کا حاکم۔ بڑا عہدہ دار جس کے ماتحت اور عہدے دار بھی ہوں'' ؎

اب اگر کسی کو ان مقامات پر لفظ ''کڑوڑا'' پر اعتراض ہے تو وہ یہ بتائے کہ اردو میں اس کے علاوہ ایسا لفظ کون سا ہے جو یہاں منشاے الٰہی کا ترجمان ہو۔ کیا داروغہ، تعینات یا مسلّط (اگر یہ کوئی عہدے دار ہیں) تو وہ کسی سے کسی قانون پر عمل کرا سکتے ہیں؟ اور اگر ایسا لفظ پیش نہیں کر سکتے تو اعتراض کرنے سے بھی باز رہنا چاہیے۔

اب اس لفظ کی لسانی بحث پر آیئے۔ ''کڑوڑا'' پہلے رائج تھا، اب متروک ہوگیا ہے، اس کو پھر رائج کرنا چاہیے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے نہ جانے کہاں سے اُٹھا کر ایک لفظ ''کھکیڑ'' استعمال کرنا شروع کردیا۔ اگرچہ اس لفظ میں کوئی صوتی دلآویزی نہیں تھی مگر ایسا چلا کہ اچھے اچھے ادیبوں نے اپنا لیا۔ لفظ ''کڑوڑا'' چونکہ ایسا تھا کہ دو چار موقعوں پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے رواج سے دور چلا گیا۔

لفظوں کے ترک میں کبھی کبھی آمرانہ انداز سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ایک لفظ ہے دِکھنا، بہ معنی دکھائی دینا (جیسے

کیا تم کو دِکھتا نہیں ہے؟) فصحا نے اس کو متروک قرار دے دیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کے عالم اور اردو کے عظیم زباں داں پنڈت برج موہن وتاتریہ کیفی اس لفظ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”جاننا چاہیے کہ دہلی کے فصحا میں ”دِکھنا“ متروک اور غیر فصیح ہے۔ وہ اس کے بدلے ”دکھائی دینا“ لکھتے ہیں اگر چہ میں اس ترک کے خلاف ہوں، کیونکہ مجھے کوئی برہانِ ناطق نظر نہیں آتی کہ کیوں ایک چار حرف کا لفظ ترک کر کے اس کی جگہ نو حرف کا لفظ وجوباً استعمال کیا جائے۔ میرے یہاں یہ لفظ ایک جگہ آ گیا تھا، احباب نے ٹوکا۔ میں نے کہا آپ سے نکلے تو نکال دیجیے۔ اس میں وہ سب قاصر رہے آخر وہ اسی طرح قائم رہا۔“ ۱

”فاضلِ بریلوی کا مشن“ کے مصنف نے پہلے لفظ ”کڑوڑا“ کے بارے میں مہذب اللغات کا یہ اندراج نقل کیا:

”صاحبِ ”فرہنگ اثر“ لکھتے ہیں۔ یہ عورتوں کی زبان ہے۔ اُس شخص کو کہتے ہیں جو دوسروں پر رعب جمائے۔ ۲

پھر ٹیپ کا بند یہ لکھا:

”مولوی احمد رضا خاں صاحب نے عورتوں کی زبان بول کر قرآن کے واضح اعلان کو چھپایا ہے۔“ (صفحہ ۱۲۹)

مصنف نے ”فرہنگ اثر“ کی عبارت مہذب اللغات سے نقل کی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اُن کی نظر سے نہیں گذری۔ اتفاق سے یہ فقیر کو بھی دستیاب نہ ہو سکی، جس سے یہ پتہ چلتا کہ اس اجمال کی تفصیل کیا ہے۔ یہاں عورتوں کی زبان سے مراد بیگماتی زبان بھی ہو سکتی ہے، جو شریف خاندانوں کی پردہ نشین خواتین بولتی ہیں اور جو بیرونی اور گنواری اثرات سے پاک اور خالص مانی جاتی ہے۔ لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ جب جان ٹی پلیٹس، ڈنکن فاربس اور مولوی سید احمد دہلوی جیسے مستند لغت نویسوں نے اس لفظ پر اس طرح کا کوئی تبصرہ نہیں کیا تو اکیلے ”فرہنگ اثر“ کے مرتب کی رائے کیسے مانی جائے۔

رہا عورتوں کی زبان بول کر قرآن کے واضح اعلان کو چھپانے کا اعتراض تو اس بات کا ثبوت مصنف کے ذمّے ہے کہ عورتوں کی زبان کے استعمال سے قرآن کا واضح اعلان غیر واضح ہو جاتا ہے۔ پہلے تو اس لفظ کو نسوانی زبان کا ثابت کریں پھر اس بات کی دلیل دیں کہ عورتوں کی زبان سے قرآن کا اعلان غیر واضح ہو جاتا ہے، تب اس کا تحقیقی جواب دیا جائے گا۔ پہلے سے ہی مغز زنی کرنے سے کچھ حاصل نہیں، اور اس کی دلیل مصنف کبھی نہیں دے سکیں گے۔ اعتراض کے لیے منھ کھول دینا بہت آسان ہے۔ اس وقت تو اس اعتراض کا یہی مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ مسلمات ومؤمنات نہ تو قرآن کی تبلیغ کریں اور نہ قرآن کے مفاہیم پر باہم تبادلۂ خیال کریں۔

مسلم خواتین کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوسکتی ہے۔کیا قرآن صرف مردوں کے لیے ہی نازل ہوا تھا۔

لیکن اس موقع پر ایک الزامی جواب ضرور دینا چاہوں گا۔قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ سورۂ بقرہ کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت آیت ۱۹۱، ۲۰۹، اور ۲۱۷ کے تراجم میں ”بچلانا“ اور ”بچلنا“ لفظوں کے بارے میں فقیر نے عرض کیا تھا کہ قارئین کرام ان کو ذہن میں رکھیں۔قرآن کریم کے ترجمے میں یہ الفاظ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے تحریر فرمائے ہیں اور صاحبِ فرہنگ آصفیہ کے مطابق ”بچلنا“ ہندوؤں کا لفظ ہے۔

تو کیا علاّمہ محمودالحسن صاحب قرآن کے ترجمے میں ہندوؤں کی زبان استعمال کر کے توہینِ قرآن کے مرتکب نہیں ہوئے؟ مصنف کے جواب پر ہی اس فقیر کا جواب بھی مبنی ہوگا۔

اگر مصنف اس بحث کو آگے بڑھانے کے خواہش مند ہوں تو یہ بھی دیکھ لیں کہ اُن کے اکابر نے تو نسوانی الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، ایسا نہ ہو کہ بعد میں منھ کی کھانی پڑے۔

آیت ۹۱: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمے میں رقم طراز ہیں:

”اور نہیں پہچانا انھوں نے اللہ کو پورا پہچاننا“

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا“

حضرت علاّمہ صاحب نے ایک تو یہ کیا کہ فاعل (انہوں نے) کو مقدّم سے مؤخر کیا تاکہ اُن کی اردو مزے دار گلابی اردو ہو جائے۔پھر ”جانچا“ کو ”جانچنا“ اور ”پہچانا“ کو ”پہچاننا“ سے بدل دیا جبکہ یہ دونوں لفظ نہ پہلے ہی متروک یا مشکل تھے اور نہ آج ہی ہیں۔تو یا تو انہوں نے شاہ صاحب کے ترجمے کو غلط قرار دیا یا محض کاریگری اور قابلیت دکھانے کے لیے الفاظ کا ہیر پھیر کیا۔تیسرا کارنامہ یہ انجام دیا کہ اردو کے تشکیلی دور کے اسلوبِ تحریر کو برقرار رکھا جیسے کہ یہ اسلوب اُن کے عہد میں بھی رائج اور پسندیدہ رہا ہو۔انہیں اس اندازِ تحریر کے متروک ہونے کا بالکل احساس نہیں ہوا۔اُن کی اسی اُلٹ پھیر نے شاید اُن کے ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بنا دیا۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح اِملا کرایا تھا:

”اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی“

دونوں ترجموں کو دیکھ کر قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں کہ ترجمہ نگاری کا حق کس نے ادا کیا ہے۔

آیت ۱۴۷: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصّہ کا ترجمہ یوں ارقام فرمایا:

''اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی اُن کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر، یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈّی کے ساتھ''

اِس ترجمے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ خط کشیدہ لفظ''ایک'' بھرتی کا ہے، جس سے مطلب فاسد ہو رہا ہے۔کوئی کم سمجھ اور کم علم بھولا بھالا قاری یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ صرف وہ جانور حرام ہوا تھا، جس کے ایک ناخن ہو، دو، تین، چار یا پانچ ناخن والے جانور حلال تھے۔اس پر بھی کوئی اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہے، تو اس کی عقل پر رویا ہی جاسکتا ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''اور یہود پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی اُن پر حرام کی مگر جو اُن کی پیٹھ میں لگی ہو یا آنت میں یا ہڈی سے ملی ہو''

اس کو کہتے ہیں ترجمہ نگاری، کوئی بات بھی مبہم نہیں رہی۔

اب اس سورہ میں فعل متعدی المتعدی کے جلوے ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱۵۹: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اُن کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہی جتلائے گا اُن کو جو کچھ وہ کرتے تھے''

جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے فعل کی یہ صورت نہیں رکھی تھی۔اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''اُن کا کام حوالے اللہ کے۔پھر وہی جتادے گا اُن کو جیسا کچھ کرتے تھے''

علاوہ شوق تعدّی کی تکمیل کے''جیسا کچھ کرتے تھے'' کو''جو کچھ وہ کرتے تھے'' سے بھی بدل دیا گیا۔اگر غور کیا جائے تو شاہ صاحب کا ترجمہ بہر حال علاّمہ صاحب کے ترجمے سے بہتر ہے۔امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اُن کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ انہیں بتادے گا جو کچھ وہ کرتے تھے''

آیت ۱۶۴: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا ہے:

''پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔سو وہ جتلائے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے''

جتلائے گا (خط کشیدہ) جناب علاّمہ کے شوقِ تعدّی کی تکمیل ہے۔شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں''جتادے گا'' لکھا تھا علاوہ ازیں''تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے'' خلافِ محاورہ ہے۔یہ ایسا ہی ہے

جیسے کوئی کہے، ''تم تمہارے والد سے سلام کہہ دینا'' یا ''میں میرے بھائی کے ساتھ رہتا ہوں'' اہلِ زبان اس موقع پرضمیر ''اپنے'' استعمال کرتے ہیں۔لیکن جناب علاّ مہ ایسا کرتے تو اُن کا ترجمہ سارے ترجموں کا سرتاج کیوں کر ہوتا۔ واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ نقص نہیں ہے۔اس کو جناب علاّ مہ نے بہ کوشش پیدا کیا ہے۔ ہر چند کہ شاہ صاحب نے الفاظ ''تمہارے'' اور ''تمہاری'' استعمال کیے ہیں، لیکن سلیقے کے ساتھ۔ وہاں نقص پیدا نہیں ہوا۔ یہ انوکھا روزمرّہ جناب علاّ مہ کا ہی ایجاد معلوم ہوتا ہے، جس کو اب غیر اردو داں کثرت سے استعمال کر رہے ہیں۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے، وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے''

۷۔ سورۂ اعراف

آیت ۱۹: حضرت علاّ مہ محمودالحسن ایک جُز کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں:

''اور پاس نہ جاؤ اُس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار''

''پاس نہ جاؤ'' صرف نہی ہے تاکید نہیں۔ مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت پاس نہ جاؤ۔ جیسے کوئی کہے کہ ''مت کھاؤ'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت نہ کھاؤ نہ یہ کہ کبھی مت کھاؤ۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تاکید کی گئی تھی کہ مذکورہ درخت کے پاس کبھی نہ جائیں۔اس ترجمے کی یہ پہلی خامی ہے۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی تقریباً یہی ترجمہ کیا تھا۔علاّ مہ نے صرف ایک لفظ بدل کر ترجمے پر قبضہ جما لیا۔ شاہ صاحب نے لکھا تھا۔ ''پھر تم ہوگے گنہگار'' علاّ مہ نے اس کو یوں بدل دیا ''پھر تم ہو جاؤ گے گنہگار'' لیجیے ترجمہ کا حق ادا ہو گیا۔

اِس ترجمے میں دوسرا قابلِ ذکر لفظ ''گنہگار'' ہے۔علاّ مہ کے ترجمے کے مطابق سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بتایا کہ ''فلاں درخت کے پاس مت جاؤ ورنہ تم گنہگار ہو جاؤ گے'' حضرت آدم علیہ السلام اُس درخت کے پاس چلے گئے۔تو مترجم کے نزدیک اُن کے گنہگار ہونے میں کچھ شک نہیں رہا۔عصمتِ انبیا اسلام کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔اس بارے میں فقیر اپنی طرف سے مزید کچھ نہ کہہ کر علاّ مہ کے ہی شاگرد علاّ مہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا وہ بیان یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہے جو انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔ پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے۔"

مترجم کے خاص شاگرد ہی اِس کو نامناسب مان رہے ہیں۔ شاگرد تھے اس سے زیادہ اور کہتے بھی کیا؟ لیکن

ع۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

پھر بھی ایک ندوی کا اس کو اُردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنا اُن کے علم اور انصاف پسندی کا پتہ دیتا ہے۔

ع۔ انصاف کو آواز دو انصاف کہاں ہے

امام احمد رضا نے اس حصّے کا ترجمہ تحریر کرایا:

"اور اُس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو گے"

"نہ جانا" کی نفی میں دوام پایا جاتا ہے۔

آیت ۲۲: علّامہ محمود الحسن صاحب نے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

"اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتّے"

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا تھا:

"اور لگے جوڑنے اپنے اوپر پتّے بہشت کے"

حضرت علّامہ نے صرف "پتّے" کو مؤخر کیا ہے۔ یہ انہوں نے اچھا کیا؛ لیکن ہر جگہ اس بات کا خیال نہیں رکھا کاش کے وہ ہر جگہ شاہ صاحب کے ترجمہ کو اُردو محاورے کے مطابق کر دیتے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

"اور اپنے بدن پر جنّت کے پتّے چپٹانے لگے"

آیت ۲۶: علّامہ نے ترجمے میں اس طرح گل افشانی فرمائی:

"ہم نے اُتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں اور اُتارے آرائش کے کپڑے"

اس ترجمے کا یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جسم ڈھانکنے کے لیے پوشاک نازل کی اور زیب و زینت کا لباس جسم سے الگ کر لیا۔ ابہام کا عیب لفظ "اُتارے" کی وجہ سے پیدا ہوا۔ جس کے معنی نازل کرنے کے بھی ہیں اور جسم سے الگ کرنے کے بھی۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں یہ عیب نہیں تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم نے اُتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب اور رونق اور کپڑے''

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اُتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو''

آیت ۲۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی قوم جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھتے''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی قوم جہاں سے تم اُن کو نہ دیکھو''

دونوں ترجموں میں قوم کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے اور دونوں ہی ترجمے واضح نہیں ہیں۔علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ''نہیں دیکھتے'' کو ''نہ دیکھو'' تو کردیا لیکن تفہیم میں سہولت کی کوئی کوشش نہیں کی۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

''بے شک وہ اور اُس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم اُنہیں نہیں دیکھتے''

آیت ۸۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا:

''ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور اُن کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آ ؤ ہمارے دین میں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''ہم نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور جو یقین لائے ہیں تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا تم پھر آ ؤ ہمارے دین میں''

حضرت علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں معمولی سا تصرّف کیا؛ لیکن خطاب (اے شعیب) کو مقدّم نہیں کیا جس سے اُردو روزمرّہ کا رنگ نہیں آسکا بلکہ ژولیدگی بھی پیدا ہوگئی۔علاّمہ کے ترجمے کے اس حصّے ''جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے'' کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے شہر سے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ایمان لے کر آئے تھے، جبکہ بات یہ نہیں ہے بلکہ کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں (مومنوں) کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ یہ بات بہت غور کرنے اور ماتھا پچّی کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

شاہ صاحب نے تو خیر اُردو کے ابتدائی دور میں ترجمہ کیا تھا؛ مگر حضرت علاّمہ تو امام احمد رضا کے بعد ترجمہ فرمارہے تھے اور نہایت فرصت اور آرام کی حالت میں۔ شاہ صاحب کے ترجمے کو اپنا بنانے کے لیے لفظوں میں ہیر پھیر بھی کیا، لیکن جو تصرّف ضروری تھا وہ نہیں کیا۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا:

"اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ"

آیت ۹۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"پھر آ پکڑا اُن کو زلزلہ نے"

شاہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

"پھر پکڑا اُن کو زلزلے نے"

صاف نظر آ رہا ہے کہ علاّمہ نے صرف ایک لفظ "آ" بڑھا کر شاہ صاحب کے ترجمے کو اپنا بنالیا۔ امام احمد رضا نے اُردو روزمرّہ کے مطابق علاّمہ سے ۶۰ برس پہلے یہ ترجمہ املا کرادیا تھا:

"تو انہیں زلزلے نے آلیا"

آیت ۹۳: علاّمہ نے یوں ترجمہ ارقام فرمایا:

"پھر اُلٹا پھرا اُن لوگوں سے"

شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

"پھر اُولٹا پھرا اُن سے"

حضرت علاّمہ نے صرف ایک لفظ "لوگوں" کا اضافہ کیا باقی ترجمہ شاہ صاحب کا ہی تھا۔ امام احمد رضا نے اس طرح واضح ترجمہ فرمایا:

"تو شعیب نے اُن سے منھ پھیرا"

آیت ۹۷: علاّمہ محمود الحسن نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہنچے اُن پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے کہ آ پہنچے اُن پر آفت ہماری رات ہی رات جب سوتے ہوں''

قدامت کے باوجود شاہ صاحب کے ترجمے میں کوئی خاص خامی نہیں تھی! لیکن علاّمہ نے ''نڈر'' کو ''بے ڈر'' سے بدل دیا جب کہ نڈر آج بھی رائج ہے اور ''بے ڈر'' کے رواج کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اگر ہو بھی تو ''بے ڈر'' کسی طرح بھی ''نڈر'' سے بہتر نہیں ہے۔ یہ کارروائی صرف شاہ صاحب کے ترجمے پر قبضہ جمانے کے لیے کی گئی اگر وہ کوئی لفظ نہ بدلتے یا کوئی لفظ آگے پیچھے نہیں کرتے تو کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ یہ ترجمہ علاّمہ کا نہیں بلکہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے۔ اگرچہ علاّمہ نے متروک الفاظ بدلنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جب کوئی متروک لفظ نہیں ملتا تھا رائج لفظ پر بھی ہاتھ صاف کر دیتے تھے۔ یہ ترجمہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں''

دونوں ترجموں کا فرق سرسری نظر سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔

آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا:

''بولے اے موسیٰ یا تو تُو ڈال اور یا ہم ڈالتے ہیں کہا ڈالو پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور اُن کو ڈرا دیا اور لائے بڑا جادو اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ جبھی لگا نگلنے جو سانگ انہوں نے بنایا تھا''

امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ اس طرح ہے:

''بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں۔ کہا تمہیں ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ وہ اُن کی بناوٹوں کو نگلنے لگا''

ایک ہی زمانے میں کیے ہوئے دو ترجموں کا فرق واضح ہے۔ خاص کر پہلے ترجمے میں خط کشیدہ لفظ (اور) بے محل ہے۔ اور ''باندھ دیا'' نامناسب ہے۔ اس لیے کہ نظر بندی میں نظروں یا نگاہوں کو باندھا جاتا ہے آنکھوں کو نہیں۔ آنکھوں کو پٹّی وغیرہ سے باندھا جاتا ہے اور پھر کچھ نظر نہیں آتا۔ جبکہ نظریں باندھنے کے بعد کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن علاّمہ فرماتے ہیں کہ ''باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو''۔

آیت ۱۲۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ تحریر فرمایا:

”اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان“

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ علاّمہ سے اس میں کوئی تصرّف نہیں ہوسکا یا خود نہیں کیا۔ جب کہ ”ہم کو مار مسلمان“ کو بدلنا چاہیے تھا۔ یہ پُرانے زمانے کی اُردو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلام پر ہی موت دے۔ اِس زمانے میں ”موت دے“ کے بجائے ”مار“ بولنا غیر فصیح ہے کیونکہ اب ”مارنا“ کا مطلب ضرب یا چوٹ پہنچانا ہوتا ہے۔ موت دینے کو جان سے مارنا یا مار ڈالنا بولتے ہیں۔ علاّمہ کے زمانے میں بھی یہی حال تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

”اے رب ہمارے ہم پر صبر اُنڈیل دے اور ہمیں مسلمان اُٹھا“

آیت ۱۳۹: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

”یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کررہے ہیں“

جب ”یہ لوگ“ آ گیا تو دوسرا وہ (خط کشیدہ) بھرتی کا ہوا۔ دو فاعل میں سے ایک ہی آنا چاہیے تھا اس لیے کہ یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ غلطی نہیں تھی۔ اصلاح کے نام پر علاّمہ نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں نوٹ کرایا:

”یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کررہے ہیں نرا باطل ہے“

آیت ۱۵۰: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا:

”اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ تھا:

”اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھے بودا سمجھا“

حضرت علاّمہ نے دو لفظ بدلے ”مجھے“ کو ”مجھ کو“ کر دیا اور ”بودا“ کو ”کمزور“ سے بدل دیا مگر ”ماں کے جنے“، کو علٰی حالہٖ چھوڑ دیا۔ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ شاہ صاحب کے عہد میں یہ فقرہ رواج میں رہا ہو، لیکن علاّمہ کے عہد میں تو رواج میں نہیں تھا۔ اس لیے اس کو بدلنا چاہیے تھا۔ افسوس کہ اسی کو علاّمہ نے نظر انداز کر دیا۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

”اے میرے ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا“

آیت ۱۶۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

”اور جدا جدا کر دیے ہم نے اُن کو بارہ دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں“

ترجمہ کیا ہے دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے۔ اگر ”جدا جدا کر دیے“ کے بجائے ”جدا جدا کر دیا“ ہوتا تو کچھ مفہوم ہوسکتا تھا۔ پھر بھی وضاحت نہیں ہوتی۔ اس سے بہتر شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ تھا۔ انہوں نے لکھا تھا:

”اور بانٹ کر اُن کو ہم نے کیا کئی فرقے بارہ دادوں کے پوتے“

قدیم ہونے کے سبب اگرچہ ترجمے میں زبان کا حُسن نہیں ہے مگر علاّمہ کے ترجمے سے بہتر ہے۔ معلوم نہیں علاّمہ کو اس کو بدلنے کی کیوں سوجھی۔ شاید شاہ صاحب کے ترجمے کو اپنا کرنے کے لیے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

”اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ“

۸۔ سورۂ انفال

ابتدائی ٦ آیتوں کا ترجمہ بغیر کسی تبصرے کے پیش ہے:

آیت نمبر علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ	امام احمد رضا کا ترجمہ
آیت ۱) تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو۔	آیت ۱) اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں تو اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ و رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

آیت۲) ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں اُن کے دِل اور جب پڑھا جائے اُن پر اُس کا کلام تو زیادہ ہوجاتا ہے اُن کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔	آیت۲) ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے اُن کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پراُس کی آیتیں پڑھی جائیں اُن کا ایمان ترقی پائے۔اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔
آیت۳) وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جواُن کو روزی دی ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔	آیت ۳) وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔
آیت۴) وہی ہیں سچّے ایمان والے اُن کے لیے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزّت کی۔	آیت ۴) یہی سچّے مسلمان ہیں اُن کے لیے درجے ہیں اُن کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزّت کی روزی۔
آیت ۵) جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہلِ ایمان کی راضی نہ تھی۔	آیت۵) جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا،
آیت٦) وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اُس کے ظاہر ہوچکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے۔	آیت٦) سچّی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ ظاہر ہوچکی گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

۹۔ سورۂ توبہ

آیت۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''کیوں کر ہووے مشرکوں کے لیے عہد اللہ کے نزدیک اور اُس کے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے

عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس"

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

"کیوں کر ہووے مشرکوں کو عہد اللہ پاس اور اُس کے رسول پاس، مگر جن سے تم نے عہد کیا مسجد حرام پاس"

حضرت علاّمہ نے شاہ صاحب کی قدیم زبان کو چند الفاظ بدل کر سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ترجمہ عام فہم نہ ہوسکا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

"مشرکوں کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کے پاس کوئی عہد کیوں کر ہوگا مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا"

آیت ۳۷: علاّمہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر"

امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

"ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں"

آیت ۴۰: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

"اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے"

حضرت علاّمہ نے معمولی سا تصرف کرکے شاہ صاحب کا ترجمہ اپنی مِلک بنالیا۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"اور بات اللہ کی ہمیشہ اوپر ہے"

امام احمد رضا نے اُردو محاورے کے مطابق اس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرایا:

"اور اللہ ہی کا بول بالا ہے"

آیت ۵۰: شاہ عبدالقادر صاحب نے تو یہ ترجمہ رقم فرمایا تھا:

"اور پھر کر جاویں خوشیاں کرتے"

حضرت علاّمہ نے "واؤ" کو "ہمزہ" سے بدل کر اس کو اس طرح اپنا مال قرار دیا۔

"اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے"

امام احمد رضا نے اُردو روزمرّہ کے مطابق یوں ترجمہ لکھایا:

''اور خوشیاں مناتے پھر جائیں''

آیت ۶۹: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''وہ لوگ مٹ گئے اُن کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان میں''

غور فرمائیے کہ فعل ''مٹ گئے'' کس سے متعلق ہے۔''وہ لوگ'' سے یا ''اُن کے عمل'' سے۔جس طرح فعل کا استعمال ہوا ہے وہ کسی طرح بھی دونوں سے متعلق نہیں ہوسکتا۔اس کو بار بار پڑھیے،غور کیجیے مگر یہ معمہ حل نہیں ہوگا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

''اُن کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہی لوگ گھاٹے میں ہیں''

بار بار پڑھیے اور زبان کی صفائی کی داد دیجیے۔

آیت ۷۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ ارقام فرمایا:

''ہم ضرور خیرات کریں اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں''

امام احمد رضا کا فی البدیہہ ترجمہ یہ ہے:

''ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے''

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دونوں ترجمے دو ہم عصروں کے ہیں؟

آیت ۷۶: حضرت علاّمہ ترجمے میں رقم طراز ہیں:

''پھر جب دیا اُن کو اپنے فضل سے تو اُس میں بُخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر''

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی تقریباً یہی ترجمہ کیا تھا۔حضرت علاّمہ نے صرف ایک لفظ ''تو'' کا اضافہ کرکے شاہ صاحب کے ترجمے پر قبضہ کرلیا۔ترجمے میں وہ ایسی چھوٹی موٹی تبدیلیاں اس لیے کرتے رہے کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ یہ ترجمہ تو شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے۔کسی لفظ کو ہم معنی لفظ سے بدلنا،کسی لفظ کو کم کردینا یا کوئی لفظ بڑھا دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔عربی زبان سے ناواقف شخص بھی یہ کام کرسکتا ہے۔شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو کہ جناب علاّمہ کے اردو میں سب سے اچھے مترجمِ قرآن (بقول شخصے) بن جانے کا راز بھی اسی کاریگری میں مضمر ہے۔

اِس ترجمے میں لفظ ''ٹلا کر'' پر غور کیجیے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لفظ فصیح ہے اور اس موقع پر استعمال کرنے کے لیے کوئی

دوسرا لفظ کیا جناب علّامہ کے پاس نہیں تھا؟ کیا وہ اُردو لغات سے بہرہ مند نہیں تھے؟

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

"تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اُس میں بخل کرنے لگے اور منھ پھیر کر پلٹ گئے"

آیت ۷۷: جناب علّامہ کا ترجمہ یہ ہے:

"پھر اُس کا اثر رکھ دیا نفاق اُن کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اُس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اُس سے کیا تھا اور اِس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ"

اس ترجمے کے پہلے فقرے (خط کشیدہ) کا مفہوم سمجھنا کسی بھی اُردو داں کے لیے مشکل ہے اس وجہ سے ترجمہ مبہم ہو کر رہ گیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح بول کر لکھایا تھا:

"تو اُس کے پیچھے اللہ نے اُن کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اُس دن تک کہ اُس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے"

قارئین ملاحظہ فرمالیں کہ مبہم ترجمے کے مقابلے میں کیسا واضح ترجمہ ہے یہ۔

آیت ۹۱: حضرت علّامہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جبکہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ"

ابتدائی فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا "نہیں ہے کچھ گناہ" لیکن اس کو دو ٹکڑوں میں بانٹ کر دونوں ٹکڑوں کے درمیان اٹھارہ انیس الفاظ اور ٹھونس دیے اور ترجمے کو ناقابل فہم بنا دیا۔ ناقابل فہم ہوتا تب بھی ایسی بات نہ ہوتی۔ موجودہ حالت میں تو کوئی شخص اس ترجمے کے ان الفاظ کو بھی ایک جملہ یا فقرہ خیال کرسکتا ہے:

"جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ"

گویا گناہ بھی خرچ کیے جاتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اس سے ۶۰ سال پہلے حضرت صدر الشریعہ کو بول کر لکھائے گئے امام احمد رضا کے اس مختصر مگر جامع اور پُر مغز ترجمے کو ملاحظہ فرمائیے اور مترجم کی لیاقت کی داد دیجیے:

"ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو، جب کہ اللہ و رسول کے خیر خواہ رہیں"

آیت ۹۳: علاّمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''راہ الزام کی تو اُن پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے''

''الزام کی راہ'' نظر میں رکھیے اور کنزالایمان میں درج یہ فی البدیہہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''مواخذہ تو اُن سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں''

آیت ۹۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

''بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانے کی گردشوں کا اُن ہی پر آئے گردش بُری''

ترجمہ واضح نہیں ہے۔ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

''کچھ گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اُسے تاوان سمجھیں اور تم پر گردش آنے کے انتظار میں رہیں اُنہیں پر ہے بُری گردش''

آیت ۱۲۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا:

''اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے اُن کا ایک حصّہ تا کہ سمجھ پیدا کریں دین میں''

بعض الفاظ کی وجہ سے ہر شخص اس ترجمے کو نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے اس طرح واضح ترجمہ فرمایا:

''اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں''

ان تین سورتوں کے ترجمے میں حضرت علاّمہ نے کہیں بھی اپنے پسندیدہ فعل متعدی المتعدی کا استعمال نہیں کیا۔ فقیر کو اس پر سخت حیرت ہوئی۔ لیکن جب علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے تفسیری حاشیے پر ایک جگہ نظر پڑی تو یہ عبارت نظر آئی:

''منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کو ا تنا دیا''

(حاشیہ متعلق سورۂ توبہ آیت ۷۹)

''دکھلاوے'' لکھ کر اُستاد کے کلام میں جو کسر رہ گئی تھی وہ شاگرد نے پوری کردی اور ایسی پوری کی کہ شاید و باید۔ یہ

لکھا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی' حضرت علاّمہ محمود الحسن صاحب سے ۶/ برس پہلے ترجمہ لکھا چکے تھے۔ اگر بعد میں کرتے تو شاید کوئی یہ بھی کہہ دیتا کہ اُنہوں نے حضرت علاّمہ کے ترجمے سے فائدہ اُٹھایا ہے اور اُس میں جو ابہام رہ گیا تھا اُس کی وضاحت کردی۔

۱۰۔ سورۂ یونس

آیت ۱: علاّمہ محمود الحسن کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ آیتیں ہیں پکّی کتاب کی"

بالکل یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا بھی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علاّمہ نے ترجمہ کرتے وقت شاہ صاحب کے ترجمے کو سامنے رکھا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منقولہ بالا ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ہے یا شاہ عبدالقادر صاحب کا؟ قرآن کریم کے سرورق پر تو بحیثیتِ مترجم حضرت علاّمہ کا ہی نام درج ہے۔ اس سے زیادہ کچھ عرض کرنا شائستگی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ امام احمد رضا خاں نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

"یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں"

آیت ۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب کے مترجمہ قرآن کریم شائع کردہ شاہ فہد قرآن کمپلیکس مدینہ منورہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں ترجمہ اس طرح درج کیا ہے:

"پھر قائم ہوا عرش پر"

قرآن کریم مترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب، شائع کردہ میر صلاح الدین حسام الدین ترکمان گیٹ دلّی ۱۳۵۸ھ میں بھی اس کا یہی ترجمہ درج ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علاّمہ نے ترجمہ کے وقت شاہ صاحب کے ترجمے کو سامنے رکھا تھا۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ کس کا ہے؟ علاّمہ صاحب کا یا شاہ صاحب کا؟

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا:

"پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اُس کی شان کے لائق ہے"

آیت ۵: حضرت علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو چاندنا"

شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

’’وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اُجالا‘‘

حضرت علاّمہ نے صرف ایک لفظ ’’اُجالا‘‘ کو ’’چاندنا‘‘ سے بدل دیا ہے اور اس طرح شاہ صاحب کا کیا ہوا ترجمہ اُن کا اپنا ہوگیا ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

’’وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا‘‘

آیت ۱۳: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگاروں کو‘‘

اس ترجمے میں ’’قوم گنہگاروں‘‘ قابلِ غور ہے، جو بے معنی اور مہمل ہے۔’’گنہگاروں کی قوم‘‘ ہوتا تو اُس سے گنہگار اُمّتیں مراد لیا جاسکتا تھا۔موجودہ حالت میں اس مرکّب میں فارسی اضافت بھی نہیں آسکتی، کیونکہ ہندی طرز کی جمع کے ساتھ فارسی اضافت نہیں آتی ہے اور ’’گنہگاروں‘‘ ’’گنہگار‘‘ کی ہندی طرز کی جمع ہے۔غرض یہ کہ قواعدِ زبان کے لحاظ سے غلط ترجمہ کیا گیا ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

’’ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو‘‘

آیت ۲۱: علاّمہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

’’اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے جو اُن کو پہنچی تھی اُسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں‘‘

’’مزہ چکھانا‘‘ کا لغوی معنی تو ذائقے کا احساس کرانا ہے، لیکن اس معنی میں یہ برائے نام مستعمل ہے۔اس کا استعمال سزا دینے یا بدلہ چکانے کے معنی میں ہوتا ہے جیسے ’’گالی دینے کا مزہ چکھادیا‘‘ یا ’’خوب مزہ چکھایا ہے‘‘۔ علاّمہ محمودالحسن صاحب اللہ کے رحمت فرمانے کو ’’رحمت کا مزہ چکھانا‘‘ کہتے ہیں۔یہاں دو باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ اگر یہ عربی الفاظ کا ترجمہ ہے تو اس کو لفظی ترجمے کے بجائے بامحاورہ ترجمہ کس طرح کہا جاسکتا ہے؟

۲۔کسی اچھے موقع پر ایسے لفظ کا استعمال جس کے اچھے اور بُرے دونوں معنی مراد لیے جاتے ہوں کس طرح رَوا

اورمناسب قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ اچھے معنی میں اُس لفظ کا استعمال شاذ ہو اور بُرے معنی میں کثیر۔

اس لیے ’’رحمت کا مزہ چکھائیں‘‘ کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا:

’’اور جب ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی جبھی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤں چلتے ہیں‘‘

دونوں ترجموں کو بار بار پڑھیے اور فرق محسوس کیجیے۔ ساتھ ہی اس ہندی دانش ور کے فیصلے کی داد دیجیے جو علّامہ کے ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتاتا ہے۔

آیت ۲۴: حضرت علّامہ نے ترجمہ فرمایا:

’’جب پکڑی زمین نے رونق اور مزیّن ہوگئی‘‘

امام احمد رضا نے ترجمہ فرمایا:

’’یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا‘‘

بلاشبہہ امام احمد رضا کا ترجمہ اردو روزمرّہ کے مطابق ہے۔

آیت ۲۶: علّامہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں رقم طراز ہیں:

’’جنھوں نے کی بھلائی اُن کے لیے ہے بھلائی اور زیادتی‘‘

حضرت علّامہ یہاں ’’زیادتی‘‘ سے ترقی مراد لیتے ہیں۔ اس ترجمے میں بھی وہی پھوہڑپن ہے جو آیت ۲۱ کے ترجمے میں تھا۔ کیونکہ ’’زیادتی‘‘ کے معنی ظلم، جبر، سختی، شدّت، اور زبردستی کے بھی آتے ہیں اور یہی زیادہ رائج ہیں۔ یہاں بھی اچھائی کے لیے ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بُرائی کے معنی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

’’بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے اور اُس سے بھی زائد‘‘

اتنے کم الفاظ میں اس قدر جامع، واضح اور صاف ترجمہ کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہوا۔ زبان کی صفائی اور مفہوم کی مؤثر اور صحیح ترسیل کنزالایمان کے دو خاص وصف ہیں جو شروع سے آخر تک موجود ہیں۔ اس آیت میں یہ دونوں خوبیاں بہت نمایاں ہوکر سامنے آئی ہیں۔ ان کو پندرہویں اور سولہویں خوبیاں شمار کیجیے۔

آیت ۴۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"ہر فرقے کا ایک رسول ہے"

لفظ "فرقے" کو ذہن میں رکھیے اور پھر اُس میں رسول ہونے پر غور فرمائیے۔ کیا یہ کسی آیت کا ترجمہ ہوسکتا ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے؟ اگر ہاں تو قادیانی کیا غلط کہتے ہیں؟ اُن کا بھی تو ایک فرقہ ہے اور جناب علاّمہ ہر فرقے میں ایک رسول ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ **(العیاذ باللّٰہ تعالیٰ)**

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا:

"اور ہر اُمّت میں ایک رسول ہوا"

آیت ۴۸: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا:

"اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچّے ہو"

"کب ہے یہ وعدہ" نے آیت کے مفہوم کو اُلجھا دیا۔ اس طرح کے اُلجھاوے جناب علاّمہ کے ترجمے میں بہت مقامات پر ہیں۔ امام احمد رضا نے ترجمہ فرمایا:

"اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچّے ہو"

"آئے گا" کے اضافے سے مطلب واضح ہوگیا۔

آیت ۷۷: جناب علاّمہ نے ترجمہ تحریر فرمایا:

"کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے پاس کیا یہ جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے"

یہ ترجمہ بھی آیت ۴۸ کے ترجمے کی طرح اُلجھاوے کا شکار ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح اِملا کرایا:

"موسیٰ نے کہا کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا۔ کیا یہ جادو ہے اور جادوگر مراد کو نہیں پہنچتے"

آیت ۸۳: جناب علاّمہ ترجمہ طراز ہیں:

"اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اُس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے"

کتنے اردوداں ہیں جو اس ترجمے کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

"اور بے شک فرعون زمین میں سر اُٹھانے والا تھا اور بے شک وہ حد سے گزر گیا"

آیت ۹۹: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:

’’اگر تیرا رب چاہتا بے شک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام‘‘

’’سارے تمام‘‘ کی بلاغت پر غور فرمایئے۔ ’’سارے‘‘ بھی اور ’’تمام‘‘ بھی۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرایا۔

’’اور اگر تمہارا رب چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے‘‘

آیت ۱۰۸: علاّمہ صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا:

’’اور میں تم پر نہیں ہوں مختار‘‘

اور امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

’’اور کچھ میں کڑوڑا نہیں‘‘

’’کڑوڑا‘‘ سے متعلق بحث سورۂ انعام کے ترجمے کے جائزے میں گزر چکی ہے۔ شاید کچھ حضرات ابھی مطمئن نہ ہوئے ہوں اس لیے یہ حقیر فقیر اس لفظ پر مزید خامہ فرسائی کرنا چاہتا ہے۔

سورۂ انعام کے ترجمے کا جائزہ لیتے ہوئے فقیر نے تین آیات سے استدلال کیا تھا کہ متذکرہ سابق چاروں آیات میں ’’وکیل‘‘ سے وہ شخص مراد ہے جو کسی حکم پر جبراً عمل کرانے کا مُجاز ہو۔ شاید کسی کو خیال گزرے کہ ان آیات سے اس لفظ کا کوئی تعلق نہیں اور فقیر نے جو کچھ عرض کیا وہ تفسیر بالرّائے ہے! بعد میں معلوم ہوا کہ تفسیر جلالین میں بھی ان مقامات پر لفظ ’’وکیل‘‘ کے یہی معنی مراد لیے گئے ہیں۔ رضا اکیڈمی مالیگاؤں/ رضوی کتاب گھر دلّی کے شائع کردہ قرآن ۲۰۰۱ء میں ترجمے کے مصحح (پروف ریڈر) مولانا عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی نے لفظ ’’کڑوڑا‘‘ کے تحت پاورق میں یہ نوٹ لکھا:

’’کڑوڑا‘‘ نگہبان، وہ شخص جو عاملوں اور محصلوں پر خیانت کی نگرانی کے واسطے کوئی حاکم مقرّر کرے۔ (آصفیہ) تفسیر جلالین سے مستفاد ہوتا ہے کہ لفظ وکیل میں لوگوں کی غلط روی پر دارو گیر کرنے اور سزا دینے اور جبراً راہِ راست پر لانے کا معنی ہے۔ ’’جس کے لیے اردو لغت میں کڑوڑا زیادہ موزوں ہے‘‘ (ص ۲۱۸)

تفسیر جلالین کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ان چاروں آیات میں وکیل سے مراد ایسا شخص ہے جو جبراً احکام پر عمل کرانے کا مُجاز ہو۔ یہاں پر انتہائی اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے لیے اردو میں کون سا لفظ آتا ہے۔

اردو کی لغات کھنگال ڈالیے آپ کو ایسا لفظ نہیں ملے گا۔اب یہ دیکھیے کہ قرآن کریم کے معروف اردو مترجمین نے اس لفظ کے ترجموں میں کیا کیا لفظ لکھے ہیں۔ان کا جائزہ لینا مفید مطلب معلوم ہوتا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب علیہ الرحمہ نے چاروں جگہ اس لفظ کا ترجمہ ''داروغہ'' کیا ہے اور اسی طرح شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی۔علاّمہ اشرف علی تھانوی صاحب نے ایک جگہ تعینات، ایک جگہ مختار، ایک جگہ مسلّط اور ایک جگہ ذِمے دار ترجمہ کیا ہے۔علاّمہ فتح محمد جالندھری نے تین جگہ داروغہ اور ایک جگہ وکیل ترجمہ کیا ہے۔الحاصل ان چاروں آیات میں وکیل کے یہ ترجمے سامنے آئے ہیں۔

ا۔داروغہ ۲۔وکیل ۳۔تعینات ۴۔مختار ۵۔مسلّط ۶۔ذمے دار۔

اِن میں سے ''وکیل'' کا ترجمہ ''وکیل'' غلط ہونے کے بارے میں تو پہلے لکھا جاچکا ہے۔تعیّنات اور مسلّط ترجمے نہیں دیوانے کی بڑ معلوم ہوتے ہیں۔ان الفاظ کا یہاں کوئی محل نہیں ہے۔کیونکہ یہ کوئی عہدے دار نہیں ہوتے۔ باقی رہ جاتے ہیں تین ترجمے۔ا۔دروغہ، ۲۔مختار، ۳۔ذمے دار۔یہ تینوں ترجمے کس لیے صحیح نہیں ہیں اس پر ذیل میں کلام کیا جارہا ہے۔

ا۔ **داروغہ**: اس لفظ کے معنی فرہنگِ آصفیہ میں اس طرح درج ہیں ''ف۔اسم مذکرّ۔نگراں، منصرم، کسی کام کا اہتمام کرنے والا+کوتوال۔انسپکٹر پولس، تھانہ دار، کسی جماعت کا سردار، سردارِ ملازمان+سپاہیوں کا افسر''۔

لغت نویس نے داروغہ کے ذیل میں چند قسم کے ''داروغاؤں'' کے معنی بھی لکھے ہیں۔ایسے داروغہ یہ ہیں۔ ا۔ داروغۂ آبکاری، ۲۔داروغۂ پولس، ۳۔داروغۂ توپ خانہ، ۴۔داروغۂ جیل خانہ، ۵۔داروغۂ دیوان خانہ اور ۶۔داروغۂ گھاٹ۔

اِن میں سب سے زیادہ پاور فل داروغۂ پولس ہوتا ہے؟ لیکن کیا وہ اپنی طاقت اور جبر سے کسی کو ہدایت دے سکتا ہے؟ اور جس طرح پولس مجرم کو راہِ راست پر لانے کے لیے زدوکوب کرتی ہے اور ناجائز اذیتیں دیتی ہے وہ قانوناً اور شرعاً درست ہیں؟ جواب نفی میں ہوگا۔ملزموں پر جتنی سختی کی جاتی ہے وہ اُتنے ہی جرائم پر دلیر ہوتے ہیں۔بعض نیک اور شریف لوگوں کو بھی پولس مجرم بنا دیتی ہے۔بعض ایسے مجرم جو پولس کی مار کھاتے رہتے ہیں جب جیل سے چھوٹتے ہیں تو اپنے جیل کے ساتھیوں سے جلد واپس آنے کا وعدہ کرکے باہر نکلتے ہیں۔ ہزار مارپیٹ کے باوجود وہ زبانِ حال سے یہی کہتے نظر آتے ہیں ؎

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چُھٹ جائیں گئے کیا؟

اور یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ پولس کی سختی کی یہ ساری کارروائی غیر قانونی ہوتی ہے۔ داروغہ کو ملزم پر صرف مقدمہ چلانے کا حق ہوتا ہے۔ سزا دینا یا چھوڑنا کورٹ کا کام ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ہدایت دینے کے لیے ایسا شخص کس طرح منشائے الٰہی کے مطابق ہوسکتا ہے۔

۲۔ **مختار**: ''ہمارے رسول ﷺ کسی پر مختار نہیں تھے'' (نعوذ باللہ) ایسی بات تو وہی شخص لکھ سکتا ہے جو اُن کو مختار نہ مانتا ہو۔ امام احمد رضا تو اُن کو مختارِ کُل مانتے تھے اس لیے وہ ان مواقع پر ''وکیل'' کا ترجمہ ''مختار'' کس طرح کر سکتے تھے۔ رہا یہ سوال کہ وہ مختارِ کُل تھے یا مجبورِ محض اس کے لیے بحث کے دروازے کُھلے ہوئے ہیں۔ یہ اس فقیر کا منصب تو نہیں ہے البتہ علمائے کرام ہر اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے تیار رہتے ہیں جس میں آقائے دو جہاں ﷺ کے کسی بھی اختیار کو چیلنج کیا جاتا ہے۔ فقیر نے تو مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی ایک تصنیف ''سلطنتِ مصطفیٰ'' پڑھی ہے۔ اُس میں اس طرح کے جملہ اعتراضات کے جوابات موجود ہیں اور مصنف نے مضبوط دلائل سے آپ ﷺ کو مختارِ کل ثابت کیا ہے۔

۳۔ **ذمّے دار**: اس موقع پر وکیل کا ترجمہ ''ذمے دار'' اس صورت میں درست ہوسکتا ہے، جب کہ کہا جائے کہ ''تم نتیجے کے لیے ذمہ دار نہیں'' پھر بھی یہ کڑوڑا سے بہتر نہیں ہوگا۔

اردو تو اردو، فارسی میں بھی شاید ان مواقع کے لیے وکیل کا مرادف موجود نہیں ہے اس لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان آیات کے تراجم میں وکیل کے ہم معنی جو الفاظ (نگاہ بان، متعہد، نگہبان اور نگاہ بان) لکھے ہیں وہ اوپر بیان کی گئی منشائے الٰہی کے مطابق نہیں ہے۔ ایسی حالت میں امام احمد رضا نے ان مواقع پر لفظ ''کڑوڑا'' استعمال کیا تو بہت خوب کیا۔ کیونکہ یہ لفظ اِن مواقع کے لیے سب سے زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ اس لیے کہ کڑوڑا افسروں کا افسر ہوتا ہے''۔

سورۂ انعام کے ترجمے کا جائزہ لیتے وقت عرض کیا گیا تھا کہ یہ لفظ ۶ ؍ڈکشنریوں میں موجود ہے۔ فرہنگِ اثر ان کے علاوہ ہے (جو فقیر نے نہیں دیکھی) ان سات کے علاوہ یہ لفظ بہ شکل ''کڑوڑی'' ہندی کی ڈکشنری ''لوک بھارتی ہندی پرمانک کوش'' مرتبہ آچاریہ رام چندر ورما، مصحح ڈاکٹر بدری ناتھ کپور، شائع کردہ لوک بھارتی

پرکاشن الہٰ آباد ۱۹۹۷ء میں بھی موجود ہے، جس کے معنی میں لکھا ہے: ''مسلمانوں کے عہدِ حکومت کا ایک سرکاری عہدہ'' (ترجمہ)۔آٹھ ڈکشنریوں میں درج لفظ کو اگر کوئی غریب کہے تو اُس کی ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ان ڈکشنریوں کے علاوہ دیگر میں بھی موجود ہونے کا امکان ہے۔

مصنف (ڈاکٹر محمد خالد قاسمی) نے لفظ ''کرّوڑا'' کو ایک لغت نویس کی ذاتی رائے سے (وہ بھی اصل کو دیکھے بغیر) عورتوں کی زبان کا لفظ مان لیا اور پھر یہ فتویٰ بھی دے دیا۔''مولوی احمد رضا صاحب نے عورتوں کی زبان بول کر قرآن کے واضح اعلان کو چھپایا ہے''۔

اس فتوے پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ پہلے تو ٹھوس دلائل سے کرّوڑا کو عورتوں کی زبان کا لفظ ثابت کیا جائے۔ پھر یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن کے ترجمے میں عورتوں کی زبان کے الفاظ لانے سے واضح اعلان چھپتا ہے۔عورتوں کی زبان کیا ہوتی ہے اس بارے میں ڈاکٹر شریف احمد قریشی اپنی پی.ایچ.ڈی کی مطبوعہ تھیسس میں رقم طراز ہیں:

''عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی زبان اور لہجے میں کرختگی اور دُرشتی پائی جاتی ہے۔عورتوں کے تلفظ میں مردوں کی نسبت زیادہ صحت اور صفائی ہوتی ہے۔عورتیں اپنی زبان میں غیر زبانوں کے یا نئے الفاظ بہت جلد قبول نہیں کرتیں۔اس کے برعکس چونکہ مرد زیادہ تر گھر سے باہر رہتے ہیں اور بیرونی اثرات بھی قبول کرتے رہتے ہیں۔اس لیے اُن کے یہاں زبان کی بگڑی ہوئی شکلیں کسی نہ کسی روپ میں مل جاتی ہیں۔مردوں کی زبان بگڑنے یا تغیر رونما ہونے کی ایک وجہ شاید اُن کے یہاں پائی جانے والی سختی بھی ہے، جس کی بنا پر مزدور اور محنت کش طبقہ غیر معیاری زبان استعمال کرتا ہے اور اُس کے تلفظ میں بھی نمایاں فرق نظر آتا ہے۔''

(فرہنگ فسانۂ آزاد اور اُس کا عمرانی، لسانی مطالعہ۔مصنف و ناشر ڈاکٹر شریف احمد قریشی، رام پور ۲۰۰۰ء)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ خالص، صحت مند اور صاف زبان میں ترجمہ کرنے سے قرآن کا اعلان واضح ہوتا ہے یا ماند پڑتا ہے۔اگر انصاف کا ذرا بھی پاس ہو تو مصنف کو ندامت کا اظہار کرنا چاہیے۔

آیت ۲۰: کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں کیا تھا:

''تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے''

مصنف ترجمہ نقل کرنے سے پہلے تبصرہ کرتے ہیں: ''دراصل غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔کافر کہتے ہیں اللہ کی

کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔آپ کو حکم ہوا، یہ کہو غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے"۔(صفحہ۱۲۲)

(یہ مصنف کی زبان دانی کا نمونہ ہے اللہ سے پہلے"صرف"اور بعد میں"ہی" دونوں میں ایک زائد ہے۔)

آ گے لکھتے ہیں:"مولوی احمد رضا نے اس حصر کو ختم کیا اور اولیاء کو علمِ غیب کا مالک بنایا۔اس لیے انہوں نے یہاں اِنَّمَا کا ترجمہ چھوڑ دیا اور ترجمہ کیا"تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے"۔(صفحہ۱۲۲)

اور آگے لکھتے ہیں:"خود مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اس طرح ترجمہ کیا کہ آپ فرما دیجیے کہ غیب تو اللہ کے لیے ہے"۔(ص۱۲۲)

مصنف کے زعم کے مطابق امام احمد رضا نے کلمہ حصر انّما کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔اس پر انہوں نے اور بھی کئی جگہ اعتراض کیے ہیں۔ کچھ اعتراض تو آگے اپنے مقامات پر آئیں گے؛ لیکن سورۂ انعام کی ایک آیت اور سورۂ اعراف کی ایک آیت کے ترجموں پر کیے گئے اعتراضوں کے جواب فقیر کی غفلت کی وجہ سے برجا نہیں آ سکے، اِس لیے ترجمۂ آیت زیر بحث کا جواب کچھ دیر کے لیے موقوف کر کے پچھلی دونوں آیتوں پر کیے گئے اعتراضوں کے جواب حاضر کیے جا رہے ہیں۔ آیت زیر بحث پر کیے گئے اعتراض کا جواب ان شاء اللہ ان جوابوں کے ساتھ از خود ہو جائے گا۔ مزید تین اعتراضات کے جواب بھی ان جوابوں کے ساتھ ہو جائیں گے۔ وہ آیتیں جن کے ترجموں پر اعتراضات کیے گئے ہیں سورۂ کہف کی آیت ۱۱۰ سورۂ مریم کی آیت ۱۹ اور سورۂ ملک کی آیت ۲۶ ہیں۔ان تین آیتوں کے ترجموں پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات اگر تشنہ رہ گئے تو ان شاء اللہ اُن کو اُن کے مقام پر تفصیل سے درج کیا جائے گا۔

سورۂ انعام کی آیت ۱۰۹ (جس کو مصنف آیت ۱۱۰ لکھتے ہیں) کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں کیا تھا: "تم فرماؤ کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں"۔

اس پر اعتراض کرتے ہوئے مصنف رقم طراز ہیں:

"کیونکہ مولوی احمد رضا صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کل و معجزات کا مالک بنا کر مسلمانوں کے ایمان اور عقیدۂ توحید کی اینٹ سے اینٹ بجانا تھی، جبکہ یہ اور اس طرح کی تمام آیات اُن کے عقیدہ و مشن کے خلاف ہیں۔اس لیے خان صاحب نے شروع ہی سے ترجمہ بگاڑا۔اوّل وکیل کا ترجمہ"کروڑے" کیا پھر اس کے بعد"اِنَّمَا"کا ترجمہ چھوڑ دیا"۔(ص۱۲۲)

مصنف کا ماننا ہے کہ "اِنَّمَا" کا ترجمہ "صرف" یا "ہی" ہوسکتا ہے اور امام احمد رضا نے نہ تو ترجمے میں "ہی" لکھا اور نہ "صرف"۔ آگے چل کر کلمات "جز ایں نیست" کو بھی اِن میں شامل کر لیتے ہیں، لیکن صاف یہ بھی لکھ دیتے ہیں: "اِنَّمَا" سے جو حصر مقصود ہے وہ اردو میں کلمہ "صرف" سے تو حاصل ہوتا ہے کلمہ "ہی" سے اتنا نہیں"۔ (ص ۱۲۳)

اور امام احمد رضا نے اس ترجمے میں "صرف" یا "ہی" یا "جز ایں نیست" کچھ نہیں لکھا، اس لیے اُن کے خیال میں وہ خیانت کے مجرم ہوئے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

علاّمہ محمود الحسن صاحب کے شاگردوں اور وارثوں کو اردو زبان وقواعد کے بارے میں کوئی رائے دینے سے پہلے اپنے مورث کی اردو دانی پر بھی غور کرنا چاہیے تھا؛ لیکن انہوں نے غور نہیں کیا اور فتویٰ دے دیا۔ اب انہیں اس فتوے کو خود پر بھی چسپاں کرنا چاہیے۔ کڑوا کی بحث کافی ہوچکی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی امام احمد رضا نے کلمہ حصر "اِنَّمَا" کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اُن کے مخدوموں نے اس آیت کا کیا ترجمہ کیا ہے۔ علاّمہ اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ (جواب میں) کہہ دیجیے کہ نشانیاں سب خداتعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔"

اور علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے "تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔"

ان دونوں ترجموں میں بھی "صرف"، "ہی" یا "جزایں نیست" جیسے کلمات میں سے کوئی نہیں ہے۔ لٰہذا ثابت ہوا کہ یہ دونوں بھی کلمہ حصر "اِنَّمَا" کا ترجمہ کھا گئے۔ "فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف قاسمی ہیں، دیوبند کے مدرسے سے فارغ ہیں، ندوۃ العلما کی ایک شاخ کے مہتمم ہیں، چہرے پر داڑھی بھی ہے، موقع ملے تو نماز کی امامت بھی کر لیتے ہیں، طلبہ اور عامۃ الناس کو سچائی اور قبولِ حق کی تعلیم بھی دیتے رہتے ہیں۔ اس لیے اُن کے اندر قبولِ حق کا مادّہ ضرور ہونا چاہیے۔ اگر ہے تو وہ اعتراف بلکہ اعلان کریں کہ علاّمہ اشرف علی تھانوی اور علاّمہ محمود الحسن صاحبان نے کلمہ حصر "اِنَّمَا" کا ترجمہ ترک کر کے قرآن کے ترجمے کو بگاڑا ہے اور وہ مسلمانوں کے ایمان اور عقیدۂ توحید کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے امام احمد رضا کے بارے میں بھی یہی باتیں لکھی ہیں اور اس لیے کہ انہوں نے کلمہ حصر "اِنَّمَا" کا ترجمہ "صرف"، "ہی" یا "جزایں نیست" سے نہیں کیا تھا۔ یہ مصنف کے کردار کا امتحان ہے۔ دیکھنا ہے وہ اس میں پاس ہوتے ہیں یا فیل۔

اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اپنی اردو دانی پر ماتم کریں کیونکہ اردو میں کلماتِ حصر وہی تین نہیں ہیں جو انہوں نے شمار کرائے ہیں، بلکہ مختلف مواقع کے لیے یہ بھی ہیں:

اکیلا، بس، بھر (جیسے مُٹھی بھر)، بھی، تنہا، تو، خالی، فقط، محض، ی (جیسے یہی، اسی، انہی وغیرہ میں)

اور امام احمد رضا نے "اِنَّمَا" کا ترجمہ "تو" کیا ہے۔ یہی ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب نے بھی کیا ہے، لیکن علاّمہ اشرف علی تھانوی صاحب واقعی کلمہ حصر "اِنَّمَا" کا ترجمہ کھا گئے۔ فرمایئے کیا فتویٰ ہے اب علاّمہ تھانوی کے بارے میں۔

سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۷ کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں فرمایا تھا:

"تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے"

اِس آیت میں بھی "اِنَّمَا" کا ترجمہ "تو" کیا گیا ہے اور آیت زیرِ بحث (سورۂ یونس ۱۲۲) میں بھی "اِنَّمَا" کا ترجمہ "تو" کیا گیا ہے۔ اب مصنف بتائیں کہ اس ترجمے میں کیا غلطی ہے اور اگر ہے تو وہ غلطی تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے (اوپر نقل کیے گئے) ترجموں میں ہے یا نہیں۔

اِس بحث کے بعد سورۂ یونس کے ترجمے میں علاّمہ محمود الحسن صاحب کا فعل متعدی المتعدی کا شوق بھی ملاحظہ فرمایئے۔

آیت ۱۸: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

"تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اُس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں"

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا تھا:

"تو کہہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اُس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں یا زمین میں"

شاہ صاحب کے لفظ "جتاتے" کو علاّمہ صاحب نے "بتلاتے" کر دیا۔ یہ شوق نہیں تو اور کیا ہے؟ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

"تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات جتاتے ہو جو اُس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں"

آیت ۲۳: حضرت علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"پھر ہم بتلا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے"

شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

''پھر ہم جتا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے رہے''

شاید علّامہ ''جتانا'' کو متروک سمجھتے تھے اس لیے اس کو ''بتلانا'' سے بدل دیتے تھے۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ اِملا کرایا:

''اُس وقت ہم تمہیں جتا دیں گے جو تمہارے کوتک تھے''

آیت ۲۵: علّامہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ بُلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور دِکھلاتا ہے جس کو چاہے راستہ سیدھا''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمے میں ''دکھاتا'' لکھا تھا جو علّامہ کو پسند نہیں آیا اور ''دکھاتا'' کو ''دِکھلاتا'' سے بدل دیا۔امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے''

۱۱۔ سورۂ ھود

آیت ۱۰: علّامہ محمود الحسن کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اور اگر ہم چکھا دیں اُس کو آرام بعد تکلیف کے جو پہنچی تھی اُس کو تو بول اُٹھے دور ہوئیں بُرائیاں مجھ سے وہ تو اترانے والا شیخی خورا ہے''

''آرام چکھانا'' اردو نہیں ہے۔عربی کے الفاظ کا لفظی ترجمہ ہو سکتا ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

''اور اگر ہم اُسے نعمت کا مزہ دیں اُس مصیبت کے بعد جو اُسے پہنچی تو ضرور کہے گا کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں بے شک وہ خوش ہونے والا بڑائی مارنے والا ہے''

''آرام چکھا دینا'' کے مقابلے میں ''نعمت کا مزہ دینا'' کی معنویت قابلِ غور ہے۔

آیت ۲۲: علّامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ تحریر فرمایا:

''اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں''

''یہ لوگ'' اور ''یہی'' میں سے ایک زائد ہے۔یا تو ''یہ لوگ'' ہی ہوتا یا پھر ''یہی'' ہوتا۔دونوں کے ہونے سے تفہیم میں الجھن پیدا ہو رہی ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں رقم کرایا:

"خواہ نخواہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں"

اختصار نے ترجمے میں جان ڈال دی ہے۔

آیت ۵۲: علاّمہ محمودالحسن صاحب کے مترجمہ قرآن میں ترجمہ اس طرح لکھا ہے:

"پھر رجوع کرو اُس کی طرف چھوڑے گا تم پر آسمان سے دھاریں اور زیادہ دے گا تم کو زور پر زور"

"زیادہ" بھی اور "زور پر زور" بھی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

"پھر اُس کی طرف رجوع لاؤ تم پر زور کا پانی بھیجے گا اور تم میں جتنی قوّت ہے اُس سے اور زیادہ دے گا"

آیت ۵۳: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ قابل غور ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے"

ترجمے میں لفظ "ٹھاکروں" شاہ عبدالقادر صاحب نے داخل کیا تھا۔ (اُن کی کوئی مجبوری رہی ہوگی) علاّمہ کو یہ لفظ یا تو مشکل لگا یا اس کو متروک سمجھا؛ لیکن اُن کے اتنا من بھایا کہ اُس کو خارج نہیں کیا؛ بلکہ بریکٹ میں اُس کا مطلب لکھ دیا۔ وہ چاہتے تو اس لفظ کو نکال بھی سکتے تھے مگر نہیں نکالا۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا:

"اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے نہیں"

آیت ۵۴: علاّمہ کا یہ ترجمہ قواعدِ زبان کے لحاظ سے بھی قابل غور ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"تجھ کو آسیب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں (معبودوں) نے بُری طرح"

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے۔ لفظ "کسی" کے ساتھ ٹھاکر (معبود) کا محل تھا۔ اگر ٹھاکروں (معبودوں) ہی لانا تھا تو "کسی" کے بجائے "کنہیں" ہونا چاہیے تھا؛ لیکن لکھا جاچکا ہے کہ علاّمہ اردو زبان کے مزاج سے قطعاً نابلد تھے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ رقم کرایا:

"ہمارے کسی خدا کی تمہیں بُری جھپٹ پہنچی"

آیت ۵۹: علاّمہ صاحب نے اس طرح ترجمہ کیا:

"اور نہ مانا اُس کے رسولوں کو اور مانا حکم اُن کا جو سرکش تھے مخالف"

آخر میں "مخالف" بے تُکا سا معلوم ہوتا ہے۔ اگر یوں ہوتا "جو سرکش اور مخالف تھے" تو بات صاف ہوجاتی۔ بہرحال امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''اور اُس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کے کہنے پر چلے''

آیت ۹۷: حضرت علاّمہ نے ترجمہ تحریر فرمایا:

''پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی''

امام احمد رضا کا ترجمہ اس طرح ہے:

''تو وہ فرعون کے کہنے پر چلے اور فرعون کا کام راستی کا نہ تھا''

آیت ۱۰۱: علاّمہ کا ترجمہ یوں ہے:

''پھر کچھ کام نہ آئے اُن کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھا یا:

''تو اُن کے معبود جنہیں اللہ کے سوا پوجتے تھے اُن کے کچھ کام نہ آئے''

کون سا ترجمہ بہتر ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۱۰۹: علاّمہ صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''اور ہم دینے والے ہیں اُن کو اُن کا حصہ یعنی عذاب سے بلا نقصان''

آخری فقرے کا مفہوم سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان نہیں۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

''اور بے شک ہم اُن کا حصّہ انہیں پورا پھیر دیں گے جس میں کمی نہ ہوگی''

۱۲۔ سورۂ یوسف

آیت ۳: علاّمہ محمود الحسن اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان''

اچھا بیان، بیان کرنا چہ معنی دارد؟ اس کو صحیح اور فصیح اُردو نہیں کہتے۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''ہم تمہیں سب سے اچھا بیان سناتے ہیں''

دونوں ترجموں کا فرق کسی سے چھپا نہیں ہے۔

آیت ۳۰: علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اُس کے جی کو فریفتہ ہوگیا اُس کا دل اُس کی محبت میں''

"خواہش کرتی ہے جی کو" خدا جانے کہاں کی اردو ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

"عزیز کی بی بی اپنے نوجوان کا دل لُبھاتی ہے بے شک اُن کی محبت اُس کے دل میں پیر گئی ہے"

آیت ۵۱: علاّمہ صاحب نے ایک جُزکا ترجمہ اس طرح لکھا:

"کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھُسلایا یوسف کو اُس کے نفس کی حفاظت سے"

بادشاہ نے عورتوں سے کہا یا عورتوں کو کہا؟ کیا صحیح ہے؟ امام احمد رضا نے اس جُز کا اس طرح جامع اور صاف ترجمہ فرمایا:

"بادشاہ نے کہا اے عورتو تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف کا دل لبھانا چاہا"

آیت ۷۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا یہ ترجمہ قابلِ داد اور قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں:

"تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور اُن کو نہ جتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجے میں"

جی (دِل) میں جو بات کہی جاتی ہے وہ آہستہ ہی ہوتی ہے۔ بالا علان نہیں۔ اس لیے خط کشیدہ (آہستہ سے) بھرتی کا ہے اور "جی میں" ایک بار لکھ کر سیری نہیں ہوئی تو اُس کو دوبارہ لکھ کر تسکین حاصل کی۔ یہ تکرار لا حاصل ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"تو یوسف نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور اُن پر ظاہر نہ کی جی میں کہا تم بدتر جگہ ہو"

آیت ۱۰۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ یوں رقم فرمایا:

"اور تو نہیں تھا اُن کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے"

اس ترجمے میں "کام ٹھہرانے" پر نظر رکھیے اور امام احمد رضا کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جو زبان کی صفائی میں بے مثل ہے:

"اور تم اُن کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پکّا کیا تھا اور وہ داؤں چل رہے تھے"

آیت ۱۰۷: علاّمہ صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا:

"کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے اُن کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک اور اُن کو خبر نہ ہو"

آفت یا مصیبت آکر ڈھانک لیتی ہے یہ شاید ہی کسی نے کہیں اور سُنا یا پڑھا ہو۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

’’کیا اس سے نڈر ہو بیٹھے کہ اللہ کا عذاب انہیں آ کر گھیر لے یا قیامت اُن پر اچانک آ جائے‘‘

اب دو نمونے فعل متعدی المتعدی کے بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔

آیت ۶: علاّمہ صاحب ترجمے میں یوں گل افشانی فرماتے ہیں:

’’اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا تھا:

’’اور سکھائے گا کل بٹھانی باتوں کی‘‘

اس ترجمے میں علاّمہ کو ’’سکھائے گا‘‘ یا تو متروک معلوم ہوا یا مشکل یا پھر غلط، تبھی تو انہوں نے اس کو ’’سکھلائے گا‘‘ سے بدلا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

’’اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا‘‘

آیت ۵۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا:

’’اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھلاتا ہے بُرائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے بُرائی مگر جو رحم کیا میرے رب نے‘‘

علاّمہ صاحب کو ’’سکھاتا‘‘ تو غلط معلوم ہوا ہی تھا ’’کیا‘‘ بھی غلط معلوم ہوا۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان دونوں لفظوں میں کیا بُرائی تھی۔ امام احمد رضا کا فی البدیہہ اور لاجواب ترجمہ یہ ہے:

’’اور مَیں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ بیشک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے‘‘

۱۳۔ سورۂ رعد

دونوں ترجموں سے چند آیات کے ہر ہر فقرے کا ہر ہر فقرے سے موازنہ ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ کیجیے کہ دونوں ترجموں میں کون سا ترجمہ عمدہ ہے اور کتنا عمدہ ہے:

آیت نمبر	ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب	ترجمہ امام احمد رضا فاضل بریلوی

۱۷	اُتارا اُس نے آسمان سے پانی پھر بہنے لگے نالے اپنی اپنی موافق پھراوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا	اُس نے آسمان سے پانی اُتارا۔تو نالے اپنے اپنے لائق بہہ نکلے۔تو پانی کی رَو اُس پر اُبھرے ہوئے جھاگ اُٹھالائی
۱۷	اور جس چیز کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اُس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی۔	اور جس پر آگ دہکاتے ہیں گہنا یا اور اسباب بنانے کو۔ اُس سے بھی ویسے ہی جھاگ اُٹھتے ہیں۔
	یوں بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر	اللہ بتاتا ہے کہ حق اور باطل کی یہی مثال ہے۔تو جھاگ تو پھک کر دور ہو جاتا ہے۔
۲۱	اور وہ لوگ جو مِلاتے ہیں جس کو اللہ نے فرمایا مِلانا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا	اور وہ کہ جوڑتے ہیں اُسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور اپنے رب سے ڈرتے اور حساب کی بُرائی سے اندیشہ رکھتے ہیں
۲۵	اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد	اور وہ جو اللہ کا عہد اُس کے پکّے ہونے کے بعد توڑتے
	اور قطع کرتے ہیں اُس چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور فساد اُٹھاتے ہیں ملک میں	اور جس کے جوڑنے کو اللہ نے فرمایا اُسے قطع کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں
	ایسے لوگ اُن کے واسطے ہے لعنت اور اُن کے لیے ہے بُرا گھر	اُن کا حصہ لعنت ہی ہے اور اُن کا نصیبہ بُرا گھر
۳۱	اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اُس سے پہاڑ	اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے
	یا ٹکڑے ہووے اُس سے زمین یا بولنے لگیں اُس سے مُردے تو کیا ہوتا	یا زمین پھٹ جاتی یا مُردے باتیں کرتے جب بھی یہ کافر نہ مانتے

۴۱	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اُس کے کناروں سے	کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہم ہر طرف سے اُن کی آبادی گھٹاتے آرہے ہیں
۴۳	اور کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا (ایک چھوٹا سا حصہ)	اور کافر کہتے ہیں تُم رسول نہیں

ایک بار کے مطالعے سے ہی دونوں ترجموں کا فرق واضح ہوجائے گا اور بار بار پڑھنے سے کچھ نکتے بھی ذہن نشین ہوں گے۔ اس سورت میں علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اپنے مرغوب اور پسندیدہ فعل متعدی المتعدی کا مظاہرہ نہیں کیا؛ لیکن ان کی اس کمی کو اُن کے شاگرد اور ترجمے کے حاشیہ نویس علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے پورا کردیا۔ سورت کی آخری آیت کے تفسیری حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا جبکہ خداوند قدوس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے"

اور بلاشبہہ علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے یہ حاشیہ لکھ کر اپنی فصاحت کے نشان بلند کر کے دکھا دیے۔

۱۴۔ سورۂ ابراهیم

آیت ۲۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے"

یہ نہ تحریر کی زبان ہے نہ تقریر کی۔ ممکن ہے علاّمہ کے زمانے سے سو۱۰۰ ڈیڑھ سو برس پہلے رواج میں رہی ہو یعنی اُس وقت جب اردو زبان ارتقا کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ علاّمہ ترجمے کا حق تو کیا ادا کرتے آیت کے اس حصّے کا جو مطلب انہوں نے سمجھا تھا اُسی کو ٹھیک سے بیان نہ کرسکے۔ اب ذرا اس حصۂ آیت کا امام احمد رضا کافی البدیہہ رقم کرایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر"

آیت ۳۹: دو بیٹوں کے حصول پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکر الٰہی کے جو الفاظ منھ سے نکالے اُن کا ترجمہ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح لکھا ہے:

"شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق"

عطیّے دو اور اُن سے متعلق فعل صیغۂ واحد میں۔ میٹرک کا طالب علم بھی کہہ دے گا کہ ''بخشا'' نہیں ''بخشے'' ہونا چاہیے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح اِملا کرایا:

''سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بُڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق دیے''

کس قدر رواں اور صاف ترجمہ ہے۔ کون انگلی اُٹھا سکتا ہے اس پر۔

آیت ۴۰: جناب علاّمہ نے یوں ترجمہ ارقام فرمایا:

''اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی''

''کر مجھ کو'' میں اس قدر ابہام ہے کہ مدّعا نہیں کھلتا۔ قاری کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی گئی ''کر مجھ کو'' لیکن کیا کر، اس کا مذکور نہیں ہے۔ کلامِ الٰہی میں تو ایسا ابہام نہیں ہوسکتا۔ یہ ترجمہ نگار کی مہارت کی کمی کے سبب ہوا، وہ بھی اس حالت میں کہ شاہ صاحب کا ترجمہ سامنے کھلا رکھا تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا یوں ترجمہ فرمایا:

''اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو''

آیت ۴۶: جناب علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے اُن کا داؤ اور نہ ہوگا اُن کا داؤ کہ ٹل جائیں اُس سے پہاڑ''

اس حصّے کا امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے اور دونوں ترجموں کا فرق محسوس کیجیے:

''اور بے شک وہ اپنا سا داؤں چلے اور اُن کا داؤں اللہ کے قابو میں ہے اور اُن کا داؤں کچھ ایسا نہ تھا کہ جس سے پہاڑ ٹل جائیں''

آیت ۵۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا:

''یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تا کہ چونک جائیں اِس سے اور تا کہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور تا کہ سوچ لیں عقل والے''

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

''یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور اس لیے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں''

’’اور‘‘ کے ساتھ ’’اس لیے‘‘ نے عبارت کو فصیح بنا دیا۔فصاحت کنزالایمان کی سترہویں خوبی ہے اوراہل انصاف پر مخفی نہیں کہ امام احمد رضا کا سارا ترجمہ فصاحت سے مالا مال ہے۔

قارئین کرام!اب دو آیتوں کے ترجمے میں فعل متعدی المتعدی کی جلوہ گری سے بھی محظوظ ہو لیں۔

آیت ۴: جناب علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’پھر راستہ بھُلا تا ہے اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلا دیتا ہے جسکو چاہے‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا تھا:

’’پھر بھٹکا تا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے‘‘

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ’’بھٹکا تا ہے‘‘ کو ’’راستہ بھلاتا ہے‘‘ سے بدلا ہے۔ فقیر کو حیرت ہے کہ انہوں نے یہاں ’’بچلاتا ہے‘‘ کیوں نہیں لکھا جو اُن کو بہت مرغوب ہے۔علاّمہ نے دوسری تبدیلی یہ کی ہے کہ ’’راہ دیتا ہے‘‘ کو ’’راستہ دکھلاتا ہے‘‘ سے بدلا ہے۔جب کہ ’’راہ دینا‘‘ اب بھی رائج اور فصیح ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا:

’’پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے‘‘

آیت ۴۵: جناب علاّمہ نے اس طرح حقِ ترجمہ نگاری ادا کیا:

’’اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے اُن سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصّے‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ کیا تھا:

’’اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے اُن پر اور بتائیں ہم نے تم کو کہاوتیں‘‘

یہ غیر معیاری ترجمہ نہیں تھا؛ مگر جناب علاّمہ کو اپنے مرغوب فعل متعدی المتعدی کا استعمال کرنا ہی تھا (اپنی تسکینِ قلب کی خاطر) اس لیے ’’بتائیں‘‘ کو ’’بتلائے‘‘ سے بدل دیا:

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا:

’’اور تم پر خوب کھل گیا ہم نے اُن کے ساتھ کیسا کیا اور ہم نے تمہیں مثالیں دے دے کر بتا دیا‘‘

۱۵۔ سورۂ حجر

آیت ۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا:

"ہم نہیں اُتارتے فرشتوں کو مگر کام پورا کر کے اور اُس وقت نہ ملے گی اُن کو مہلت"

مفہوم کی تہہ تک پہنچنا عوام تا خواص کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہے جب تک تفسیری حاشیہ نہ دیکھا جائے یا کسی سے اس کی تفسیر نہ معلوم کی جائے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

"ہم فرشتے بے کار نہیں اُتارتے اور وہ اُتریں تو انہیں مہلت نہ ملے"

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد علّامہ کا ترجمہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تفہیم کے لیے کسی دوسرے ذریعے کا محتاج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسے ترجمے کی کیا افادیت ہے۔

آیت ۲۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

"اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا اُن کو بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار"

اس ترجمے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ لفظی ترجمہ ہے۔ دوم لفظ "وہی" روانی میں رکاوٹ بن رہا ہے، اگر لانا ہی تھا تو کسی اور طریقے سے لانا چاہیے تھا۔ ان دو وجہوں سے ترجمہ غیر فصیح ہے۔ سوم ترجمے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ کیا فرمایا گیا ہے۔ اس ترجمے کو پھر پڑھیے اور ساتھ ہی امام احمد رضا کے درجِ ذیل ترجمے کو پڑھیے، حقیقت ظاہر ہو جائے گی:

"اور بے شک تمہارا رب ہی انہیں قیامت میں اُٹھائے گا بیشک وہی علم و حکمت والا ہے"

آیت ۳۰: علاّمہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"تب سجدہ کیا اُن فرشتوں نے سب نے مل کر"

بار بار کی "نے نے" سے بچنے کا طریقہ یہ بھی تھا کہ "ان سب فرشتوں نے مل کر" لکھ دیا جاتا۔ بہر کیف یہ مترجم جانیں اور یہ انہیں کا اختیار تھا۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ اس ترجمے سے ملا کر دیکھیے:

"تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے"

آیت ۳۷-۳۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"فرمایا کہ تو تجھ کو ڈھیل دی اُسی مقررہ وقت کے دن تک"

ترجمہ صاف ہے لیکن زبان میں ایک جدّت بھی کی گئی ہے۔ "کہ" (کاف بیانیہ) کے بعد "تو" (حرف جزا،

حرف تخصیص) کہیں کسی نے کسی تحریر میں نہیں دیکھا ہوگا۔اگر یہ نہ ہوتا تو ترجمہ نہایت صاف اور رواں ہوتا،لیکن ایک لفظ''تو'' بہتے دریا میں بڑی چٹّان کی طرح فصاحت اور روانی میں خلل انداز ہورہا ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

''فرمایا تو اُن میں ہے جن کو اُس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے''

آیت ۳۹: اس آیت کے ایک بہت چھوٹے سے حصّے کا ترجمہ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح کیا ہے:

''اور راہ سے کھودوں گا ان سب کو''

''کھودوں گا'' سے ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے کوئی زمین یا راستے سے مٹّی یا کھیت کو کھودنے کا ارادہ ظاہر کررہا ہے۔ایسے الفاظ جن سے کسی کم پڑھے لکھے کو دوسرے معنی کا دھوکا ہو کم از کم قرآن کریم کے ترجمے میں استعمال کرنے مناسب نہیں۔امام احمد رضا نے اس چھوٹے سے حصّے کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور ضرور میں اُن سب کو بے راہ کردوں گا''

آیت ۸۵: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا:

''اور قیامت بیشک آنے والی ہے سو کنارہ کر اچھی طرح کنارہ''

''کنارہ کر اچھی طرح کنارہ'' کو نظر میں رکھیے اور امام احمد رضا کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور بے شک قیامت آنے والی ہے تو تم اچھی طرح درگذر کرو''

آیت ۸۸: علاّمہ صاحب اس طرح ترجمہ ارقام فرماتے ہیں:

''اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے''

یہ عربی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے ورنہ اردو میں ''بازو جھکانے'' کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:

''اور مسلمانوں کو اپنے رحمت کے پروں میں لے لو''

آیت ۹۹: جناب علاّمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور بندگی کیے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات''

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا:

’’اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو‘‘

ان سورتوں کے تراجم کا مطالعہ فقیر نے اپنی دیگر مصروفیات کے سبب بہت عجلت میں کیا ہے۔ سرسری نظر ڈالنے پر سورۂ الحجر میں کہیں بھی علاّمہ کا پسندیدہ فعل متعدی المتعدی نظر نہیں آیا۔ اس پر فقیر کو حیرت ہے۔ امید ہے کہ تفسیری حاشیے میں ضرور آیا ہوگا۔ فقیر کو اس کا مطالعہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

۱۶۔ سورۂ نحل

آیت ۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور گھوڑے پیدا کیے اور خچّریں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے‘‘

اردو قواعد کا ایک کلّیہ ہے کہ مؤنث اسما کی جمعیں ی ں (یں) بڑھا کر بنائی جاتی ہیں مذکّر کی نہیں جیسے ’’آنکھ‘‘ مؤنث ہے تو اِس کی جمع ’’آنکھیں‘‘ ہوگی؛ لیکن ’’ہاتھ‘‘ مذکّر ہے تو اِس کی جمع ’’ہاتھیں‘‘ نہیں ہوگی۔ اسی طرح ’’کتاب‘‘ مؤنث ہے اِس لیے اِس کی جمع ’’کتابیں‘‘ آتی ہے لیکن ’’گلاب‘‘ اور ’’کباب‘‘ مذکّر ہیں، اس لیے اِن کی جمعیں ’’گلابیں‘‘ اور ’’کبابیں‘‘ نہیں آتیں۔ لفظ ’’دُکان‘‘ مؤنث ہے اِس لیے اِس کی جمع ’’دکانیں‘‘ بنتی ہیں؛ مگر مکان مذکّر ہے اس لیے اس کی جمع ’’مکانیں‘‘ نہیں آتی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ علاّمہ محمود الحسن صاحب ’’خچّر‘‘ کو مؤنث تسلیم کرتے ہیں، تبھی تو انہوں نے اس کی جمع ’’خچّریں‘‘ لکھی جب کہ حال یہ ہے کہ اس حقیر فقیر کے پاس اردو لغات کی جو تھوڑی بہت کتابیں ہیں سب میں ’’خچّر‘‘ کو مذکر لکھا ہے اور منشی امیؔر مینائی کے شاگرد جلیل حسن جلیؔل نے تذکیر و تانیث کی ہی ایک لغت مرتّب کی، جس میں سات ۷ ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث درج ہونے کا دعوٰی کیا گیا ہے۔ اس میں بھی خچّر کو مذکّر ہی لکھا ہے۔[۱]

اب اس کو علاّمہ کی قواعدِ زبان سے ناواقفیت کہہ لیجیے یا اردو زبان پر اپنی مرضی کے قاعدے تھوپنے کی ناکام کوشش۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرایا:

’’اور گھوڑے اور خچّر اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمھیں خبر نہیں‘‘

آیت ۱۸: علاّمہ صاحب کا عجیب و غریب ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

’’اگر شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کرسکو گے اُن کو‘‘

بات اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے کی تھی۔ خدا جانے پورا کرنے کی بات کہاں سے آ گئی۔ پورا کرنا اُس موقع پر بولا جاتا ہے جب کچھ کمی ہو (اور اللہ کی نعمتوں کی کمی نہیں) یا اُس موقع پر بولا جاتا ہے جب گنتی کے نتیجے میں کمی واقع ہو رہی ہو۔ (یہ بات بھی یہاں نہیں ہے) واضح ہو کہ ’’اُن‘‘ کا مشارٌ الیہ ’’شمار‘‘ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ’’اُن‘‘ جمع ہے اور ’’شمار‘‘ واحد اور اگر ایسا ہے تو ماننا پڑے گا کہ جناب علاّمہ کو تذکیر و تانیث کا بھی علم نہیں تھا۔ شاید اسی لیے بھارت کے ایک دانش ور نے اِس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا۔ بہر حال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

’’اور اگر اللہ کی نعمتیں گِنو تو نہیں شمار نہ کر سکو گے‘‘

آیت ۲۵: جناب علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’تا کہ اُٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ اُن کے جن کو بہکاتے ہیں بِلا تحقیق سُنتا ہے بُرا بوجھ ہے جو اُٹھاتے ہیں‘‘

علاّمہ نے اپنے ترجمے میں کہیں بھی اردو نثر کی نحوی ترکیب کا خیال نہیں رکھا ہے۔ پھر اُس زمانے میں رموزِ اوقاف کی طرف توجہ بھی برائے نام تھی۔ اس لیے علاّمہ کے ترجمے کی تفہیم میں کہیں کہیں بہت دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا ترجمے کے لفظ ’’پورے‘‘ کو لیجیے۔ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنے ماقبل سے متعلق ہے یا مابعد سے۔ یعنی ’’پورے بوجھ اُٹھائیں‘‘ یا ’’پورے دن بوجھ اُٹھائیں‘‘۔ اگر نثر میں الفاظ کی ترتیب نثر کے عام چلن کے مطابق ہوتی تو اس قسم کی دشواری پیش نہ آتی، لیکن علاّمہ نے پورے قرآن کے ترجمے میں اس کو اہمیت نہیں دی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

’’کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اُٹھائیں اور کچھ بوجھ اُن کے جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں سُن لو کیا ہی بُرا بوجھ اُٹھاتے ہیں‘‘

آیت ۵۴: جناب علاّمہ نے اس کا ترجمہ ارقام فرمایا:

’’پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اُسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے‘‘

’’سختی کھول دیتا ہے‘‘ خدا جانے برصغیر کے کس حصّے کی اردو ہے۔ حقیر فقیر صابرؔ اپنے محدود علم کے سبب اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ فی الفور اس طرح تحریر کرایا:

''پھر جب وہ تم سے بُرائی ٹال دیتا ہے تو تم میں ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے''

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ علاّمہ محمود الحسن نے جو ''سختی کھول دینا'' لکھا تھا اُس کا مطلب ''مصیبت دور کر دینا'' ہے۔ اس ترجمے کو پڑھے بغیر فقیر بھی جناب علاّمہ کے ترجمے کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ حالانکہ ترجمہ اردو میں ہے اور یہ فقیر حقیر بھی کچھ اردو جانتا ہے۔

آیت ۶۹: علاّمہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں''

ترجمہ مبہم ہے مگر علاّمہ شبیر احمد عثمانی کا تفسیری حاشیہ پڑھ کر کچھ بات سمجھ میں آئی۔ ''صاف پڑے ہیں'' کا مطلب ہے ''راستے صاف پڑے ہیں'' اور یہ شہد کی مکھیوں سے فرمایا گیا ہے؛ لیکن جناب علاّمہ نے ترجمے میں اس سے پہلے لفظ ''راہوں'' استعمال کیا ہے۔ ''راہ'' مؤنث ہے اس لیے آخری فقرہ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ ''صاف پڑی ہیں''۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب علاّمہ نے آخری فقرہ اس طرح کیوں لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''راہ'' مذکر ہے۔ اب تک کے جائزے سے جناب علاّمہ کی اُردو دانی کا جو معیار طے ہوا ہے اُس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاید ''راہ'' کو مذکّر ہی سمجھتے تھے۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لیے نرم آسان ہیں''

آیت ۱۰۳: جناب علاّمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اُس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی''

اِس ترجمے میں اور کوئی بات تو قابلِ ذکر نہیں ہے، لیکن سرسری مطالعے کے دوران اس سورت میں اِسی آیت کے ترجمے میں فعلِ متعدی المتعدی نظر آیا۔ چلیے علاّمہ کا شوق پورا ہونے کا سامان تو ہوا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا تھا:

''اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے''

آیت ۱۱۶: جناب علاّمہ ترجمہ نگار ہیں:

''اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو''

حقیر فقیر کی مادری زبان اردو ہے اور اردو کے خطے روہیل کھنڈ میں ہی اُس کی زبان کی نشو و نما ہوئی ہے۔ اردو کے

عظیم اور صاحبِ طرز ادیبوں کو بھی پڑھا ہے؛ لیکن "زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے" فقرے سے علاّمہ کی کیا مراد ہے یہ نہیں سمجھ سکا۔ اس طرح کے لایعنی ترجمے علاّمہ نے دیگر مقامات پر بھی کیے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح رقم کرایا:

"اور نہ کہو اُسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو"

۱۷۔ سورۂ بنی اسرائیل

آیت ۴: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"اور صاف کہہ سُنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی"

"سرکشی کرو گے بڑی سرکشی" عربی الفاظ کا اردو ترجمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو با محاورہ اور فصیح اردو نہیں کہتے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دو بار فساد مچاؤ گے اور ضرور بڑا غرور کرو گے"

آیت ۱۸: جناب علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اُس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اُس میں اپنی بُرائی سُن کر دھکیلا جا کر"

"دھکیلا جا کر" اسی سورت کی آیت ۳۹ کے ترجمے میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس کا رواج کس علاقے میں ہے۔ کچھ بھی ہو یہ فصیح اور صحیح اردو نہیں ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح رقم کرایا:

"پھر اُس کے لیے جہنّم کر دیں کہ اُس میں جائے مذمّت کیا ہوا دھکّے کھاتا"

آیت ۳۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ایک جُز کا ترجمہ یوں فرمایا:

"یہ جتنی باتیں ہیں اُن سب میں بُری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری"

اللہ رب العزت کی خوشی یا ناراضی (دونوں جب اس سے منسوب ہیں تو) کو بُرا کہنا اِس فقیر حقیر کے خیال میں مناسب نہیں (یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے)۔ امام احمد رضا نے اتنے ہی حصّے کا ترجمہ یوں تحریر کرایا:

"یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بُری بات تیرے رب کو ناپسند ہے"

آیت ۵۶: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اُس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں''

''تکلیف کو کھولنا'' خدا جانے کس زبان اور کس علاقے کا روزمرّہ ہے۔ یہ اردو تو نہیں ہے۔فقرہ ''اور نہ بدل دیں'' بھی کچھ واضح نہیں ہے۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا:

''تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ پھیر دینے کا''

ترجمہ پڑھنے کے ساتھ ہی آیت کا مفہوم روشن ہو گیا۔اس خوبی کو ''بلاغت'' کہتے ہیں اور یہ کنزالایمان کی اٹھارھویں خوبی ہے۔

آیت ۶۰: اس آیت کے مکمل ترجمے کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لیکن آیت بڑی ہونے کے سبب دونوں ترجموں کا فرق پوری طرح واضح نہیں ہو سکے گا۔اس لیے ایک ایک فقرے کا موازنہ دیا جا رہا ہے:

ترجمہ علّامہ محمودالحسن	ترجمہ امام احمد رضا
اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے	اور جب ہم نے تم سے فرمادیا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو
اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں اور ہم اُن کو ڈراتے ہیں تو اُن کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت	اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی

دونوں ترجمے ایک دوسرے کے سامنے درج ہیں کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ایک فقرے میں علاّمہ نے فعل متعدی المتعدی (دکھلایا) کے حاصل مصدر دِکھلاوا کا بھی استعمال کیا ہے۔(اگرچہ علاّمہ شبیر احمد عثمانی بھی اس کے بہت شائق ہیں مگر یہاں تفسیری حاشیے میں نہ جانے اُن سے کیسے چوک ہو گئی کہ 'دکھاوے' ہی لکھا ہے) اس حصّے کا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علاّمہ نے جو

تصرّف فرمایا ہے وہ درست ہے یا بے جا۔شاہ صاحب نے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

’’اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے‘‘

آیت ۶۲: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

’’کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تُو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اُس کی اولاد کو ڈانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے‘‘

’’ڈانٹی دے لینے‘‘ کا جواب نہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

’’بولا دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا‘‘

اس کا نام ہے بلاغت۔

آیت ۶۴: حضرت علاّمہ کا لاجواب ترجمہ ملاحظہ فرمایئے، تحریر فرماتے ہیں:

’’اور گھبرا لے اُن میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے‘‘

’’گھبرانا‘‘ فعل متعدی نہیں ہے اور اس کا متعدی ہوتا بھی نہیں ہے۔ایسے موقع پر ’’گھبراہٹ میں مبتلا کرنا‘‘ آتا ہے۔پھر اسی پر بس نہیں دو جگہ اسی آیت شریفہ کے ترجمے میں آ گیا۔آگے چل کر آیت نمبر ۶۷ کے ترجمے میں بھی لے آئے۔یہ استعمال غیر فصیح ہی نہیں غلط بھی ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

’’اور ڈِگا دے ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے‘‘

آیت ۶۸: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

’’کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے‘‘

جناب علاّمہ پہلے بھی لفظ ’’بے ڈر‘‘ استعمال کر چکے ہیں اور آگے اسی سورت میں آیت ۶۹ میں بھی ہے۔ایسے موقع پر ’’نڈر‘‘ صحیح اور فصیح ہے۔اور اس کو علاّمہ بھی استعمال کر چکے ہیں۔معلوم نہیں پھر بے ڈر کیوں استعمال کیا ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا:

’’کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی ہی کا کوئی کنارہ تمہارے ساتھ دھنسا دے‘‘

آیت ۷۸: علاّمہ نے اس کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں رقم فرمایا:

”بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو“

یہاں ”روبرو“ کا مطلب کیا ہے، یہ علاّمہ ہی جانیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

”بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں“

کہنے کی ضرورت نہیں کہ وضاحت قابلِ داد ہے۔

آیت ۷۹: علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ رقم طراز ہیں:

”کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لیے“

”زیادتی“ ظلم کا مرادف لفظ ہے۔ علاّمہ اس کو پہلے بھی استعمال کر چکے ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

”اور رات کے کچھ حصّے میں تہجّد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے“

اب اِس سورہ میں فعل متعدی المتعدی کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱: جناب علاّمہ ترجمہ نگار ہیں:

”پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دِکھلائیں اُس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے“

”دِکھلانا“ جناب علاّمہ کا پسندیدہ فعل ہے۔ پہلے بھی متعدد بار استعمال کیا ہے۔ آیئے دیکھیں شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کی جگہ کیا لفظ لکھا تھا، کیونکہ علاّمہ نے انہیں کے ترجمے کی تجدید کا دعویٰ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شاہ صاحب نے اس حصّے کا ترجمہ یوں کیا تھا: ”کہ دکھادیں اُس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے“

اور امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا:

”پاکی ہے اُسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں“

آیت ۹: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

”یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے“

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

"یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی"

"بتاتا" علاّمہ کو متروک لگا یا کسی اور وجہ سے پسند نہیں آیا۔ لہٰذا اُس کی جگہ انہوں نے "بتلاتا" لکھ کر شاہ صاحب کی اصلاح کردی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ رقم کرایا تھا:

"بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے"

آیت ۴۲: حضرت علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"کہہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے صاحبِ عرش کی طرف راہ"

جناب علاّمہ نے جس جگہ بتلاتے تحریر فرمایا ہے وہاں پر شاہ صاحب نے "بتاتے" لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

"کہہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتاتے ہیں تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف راہ"

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

"تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے"

"جیسا یہ بکتے ہیں" کا جواب نہیں۔ بلاغت کی اِس سے عمدہ مثال مشکل سے ملے گی۔

آیت ۹۷: حضرت علاّمہ نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا"

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا تھا:

"اور جس کو سجھاوے اللہ وہی ہے سوجھا"

بے شک شاہ صاحب کے ترجمے میں متروک الفاظ تھے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ متعدی المتعدی فعل کو گلے کا ہار بنالیا جائے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

"اور جسے اللہ راہ دے وہی راہ پر ہے"

یہ ہے خالص اردو کا روزمرّہ۔ سبحان اللہ۔

۱۸۔ سورۂ کہف

آیت ۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو اُن کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ رقم کرایا:

''تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے''

آیت ۲۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اور روکے رکھ اپنے آپ کو اُن کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اُس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں اُن کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی''

اس ترجمے میں ''طالب ہیں اُس کے منہ کے'' اور ''رونق زندگانی دنیا کی'' کو ذہن میں رکھیں اور امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیں:

''اور اپنی جان اُن سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اُس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے''

دونوں ترجموں کو بار بار پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ حُسن، تاثیر اور روانی کس ترجمے میں ہیں اور کس نے ترجمے کا حق ادا کیا ہے۔

آیت ۳۴: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

''اور مِلا اُس کو پھل پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اُس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ''

اس ترجمے میں تین باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی تو یہ کہ'' بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اُس سے'' فقرے میں ''باتیں کرنے لگا اُس سے'' بھرتی کا ہے۔ دوسری یہ کہ ''میرے پاس زیادہ ہے مال اور آبرو کے لوگ'' فقرے میں فعل ''ہے'' مال سے بھی متعلق ہے اور ''آبرو کے لوگ'' سے بھی۔ ایک بچہ بھی واقف ہے کہ امدادی فعل ''ہے'' واحد کے لیے آتا ہے اور ''آبرو کے لوگ'' جمع ہے۔ (واحد کے صیغوں کے پیوند جمع کے ساتھ علاّمہ اپنی تحریروں میں لگاتے ہی رہتے ہیں۔) تیسری بات یہ ہے کہ علاّمہ نے ''آبرو کے لوگ'' ترجمہ کیا ہے جو نامانوس سا معلوم ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس فقرے کا ترجمہ کیا تھا:

''اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں''

علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے ترجمہ کنزالایمان سے بعد میں تفسیری حاشیہ لکھا تھا۔انہوں نے جگہ جگہ ترجمہ کنزالایمان سے بغیر حوالوں کے استفادہ کیا ہے۔اس آیت کے تفسیری حاشیے میں رقم طراز ہیں:

"یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے"

یہاں علاّمہ نے "آبرو کے لوگ" کا ذکر نہیں کیا۔امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ فی البدیہہ اس طرح املا کرایا تھا:

"اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اُس سے ردوبدل کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں"

"اُس سے ردوبدل کرتا تھا" یعنی بحث و تمحیص ہوتی رہتی تھی،(دونوں کے مابین)

آیت ۵۲: جناب علاّمہ ترجمہ نگار ہیں:

"اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جن کو تم مانتے تھے۔پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو اور کردیں گے ہم اُن کے اور اُن کے بیچ مرنے کی جگہ"

"اُن کے اور اُن کے بیچ" نے عبارت کو کہیں کا نہ رکھا۔یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ اِن میں سے ایک اِن (الف مکسور) اشارۂ قریبیہ ہو اور دوسرا اُن (الف مضموم،اشارۂ بعید) ہو۔اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی بھی کلام کے وقت قریب نہیں تھا۔لہٰذا دونوں جگہ اُن (الف مضموم) ہی ہے۔اس سے عبارت مجروح ہوگئی۔اس کے علاوہ "مرنے کی جگہ" کا مطلب سمجھنے کے لیے مغز زنی کرتے رہیے۔کچھ سمجھ میں آنے والا نہیں ہے۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عطا فرمایا:

"اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جو تم گمان کرتے تھے تو انہیں پکاریں گے وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور ہم اُن کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کردیں گے"

آیت کا مفہوم اور مطلب آئینے کی طرح صاف ہوگیا۔اس کو کہتے ہیں ترجمہ نگاری۔

آیت ۱۰۳: حضرت علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

"تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت"

کسی حرف کی تکرار اگر سلیقے سے کی جائے تو صوتی دل آویزی پیدا ہوسکتی ہے۔لیکن اس ترجمے میں حرف "ک"

کی تکرار کانوں کو مکروہ معلوم ہورہی ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا تھا:

''تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کرناقص عمل کن کے ہیں''

آیت ۱۱۰: اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں رقم فرمایا تھا:

''تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں''

اس پر''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مصنف چراغ پا ہیں اور کلمہ حصر اِنّما کا ترجمہ چھوڑ دینے کا الزام لگاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہاں بھی مولوی احمد رضا اِنّما کا ترجمہ کھا گئے اور یہ ترجمہ کیا:''تم فرماؤ ظاہر صورت بشر میں تو تم جیسا ہوں''۔ (صفحہ ۱۲۳)

مصنف نے یہاں ترجمہ نقل کرنے میں صحت کا خیال نہیں رکھا۔اس پر اُن کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اردو ترجمے میں کہیں لفظ 'صرف' 'ہی' یا کلمہ جُز این نیست شامل نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مصنف کا یہ الزام صحیح ہے یا غلط۔جن لوگوں کو اعتراض برائے اعتراض کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ عموماً علمی دلائل کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔اس لیے اس کا فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ علّامہ سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے جس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتایا ہے اُس میں دیکھا جائے کہ اُس کے مترجم علّامہ محمودالحسن صاحب نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔یہ اس لیے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی سے اختلاف کریں علّامہ ندوی اور علّامہ محمودالحسن صاحبان سے اختلاف نہیں کر سکتے۔قرآن کھولیے اور دیکھیے علّامہ نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا ہے:

''تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم''

اس ترجمے میں بھی ''ہی''،''صرف'' یا ' جُزایں نیست' میں سے کچھ نہیں ہے۔اس لیے اگر مصنف کو انصاف کا ذرّہ بھر بھی پاس ہے تو وہی باتیں علّامہ محمودالحسن صاحب کے بارے میں بھی لکھیں۔جو امام احمد رضا کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔

آخر میں فعل متعدی المتعدی کے استعمال کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمالیجیے:

آیت ۱۰۰: جناب علّامہ نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور دکھلا دیں ہم دوزخ اُس دن کافروں کو سامنے''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا تھا:

''اور دکھادیں ہم دوزخ اُس دن کافروں کو سامنے''

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا تھا:

''اور ہم اُس دن جہنّم کافروں کے سامنے لائیں گے''

۱۹۔ سورۂ مریم

آیت ۳: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

''جب پکارا اُس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے''

جو لوگ بخوبی اردو بول لیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی علاقے کے ہوں ''چھپی آواز'' نہیں بولتے۔ اس لیے یہ غیر فصیح ہے۔ جناب علاّمہ نے بھی یہ لفظ اس لیے استعمال کیے کہ شاہ عبدالقادر نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا تھا:

''جب پکارا اپنے رب کو چھپی پکار''

جناب علاّمہ نے جتنی تبدیلی جملے میں کی ہے شاید وہ اس سے زیادہ کر نہیں سکتے تھے۔ اسی لیے ترجمہ غیر فصیح ہو گیا۔ یہ حالت تو تب ہے جب شاہ صاحب کا ترجمہ سامنے تھا۔ اگر وہ سامنے نہ ہوتا تو خدا جانے کیسا ترجمہ فرماتے۔ بہرحال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھا:

''جب اُس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا''

فرق اہلِ نظر خود ملاحظہ فرمالیں۔ اس بولتے ہوئے ترجمے پر کسی تبصرے کی حاجت نہیں۔

آیت ۵: حضرت علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو جوں کا توں نقل کر دیا۔ اس میں وہ کسی لفظ کی تبدیلی بھی نہ کر سکے۔ کیوں؟ یہ وہی جانیں۔ بہرحال ترجمہ یہ ہے:

''اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے''

ایک عام قاری کے لیے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اس ترجمے میں لفظ ''اپنے'' ''بھائی بندوں'' سے متعلق ہے یا ''پیچھے'' سے یا دونوں سے (جب کہ تیسری صورت ممکن بھی ہو تو غلط ہوگی) پھر لفظ ''پیچھے'' سے ایک عام قاری یہی سمجھے گا

کہ پیٹھ پیچھے یا غیبت میں۔ جب کہ بات یہ نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

"اور مجھے اپنے بعد قرابت والوں کا ڈر ہے"

ترجمے کی وضاحت کسی شہادت کی محتاج نہیں۔

آیت ٦: یہاں بھی حضرت علاّمہ شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرف کرنے میں قاصر نظر آتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے شاہ صاحب کے ترجمے کو ہی جوں کا توں نقل کر دیا (اہل نظر انصاف کر سکتے ہیں کہ یہ کسی مترجم کا کام ہے یا کسی نقّال کا) ترجمہ یہ ہے:

"اور کر اُس کو اے رب من مانتا"

شاہ صاحب نے من مانتا لکھا تھا ایک مدّت بعد بھی جناب علاّمہ کو اس کا مرادف نہ سوجھا۔ مولائے تعالیٰ لغات کا ایسا افلاس کسی کو نہ دے۔ (لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا جب اردو پر اتنا بھی عبور نہیں تھا تو مترجم بننے کا ارادہ ہی کیوں کیا) امام احمد رضا نے اس کافی البدیہہ ترجمہ اس طرح رقم فرمایا:

"اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر"

دونوں ترجموں کا فرق ایک نظر میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔

آیت ١٩: اس آیت کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں لکھایا تھا:

"بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں"

"فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف نے اس ترجمے پر دو اعتراض کیے ہیں۔ پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے "اِنَّمَا" کا ترجمہ چھوڑ دیا، لکھتے ہیں:

"مولوی احمد رضا کو ثابت کرنا تھا کہ جبرئیل بیٹا دیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام جبریل بخش ہیں، اولیاء اللہ بیٹا دیتے ہیں۔ جب کہ اِنَّمَا حرف حصر و تاکید سے اُن کے اس باطل و شرکیہ عقیدے پر کاری ضرب لگ رہی تھی۔ اسے جڑ سے ہی صاف کیا جا رہا تھا۔ اس لیے جناب نے اِنَّمَا کا ترجمہ چھوڑ دیا۔" (ص ١٢٣)

اگر امام احمد رضا نے حرف حصر و تاکید "اِنَّمَا" کا ترجمہ چھوڑ کر کسی شرکیہ عقیدے کا دفاع کیا تو واقعی یہ بہت بُرا ہوا؟ لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس اصول یا قاعدے یا ضابطے یا جو بھی کہیے کو درست مانا جائے تو اس کا حصار اتنا تنگ نہ ہو کہ امام احمد رضا کو ہی خطاوار مانا جائے اگر کسی اور نے ایسا کیا ہو تو اسی کو بھی اس خانے میں رکھا

جائے۔امید ہے کہ فقیر کی اس بات سے کسی انصاف پسند کو اختلاف نہ ہوگا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا ترجمہ دوسرے مترجمین قرآن نے کیا لکھا ہے یہ بھی دیکھا جائے۔ چلیے پہلے علاّمہ اشرفعلی تھانوی صاحب کے ترجمے سے استفادہ کرتے ہیں۔انہوں نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تا کہ تم کو ایک پا کیزہ لڑ کا دوں۔''

(ناشر فرید بک ڈپو، دلّی۔٦)

ملاحظہ فرمایئے تھانوی صاحب نے بھی کلمہ حصر وتاکید''اِنَّمَا'' کا ترجمہ چھوڑ دیا۔اب اگر ہمت ہے تو مصنف وہی باتیں تھانوی صاحب کے بارے میں لکھ دیں جو امام احمد رضا کے بارے میں لکھی ہیں اور اگر نہیں لکھ سکتے تو آئندہ کچھ لکھنے سے توبہ کرلیں۔

مصنف کے نزدیک اتنے معتبر حوالے کے بعد اب کسی دوسرے ترجمے کو دیکھنے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

ان دونوں مترجمین نے''اِنَّمَا'' کا ترجمہ چھوڑا یا نہیں اگر چھوڑا تو کیوں چھوڑا اگر ذرا غور کر لیا جائے تو خود سمجھ میں آجائے گا۔

مصنف کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس ترجمے میں امام احمد رضا نے حضرت جبریل علیہ السلام اور جناب مریم کی شان میں صحیح الفاظ کا استعمال نہیں کیا۔تحریر فرماتے ہیں:

''کس قدر مہذب ترجمہ ہے، قربان جایئے کیونکہ جناب حضور پرنور تھے اس لیے آپ کو حق ہے کہ جبریل و مریم علیہما السلام کو''بولا و بولی'' لکھیں۔'' (ص ١٢٣)

اس آیت کے ترجمے میں حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے جو لفظ''بولا'' لکھا گیا ہے اس کے غلط یا نا مناسب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔شرط غور وفکر اور انصاف کی ہے مگر ان چیزوں سے مصنف کو شاید بَیر ہے۔یہ لفظ ایک معصوم کے بارے میں غلط کیوں نہیں ہے اس بارے میں آگے عرض کیا جائے گا، لیکن بات گھوم پھر کر پھر وہیں آتی ہے کہ اگر امام احمد رضا کا فرشتے کے بارے میں''بولا'' لکھنا غلط ہے تو یہ پیمانہ دوسروں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔''میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا آخ تھو'' انصاف نہیں چونکہ مصنف کو یہ ترجمہ گستاخانہ معلوم ہوتا ہے اس لیے ان کی خاطر ہم دیکھیں گے کہ اس موقع پر دوسرے مترجمین قرآن کیا ترجمہ عنایت فرماتے ہیں۔سب سے پہلے ایک ہندوستانی دانشور کے قول کے مطابق اردو کے سب سے اچھے ترجمے (از علاّمہ محمود الحسن) پر ایک نظر

ڈالتے ہیں:

وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔(سورہ الحجر آیت ۵۲)

بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا۔(سورہ الحجر آیت ۵۴)

بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے۔(سورہ الحجر آیت ۵۶)

بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوئے۔(سورہ الحجر آیت ۵۷)

چاروں جگہ "بولا" کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے اور ملاحظہ فرمایئے:

بولا تم لوگ ہو اوپرے۔(سورہ الحجر آیت ۶۲)

بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔(سورہ الحجر آیت ۷۱)

دونوں جگہ "بولا" حضرت لوط علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

بولا کہ تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان وزمین کے مالک نے۔(سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۲)

موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری۔(سورۂ کہف آیت ۷۴)

دونوں آیتوں میں "بولا" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ دوسری آیت میں تو نام بھی مذکور ہے۔اور ملاحظہ ہو:

بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا۔(سورۂ مریم آیت ۱۸)

بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے۔(سورۂ مریم آیت ۲۰)

بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری۔(سورۂ مریم آیت ۲۳)

ان تینوں آیات میں "بولی" حضرت مریم علیہا السلام کے لیے لکھا گیا ہے۔

یہ حوالے بغیر کسی خاص تلاش کے نقل کر دیے گئے ہیں اگر تجسس کیا جائے تو ایسے تراجم کے جمع کرنے سے بلا مبالغہ ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے۔جب اردو کے سب سے اچھے ترجمے (بقول شخصے) میں ہمیں مطلوبہ مواد مل گیا تو اب کسی دیگر ترجمے کو دیکھنے کی حاجت نہیں رہی۔

اب انصاف یہ کہتا ہے کہ مصنف، علاّمہ محمود الحسن صاحب کو امام احمد رضا کے مقابلے میں کم از کم ۱۰۰ گُنا خطاوار

ٹھہرائیں۔اس لیے کہ ایک بار ''بولا'' کے علی الرغم سیکڑوں بار ''بولا'' اور ''بولی'' استعمال کرنے کی مثالیں علاّمہ کے ترجمے میں موجود ہیں۔درجن بھر پیش بھی کردی گئی ہیں۔ہے ہمت؟ یا باتیں ہی باتیں ہیں؟

معصوم شخصیات کے لیے ''بولا'' اور ''بولی'' کا استعمال کیوں غلط نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور وہ اپنے بندوں کو ''بولا'' فرمائے یا ''بولے'' اور بندیوں کو ''بولی'' کہے یا ''بولیں'' اس کو سزاوار ہے اور کوئی اس کو ٹوک نہیں سکتا اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ نبی ہوں یا فرشتے سب اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں ان کو تو اس طرز تکلم پر قطعی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس کا یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

''بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔''

یہ تیرھواں مقام ہوا جہاں علاّمہ نے مصنف ''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مطابق ایک معصوم کی شان میں قابل اعتراض لفظ ''بولا'' استعمال کیا ہے، یہاں یہ عرض کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جوں کا توں نقل کردیا ہے۔کوئی تصرف بھی نہیں کیا ہے۔اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

آیت ۴۶: جناب علاّمہ نے ترجمہ تحریر فرمایا:

''اور دور ہوجا میرے پاس سے ایک مدّت۔''

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جملہ مکمل ہے۔لیکن علاّمہ بھی کیا کرتے وہ تو شاہ صاحب کے ترجمے میں ہی پھیر بدل کر سکتے تھے اور شاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا:

''اور مجھ سے دور جا ایک مدّت''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور مجھ سے زمانۂ دراز تک بے علاقہ ہوجا۔''

آیت ۴۸: جناب علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کرکر محروم۔''

اس ''کرکر'' کی داد ہر فصیح زبان کو دینی ہوگی۔واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ نہیں تھا۔انہوں نے

ترجمہ کیا تھا:

’’امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کو پکار کر محروم‘‘

’’پکار کر‘‘ کو ’’بندگی کر کر‘‘ سے بدل کر جناب علاّمہ نے ترجمے کو سدھارا ہے یا بگاڑا ہے اس کا فیصلہ ہر انصاف پسند کرسکتا ہے۔ اس کے باوجود اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہنے والے کی انصاف پسندی کو کیا کہا جائے۔

امام احمد رضا نے ترجمہ فرمایا۔

’’قریب ہے کہ میں اپنے رب کی بندگی سے بد بخت نہ ہوں۔‘‘

آیت ۶۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا نام نہاد ترجمہ یہ ہے:

’’کسی کو پہچانتا ہے تو اس کے نام کا‘‘

کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اس ترجمے کے مفہوم تک پہنچ گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ایسا ہی مبہم تھا اور اس کی وجہ اردو کی عمر طفولیت رہی ہوگی۔ جناب علاّمہ نے اپنے عہد کے مطابق کسی ترجمے کو ڈھالنے پر قادر نہیں تھے البتہ مزید مبہم بنانے کے فن میں ماہر تھے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ تھا:

’’کوئی پہچانتا ہے تو اُس کے نام کا‘‘

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ بول کر لکھایا:

’’کیا اُس کے نام کا دوسرا جانتے ہو‘‘

سبحان اللہ! مفہوم کو کیسا واضح اور سہل کردیا۔ چنانچہ ’’سہولتِ تفہیم‘‘ ترجمۂ کنزالایمان کی انیسویں خوبی ہوئی۔

آیت ۶۹: حضرت علاّمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’پھر جدا کرلیں گے ہم ہر ایک فرقے میں سے جون سا اُن میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ‘‘

خط کشیدہ (جون سا) کا جواب نہیں؟ لیکن علاّمہ بھی بے چارے کیا کرتے، شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا:

’’پھر جدا کردیں گے ہم ہر فرقے میں سے جون سا اُن میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ‘‘

علاّمہ نے ایک لفظ بدل دیا اور ایک بڑھادیا۔ اس سے زیادہ وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ جناب امام احمد رضا نے جناب علاّمہ سے ۶ برس پہلے یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

''پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو اُن میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا''

آیت ۷۰: حضرت علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں داخل ہونے کے''

قابل کے بجائے اہل یا لائق ہونا چاہیے تھا مگر جناب علاّمہ تو اردو لغات کے معاملے میں غریب واقع ہوئے تھے۔ وہ شاہ صاحب کے ترجمے میں چند الفاظ بدلنے کے ہی اہل تھے۔ شاہ صاحب نے بھی اس موقع پر لفظ ''قابل'' ہی لکھا تھا۔ پورا ترجمہ یہ ہے:

''پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے''

علاّمہ نے ''ہیں'' کو ''ہے'' سے بدل دیا اور ''پیٹھنے'' کو ''داخل ہونے'' سے۔ اس سے زیادہ وہ بے چارے اور کیا کرتے۔ جو کر سکتے تھے کیا۔ کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ لیکن جو بس کی بات نہیں تھی اُس میں کیا کرتے۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ رقم کرایا:

''پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اُس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق ہیں''

یہ ہے صحیح معنوں میں آیت کا اردو ترجمہ

ع۔ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے (آتش)

آیت ۷۹: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا نام نہاد ترجمہ یہ ہے:

''یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اُس کو عذاب میں لمبا''

اور شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''یوں نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لنبا''

دونوں ہی ترجمے مبہم ہیں۔ کسی کے لیے بھی ان کے مفہوم تک پہنچنا آسان نہیں۔ شاہ صاحب کے ساتھ تو خام زبان کی مجبوری تھی مگر جناب علاّمہ کو کیا ہوا تھا کہ انھوں نے ۳ الفاظ بدلنے اور ایک لفظ بڑھانے کا کارنامہ تو انجام دیا لیکن مفہوم کی تسہیل کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اب ان کے مقابلے میں امام احمد رضا کا فی البدیہہ لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایا:

''اب ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور اُسے خوب لمبا عذاب دیں گے''

اب سورت کے آخر میں فعل متعدی المتعدی کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۸۰: جناب علّامہ نے ترجمے میں درج فرمایا:

''اور ہم لے لیں گے اُس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا''

جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں رقم فرمایا تھا:

''اور ہم لے لیں گے اُس کے مرے پر جو بتاتا ہے اور آوے گا ہم پاس اکیلا''

شاید علّامہ نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا تھا کہ شاہ صاحب کے ترجمے کی تسہیل ہو یا نہ ہو، اس میں سدھار ہو یا نہ ہو، وہ جدید زمانے کے مطابق ہو یا نہ ہو مگر جہاں بھی ہو سکے فعل متعدی المتعدی کو ضرور ترجمے میں ٹھونس دیا جائے۔ معلوم نہیں اس کو وہ کتنا اچھا سمجھتے تھے۔

امام احمد رضا کا فی البدیہہ کیا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''اور جو چیزیں کہہ رہا ہے اُن کے ہمیں وارث ہوں گے اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا''

۲۰۔ سورۂ طٰہٰ

آیت ۸: علّامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا:

''اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اُسی کے ہیں سب نام خاصے''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اُس کے ہیں سب نام خاصے''

جناب علّامہ نے ''اُس'' کو ''اُسی'' سے بدل کر مترجم ہونے کا حق تو ادا کر دیا لیکن وہ ''خاصے'' کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لا سکے۔ جب کہ اس کا بدلنا ضروری تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں تحریر کرایا:

''اللہ کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اُسی کے ہیں سب اچھے نام''

آیت ۲۹: جناب علّامہ نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا:

''اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا''

کام بٹانے والا لفظ ''وزیر'' کا ترجمہ ہے علّامہ چاہتے تو اس جگہ ''وزیر'' یا کوئی دوسرا لفظ لا سکتے تھے کیونکہ ''کام

بتانے والا“ ”وزیر“ کا متبادل نہیں اور گھر کا کام بتانے والا تو ہرگز وزیر نہیں کہلائے گا۔ مگر وہ کرتے کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی ”کام بتانے والا“ ہی لکھا تھا۔ (واضح ہو کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ علّامہ نے ایک لفظ بھی نہیں بدلا ہے) یہ ترجمہ شاہ صاحب کی حد تک تو زبان کی مجبوری ہی کہا جائے گا؟ لیکن جناب علّامہ کا ویسے ہی نقل کر دینا ترجمہ نگاری کے نام پر داغ ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا:

”اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے“

آیت ۴۰: جناب علّامہ ترجمہ فرماتے ہیں:

”اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا“

جناب علّامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں دو لفظ (ہم نے) کا اضافہ کیا اور ”ایک ذرا جانچا“ جوں کا توں نقل کر دیا۔ یہ علّامہ کے عہد کی زبان نہیں ہو سکتی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

”اور تجھے خوب جانچ لیا“

ایجاز بھی ہے اختصار بھی اور ترجمہ بھی واضح ہو گیا۔

آیت ۴۵: علّامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

”اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبھک پڑے ہم پر یا جوش میں آ جائے“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یوں تھا:

”اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبھکے ہم پر یا جوش میں آوے“

دونوں ترجموں کا آج کل کے ایک عام شخص کے لیے سمجھنا دشوار ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

”اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے“

آیت ۴۷: علّامہ کا ترجمہ یہ ہے:

”اور سلامتی ہو اُس کی جو مان لے راہ کی بات“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ تھا:

”اور سلامتی ہو اس کی جو مانے راہ کی بات“

علاّمہ نے ''مانے'' کو ''مان لے'' سے بدل کر ترجمے کا حق ادا کر دیا، لیکن ''راہ کی بات'' کی وضاحت وہ بھی نہ کر سکے جب کہ یہ کام زیادہ ضروری تھا۔ اب ایک عام قاری کو ''راہ کی بات'' کا مفہوم جاننے کے لیے لغت کی مدد لینی پڑے گی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور سلامتی اُسے جو ہدایت کی پیروی کرے''

آیت ۶۴: علاّمہ محمود الحسن صاحب آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

''اور جیت گیا آج جو غالب رہا''

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد ''جیت جانے'' اور ''غالب رہنے'' کے فرق کی وضاحت کون کرے گا۔ ایک عام قاری کے لیے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ (جس کو جناب علاّمہ نے پہیلی بنا دیا) اس سے بہتر ہے انہوں نے لکھا تھا:

''اور جیت گیا آج جو اوپر رہا''

امام احمد رضا نے اردو خواں مسلمانوں کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور آج مراد کو پہنچا جو غالب رہا''

آیت ۶۶: جناب علاّمہ کا کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''تبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُس کے خیال میں آئیں اُن کے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''تبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑتی ہیں''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے کی اصلاح کا بیڑی اُٹھایا تھا تو اظہار کیا تھا کہ وہ مشکل الفاظ کو آسان کریں گے اور متروک لفظوں کو رائج لفظوں سے بدلیں گے، مگر دیگر آیات کے تراجم کی طرح اس میں بھی ''دوڑ رہی'' کو ''دوڑتی'' سے بدل کر حقِ ترجمہ نگاری ادا کر دیا۔ عبارت کی بہتری کی کوئی کوشش نہیں کی گی۔ (ممکن ہے یہ بات اُن کے بوتے سے باہر ہو) بہرحال امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''جبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں''

آیت ۸۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''فرمایا ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے''

اور شاہ صاحب نے بھی یہی ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

''فرمایا ہم نے بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے''

ملاحظہ فرمالیں کہیں ایک حرف، ایک شوشے، یا ایک نقطے کی کمی بیشی بھی نہیں ہے۔ پھر جو ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب کے نام سے ہمارے سامنے آتا ہے اُس کو شاہ صاحب کا ترجمہ کیوں نہ مانا جائے اور کس بنیاد پر اس کو جناب علاّمہ سے منسوب کیا جائے۔ یہ سوال کافی اہم ہیں اور بہت جگہ ہوا ہے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا''

آیت ۹۴: جناب علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر''

''میری ماں کے جنے'' کی فصاحت پر غور فرمایئے اور داد دیجیے۔ ساتھ ہی وجہ بھی جان لیجیے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اسی طرح لکھا تھا۔ ہوسکتا ہے ان کے عہد میں یہ معیوب نہ رہا ہو۔ لیکن کیا جناب علاّمہ اس متروک فقرے کو اپنے عہد کے مطابق بدلنے پر قادر نہیں تھے۔ یہ تو خدا ہی جانے؟ لیکن اس شخص کے ذہنی دیوالیے پن پر تو ہر انصاف پسند کو رونا آئے گا جس کو لوگ دانشور کہتے تھے اور جو اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتاتا تھا۔ بہرحال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال''

آیت ۹۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو معتکف رہتا تھا''

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اپنے اُس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا''

زبان، روزمرہ اور فصاحت کے لحاظ سے دونوں ترجموں کا فرق ایک نظر میں معلوم ہوجاتا ہے۔

آیت ۹۸: علاّمہ محمود الحسن صاحب کے مترجم قرآن کریم میں ترجمہ اس طرح درج ہے:

''تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سِوا کسی کی بندگی نہیں سب چیز سما گئی ہے اُس کے علم میں''

اسلوبِ بیان کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت کا علم تو پہلے سے موجود تھا، مگر بہت سی چیزیں بعد میں اس کے علم میں سمائیں۔ اس سے اللہ رب العزت کے علم کے حادث ہونے کا شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ایسے ہی الفاظ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی لکھے تھے مگر وہ ان کے عہد کی زبان کی مجبوری تھی۔ علاّمہ محمود الحسن صاحب نے تو امام احمد رضا سے بھی بعد میں ترجمہ تیار کیا مگر جناب علاّمہ یا تو اس نکتے کو سمجھ نہیں پائے یا پھر اس کو درست کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ امام احمد رضا جناب علاّمہ سے پہلے یہ ترجمہ قلم بند کرا چکے تھے:

''تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ ہر چیز کو اُس کا علم محیط ہے''

شاید جناب علاّمہ کے مفسر علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو بھی علاّمہ کی اس کوتاہی کا احساس ہوا اور غالبًا ان کو ترجمہ کنزالایمان سے استفادہ کرنے کا موقع بھی مل گیا اس لیے حاشیے میں انہوں نے یوں لیپا پوتی کی:

''جس کا لامحدود علم ذرّہ ذرّہ کو محیط ہے''

آیت ۹۹: جناب علاّمہ محمود الحسن ترجمہ نگار ہیں:

''اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب''

کتاب تو پڑھنے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ پڑھنے کے سوا اس کا دوسرا مقصد اور ہو بھی کیا سکتا ہے اس لیے ''پڑھنے کی'' زوائد سے ہے بھرتی ہے۔ یہ ترجمہ جناب علاّمہ کا ہی کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے شاید شاہ عبدالقادر صاحب سے استفادہ نہیں کیا۔ اس لیے اور بڑی ٹھوکر کھائی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ہم نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا''

اور امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ تحریر کرایا:

''اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا فرمایا''

زبان کی صفائی اور روانی دونوں چیزیں قابل دید اور قابل داد ہیں۔

آیت ۱۰۸: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

''اور دب جائیں گی آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر کُھس کُھسی آواز''

کھسی کھسی آواز کیا اور کیسی ہوتی ہے فقیر اس سے لاعلم ہے۔ دوسروں سے پوچھا کچھ پتہ نہیں چلا۔ لغات کی ورق

گردانی کی کچھ معلوم نہ ہوا۔شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ دیکھا تو اس میں گھس گھسی آواز لکھا دیکھا۔ایک غیر معتبر لغت (فیروز اللغات) میں ’’گھس گھس کرنا‘‘ کے تحت ’’کانا پھوسی کرنا‘‘ لکھا دیکھا۔

کہاں ہیں لفظ ’’کڑوڑا‘‘ پر اعتراض کرنے والے۔ وہ چند لغات میں موجود تو ہے۔ ’’یہ کھس کھسی آواز‘‘ کس معتبر لغت میں ملے گا۔کوئی ہے سراغ دینے والا؟ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا:

’’اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تُو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز‘‘

آیت ۱۲۶: جناب علّامہ نے بغیر کسی کمی بیشی کے شاہ صاحب کے ترجمے سے اس طرح ترجمہ نقل فرمایا:

’’پھر تو نے اُن کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے‘‘

قاری کو اختیار ہے کہ اس ترجمے کو شاہ صاحب کا سمجھے یا علّامہ کا لیکن یہ خیال ضرور رکھے کہ شاہ صاحب کے زمانے میں زبان کی ایسی نزاکتوں پر غور نہیں کیا جاسکتا تھا۔اس میں نزاکت کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھول چوک اور نسیان وغیرہ سے پاک ہے۔ پھر اس کے بارے میں بُھلا دینے کی بات کرنا یا کہنا بڑی جسارت ہے۔ امام احمد رضا نے یوں فی البدیہہ ترجمہ املا کرایا:

’’تو نے انہیں بھلا دیا اور ایسے ہی آج تیری کوئی خبر نہ لے گا‘‘

سبحان اللہ قدرتِ زبان کا کیا ہی عمدہ نمونہ ہے۔اس کو اس ترجمے کی بیسویں خوبی شمار کیجیے۔اب ضیافتِ طبع کی خاطر ایک نمونہ فعل متعدی المتعدی کا بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱۲۳: جناب علّامہ کا ترجمہ ہے:

’’پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سو نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے (جس کی صحت کے لیے علّامہ نے قلم اُٹھایا تھا) میں لفظ ’’بتلائی‘‘ نہیں تھا۔ان کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا‘‘

جناب علّامہ نے ’’بتائی‘‘ کو ’’بتلائی‘‘ سے بدلنے کے سوا اور کوئی لفظ نہیں بدلا۔گویا ان کی نظر میں ’’بتائی‘‘ غیر فصیح، متروک اور ’’بتلائی‘‘ فصیح تھا۔اس لیے کہ وہ ترجمے کے نام پر متروک اور غیر فصیح الفاظ کو رائج اور فصیح الفاظ میں بدلنے کے لیے ہی مترجم بننے کو آمادہ ہوئے تھے۔کیا کہا جائے ایسی سمجھ ایسی تمیز کو۔عقل حیران ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو''

۲۱۔ سورۂ انبیاء

آیت ۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب ترجمہ ارقام فرماتے ہیں:

''نزدیک آ گیا لوگوں کے اُن کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلا رہے ہیں''

''مصدر ''ٹلانا'' علاّمہ نے پہلے بھی استعمال کیا ہے۔ اس کی نشان دہی کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ اسی سورت میں آیت ۲۴ کے ترجمے میں بھی استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علاّمہ کا پسندیدہ لفظ ہے۔ اگر یہ اُن کو مرغوب نہ ہوتا تو بدل دیتے کیونکہ صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد دہلوی نے اس کو عوام کی زبان قرار دیا ہے اگرچہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی اس کو استعمال کیا تھا۔ مگر اُس عہد کی بات دوسری تھی۔ اس آیت کے ترجمے میں جناب علاّمہ نے دو لفظ بدلے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''نزدیک آ لگا لوگوں کو اُن کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں''

جناب علاّمہ نے ''آ لگا'' کو ''آ گیا'' سے بدلا جب کہ اس میں کوئی برائی نہیں تھی۔ ''ٹلاتے'' کو بھی ''ٹلا رہے'' تو کر دیا لیکن رہا مصدر ''ٹلانا'' سے ہی مشتق۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منھ پھیرے ہیں''

آیت ۴۶: جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ اس طرح ہے:

''اور کہیں پہنچ جائے اُن تک ایک بھاپ تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کمبختی ہماری بے شک ہم تھے گنہگار''

اس حقیر فقیر نے اپنے محدود مطالعے کی بنا پر آج تک ''عذاب کی بھاپ'' کہیں لکھا ہوا نہیں دیکھا نہ کہیں سنا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے ''آفت کی بھاپ'' لکھا تھا اُن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اور کبھی پہنچے اُن کو ایک بھاپ تیرے رب کی آفت کی تو مقرر کہنے لگیں گے اے خرابی ہماری بے شک ہم تھے گنہگار''

ہوسکتا ہے اُن کے عہد میں ''آفت کی بھاپ'' روزمرہ رہا ہو، یا نہ رہا تو کوئی مناسب حال لفظ یا ترکیب نہ ملنے کے سبب انھوں نے یہ ترجمہ کردیا ہو، مگر جب جناب علاّمہ نے ''کبھی'' کو ''کہیں'' سے، ''پہنچے'' کو ''پہنچ جائے'' سے، ''اُن کو'' کو ''اُن تک'' سے، ''آفت'' کو ''عذاب'' سے، ''مقرر'' کو ''ضرور'' سے، ''کہنے لگیں گے'' کو ''کہنے لگیں'' سے اور ''اے خرابی'' کو ''ہائے کمبختی'' سے بدلا تھا تو ''بھاپ'' کو بھی کسی مناسب لفظ سے بدل سکتے تھے۔ حالانکہ جو لفظ بدلے گئے ہیں (وہ اُن کے اعلان کے مطابق) نہ مشکل ہیں نہ متروک۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ علاّمہ کے پاس اردو کے ذخیرۂ الفاظ کا قحط تھا۔ امام احمد رضا نے مومنین کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور اگر انھیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم ظالم تھے''

یہ بلاشبہہ سلیس، رواں اور اردو داں کے روزمرہ کے مطابق ترجمہ ہے۔

آیت ۶۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''بولا نہیں پر یہ کیا ہے اُن کے اِس بڑے نے سو اُن سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب اُس سوال کے جواب میں تھا جس میں اُن کی قوم نے ٹوٹے ہوئے بتوں کو دیکھ کر اُن سے پوچھا تھا کہ کیا یہ تم نے کیا ہے؟

جواب میں پہلے کلمۂ نفی (نہیں) فرمانا اور پھر وثوق سے یہ کہنا کہ اُن کے بڑے نے کیا ہے (جس کو نہیں توڑا گیا تھا اور جس کے کاندھے پر کلہاڑی رکھ دی تھی) صاف طور سے خلاف واقعہ بلکہ صاف کہا جائے تو جھوٹ ہے۔ جب کہ انبیائے کرام کذب جیسی برائیوں سے پاک ہیں۔ یہ اسلوب بیان کی خامی کے باعث ہوا ہے۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی بالکل یہی ترجمہ کیا تھا؛ لیکن اُس وقت زبان کے اسالیب غیر متعین تھے۔ جناب علاّمہ تو اپنے عہد میں علاّمۃ الدہر مانے جاتے تھے پھر انھوں نے کیوں اس ترجمے کو بغیر سوچے سمجھے بغیر کسی تصرف کے جوں کا توں نقل کردیا یہ باعث تشویش ہے۔ بعض ذہنوں میں اس سے کچھ سوال بھی پیدا ہو سکتے ہیں بہر حال امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''فرمایا بلکہ اُن کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو اُن سے پوچھو اگر بولتے ہوں''

''کیا ہے'' اور ''کیا ہوگا'' میں جو فرق ہے وہ اہل زبان سے چھپا نہیں ہے۔ اس ترجمے کی بنا پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی نے جھوٹ بولا۔

آیت ۹۶: جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ قرآن میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے:

''اور وہ ہر اونچان سے پھسلتے چلے آئیں''

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

''اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے آویں''

لفظ ''اونچان'' بہ معنی بلندی شاہ صاحب کے عہد میں رائج رہا ہوگا۔ گنواروں میں اب بھی بولا جاتا ہے؟ لیکن فصحاء نے علاّمہ کے عہد میں ہی ترک کر دیا تھا۔ جب علاّمہ متروکات کو دور کرنے کے ارادے سے شاہ صاحب کے ترجمے کو بقولِ بعض درست اور بقولِ بعض خراب کر رہے تھے اُس وقت انھوں نے اس لفظ کو کیوں نہیں بدلا جب کہ ''آویں'' کو ''چلے آئیں'' سے بدل دیا۔ یہ سوال اہمیت رکھتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا فی البدیہہ ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا تھا:

''اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے''

اس سورت کے ترجمے میں علاّمہ محمود الحسن صاحب نے فعل متعدی المتعدی کے ایسے گل کھلائے ہیں کہ متروکات کی بہار کا سماں پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ قارئین کرام بھی ملاحظہ فرمالیں۔

آیت ۱۸: کے ترجمے میں علاّمہ محمود الحسن صاحب کی فصیح و بلیغ اردو ملاحظہ فرمائیے:

''اور تمہارے لیے خرابی ہے اُن باتوں سے جو تم بتلاتے ہو''

سب کو معلوم ہے کہ جناب علاّمہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل ہے لیکن شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں لفظ ''بتلاتے'' نہیں لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''اور تم کو خرابی ہے اُن باتوں سے جو بتاتے ہو''

''بتاتے'' کو ''بتلاتے'' بنانا جناب علاّمہ کا تصرف بے جا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

''اور تمہاری خرابی ہے اُن باتوں سے جو بناتے ہو''

آیت ۲۲: جناب علاّمہ نے یوں گل فشانی فرمائی:

''سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں''

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

’’سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب اُن باتوں سے جو بناتے ہیں‘‘

اس میں بھی جناب علاّمہ نے بے جا تصرف فرمایا۔امام احمد رضا نے مسلمانوں کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

’’تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو اُن باتوں سے جو یہ بناتے ہیں‘‘

آیت ۳۷: علاّمہ محمودالحسن صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

’’بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہوں تم کو اپنی نشانیاں سو مجھ سے جلدی مت کرو‘‘

اس ترجمے کے مآخذ میں لفظ’’دکھلاتا‘‘ نہیں ہے۔شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا تھا:

’’بنا ہے آدمی شتابی کا اب دکھاتا ہوں تم کو اپنے نمونے سو مجھ سے جلدی مت کرو‘‘

علاّمہ کو’’دکھاتا‘‘ متروک لگا اس لیے انھوں نے اپنی فہم کے مطابق فصیح لفظ سے بدل کر اصلاح فرمادی۔امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا:

’’آدمی جلد باز بنایا گیا اب میں تمھیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا مجھ سے جلدی نہ کرو‘‘

آیت ۷۳: جناب علاّمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

’’اور اُن کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے اور کہلا بھیجا ہم نے اُن کو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ‘‘

شاہ صاحب کے ترجمے میں لفظ’’بتاتے‘‘ جناب علاّمہ کو متروک لگا اس لیے انھوں نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فصیح (بتلاتے) سے بدل دیا۔ایسی فہم داد کے قابل ہے۔امام احمد رضا صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا:

’’اور ہم نے انھیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انھیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی‘‘

آیت ۸۰: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے بین السطور میں یہ ترجمہ رقم فرمایا:

’’اور اُس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں‘‘

خط کشیدہ لفظ (سکھلایا) جناب علاّمہ کا ایجاد بندہ ہے ورنہ شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ کیا تھا:

’’اور اُس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی سے‘‘

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

''اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے''

۲۲۔ سورۃ الحج

آیت ۵: علاّمہ محمود الحسن ترجمہ نگار ہیں:

''پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کرلیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمّی عمر تک تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی پھر جہاں ہم نے اُتارا اُس پر پانی تازی ہوگئی اور اُبھری اور اُگائیں ہر قسم قسم کی رونق کی چیزیں''

اس ترجمے میں بڑی غلطی لفظ ''تازی'' کا استعمال ہے، جس کو جناب علاّمہ نے تازہ کے معنی میں لکھا ہے جب کہ ''تازی'' ''عربی'' کو کہتے ہیں بھلا اس کا یہاں کیا موقع؟

دوسری غلطی ترجمے کے آخری فقرے میں ''ہر قسم قسم'' ہے۔ یہ بھرتی سے بوجھل ہے۔ خواہ ''ہر قسم'' لکھ دیتے خواہ ''قسم قسم'' لکھ دیتے مطلب یہی ہوتا جو اس وقت حاصل ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ فقرہ زوائد سے گراں بار ہونے کے سبب کانوں کو بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس میں ایک لفظ ''ہر'' یا ''قسم'' زائد ہے۔

ایسی غلطیاں شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی بے سوچے سمجھے نقل مارنے کے سبب ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ جناب علاّمہ نے یہ بھی نہیں سوچا کہ شاہ صاحب کا ترجمہ اردو زبان کے تشکیلی دور کی کوشش تھی۔ اس کی تجدید کوئی ایسا شخص ہی کرسکتا تھا جو عربی اور اردو دونوں پر حاکمانہ قدرت رکھتا ہو۔ اب تک کے جائزے سے علاّمہ تو اس کے اہل نہیں قرار دیے جاسکے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا:

''پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اُتارا تروتازہ ہوئی اور اُبھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی''

نوٹ: ترجمہ کنزالایمان میں جو لفظ ''جوڑا'' آیا ہے وہ عربی لفظ ''زوج'' کا ترجمہ ہے جو قرآن کے متن میں موجود ہے۔ جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس لیے کہ شاہ صاحب نے بھی چھوڑ دیا

تھا۔معلوم ہوتا ہے جناب علاّمہ محض لکیر کے فقیر تھے۔

آیت ۸۔۹: حضرت علاّمہ نے ان دو آیتوں کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا:

''اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے اپنی کروٹ موڑ کرتا کہ بہکائے اللہ کی راہ سے اُس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن جلن کی مار''

اس ترجمے میں دو فقرے قابل غور ہیں ''کروٹ موڑ کر'' اور ''جلن کی مار'' یہ اردو نثر کے ابتدائی دور میں رائج رہے ہوں گے اس لیے شاہ صاحب کے ترجمے میں شامل ہو گئے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس وقت بھی رائج نہ رہے ہوں اور شاہ صاحب نے ادائے مطلب کے لیے خود بنا کر ترجمے میں لکھ دیے ہوں؛ لیکن لکیر کا فقیر ہونے کی عادت اگر کسی شخص میں ہو تو وہ لاکھ چھپانے پر بھی چھپتی نہیں اور اس کا ثبوت یہ ترجمہ ہے۔ جناب علاّمہ نے ان دونوں آیتوں کے ترجمے میں خوب لفظ بدلے لیکن یہ دونوں فقرے ایسے ہی رہنے دیے جیسے شاہ صاحب نے لکھے تھے۔ اور جو بدلے وہ مشکل نہ تھے اور نہ ہی متروک تھے سوائے ''کتاب چمکتی'' کے۔کہ اس کو جناب علاّمہ نے جدید زبان کے مطابق روشن کتاب کر دیا؛ لیکن جو فقرے روزمرہ کے مطابق نہ تھے اور چلن سے باہر تھے ان کو چھوا تک نہیں۔امام احمد رضا نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے''

آیت ۲۳: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا:

''جب چاہیں کہ نکل پڑیں دوزخ سے گُھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے جائیں اُس کے اندر''

اور شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''جس بار چاہا کہ نکل پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیے اندر''

شاہ صاحب نے ''گُھٹنے کے مارے'' ہی لکھا تھا چونکہ گُھٹنے سے ٹانگ کا جوڑ بھی مراد ہوتا ہے اور پہلوان کشتی میں اس سے وار بھی کرتا ہیں۔اس لیے کسی کو اس کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔لیکن جناب علاّمہ نے بعض

دیگر الفاظ تو بدلے ''گھٹنے'' کو نہیں بدلا۔ اگر اس کو بھی بدل دیتے تو عبارت نقص سے پاک ہو جاتی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''جب گھٹن کے سبب اس میں سے نکلنا چاہیں گے پھر اس میں لوٹا دیے جائیں گے''

آیت ۲۶: جناب علاّمہ کا ترجمہ یوں ہے:

''اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع وسجدہ والوں کے''

عبارت صاف طور سے نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد ''واسطے'' یا ''لیے'' اور ہونا چاہیے تھا؛ مگر چونکہ عبدالقادر صاحب نے بھی فقرے کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا اس لیے جناب علاّمہ نے بھی لکیر کو پیٹا۔ ایک لفظ بھی نہیں بدلا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا:

''اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے''

آیت ۲۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے''

جناب علاّمہ نے چند الفاظ بدلے جن میں ''پاؤں چلتے'' کو بدل کر ''پیروں چل کر'' کر دیا جب کہ ''پاؤں چلنا'' یا ''پیدل چلنا'' پیروں چلنا کے مقابلے زیادہ صحیح اور فصیح ہے۔ علاّمہ نے اس لفظ کو بدلا جو نہیں بدلنا چاہیے تھا؛ مگر اس فقرے کو ویسے ہی رہنے دیا جس کا بدلنا ضروری تھا، ''یعنی راہوں دور سے'' کو۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ تحریر کرایا:

''اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ ہر دُور کی راہ سے آتی ہیں''

آیت ۳۲: جناب علاّمہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے''

جناب علاّمہ نے معمولی سا تصرف کیا مگر "اللہ کے نام لگی چیزوں" کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس فقرے کو یوں ہی رہنے دیا۔ جب کہ اس کا بدلنا ضروری تھا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

"جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دِلوں کی پرہیزگاری سے ہے"

آیت ۷۲: علاّمہ محمودالحسن صاحب ترجمہ طراز ہیں:

"اور جب سنائے اُن کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منھ کی بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُن کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ایک چیز اِس سے بدتر وہ آگ ہے"

"منھ کی بُری شکل" اور "حملہ کر پڑیں" قابلِ غور ہیں بلکہ تفہیم کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ روزمرہ کے مطابق بھی نہیں ہیں جب کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں یہ فقرے نہیں تھے۔ علاّمہ نے اصلاح وتجدید کے نام پر شاہ صاحب کے ترجمے کی مٹی پلید کردی، قارئین خود ملاحظہ فرمالیں۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جب سنایئے ان کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منھ پر بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس سے بُری وہ آگ ہے"

قارئین کرام! یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ علاّمہ نے شاہ صاحب کے لکھے "بتاؤں" کو "بتلاؤں" سے بدل دیا ہے۔ شاید سیدھا سادہ اور فصیح لفظ ان کو پچتا ہی نہیں۔ امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ پڑھ کر دونوں ترجموں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایئے:

"اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو تم ان کے چہروں پر بگڑنے کے آثار دیکھو گے جنہوں نے کفر کیا قریب ہے کہ لپٹ پڑیں اُن کو جو ہماری آیتیں اُن پر پڑھتے ہیں تم فرمادو کیا میں تمہیں بتادوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے وہ آگ ہے"

آیت ۷۸: جناب علاّمہ کا ترجمہ فرمایا تھا:

"مضبوط پکڑ و اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے"

شاہ صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

"گہہ پکڑ و اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے"

جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو کچھ ترقی دینے کی کوشش تو کی لیکن اس بات کا خیال نہیں کیا

کہ ''اللہ کو پکڑو'' جملے سے اللہ تعالیٰ کی تجسیم کا شبہہ ہوتا ہے کیونکہ کسی جسم کو ہی پکڑا جا سکتا ہے۔ کنزالایمان میں اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اللہ کی رسی مضبوط تھام لو''

۲۳۔ سورۂ مؤمنون

آیت ۲۰: جناب علاّمہ محمود الحسن نے ترجمہ ارقام فرمایا:

''اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے''

اگر کسی کی سمجھ میں یہ ترجمہ نہ آئے اور وہ سوال کرے کہ کیا لے اُگتا ہے؟ تو جواب ہوگا۔ ''تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے''

ظاہر ہے اس جواب سے کسی سائل کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

''اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو''

جناب علاّمہ نے ایسی کوئی تبدیلی نہیں کی جس سے مفہوم میں سہولت ہوتی۔ صرف ترجمے پر قبضہ جمانے کی غرض سے لفظ ''کو'' کو ''کے واسطے'' سے بدل دیا۔ واضح رہے کہ اس سے مفہوم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ اس بدلے ہوئے ترجمے کے مقابلے میں کسی طرح کم نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اُگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن''

آیت ۲۸: علاّمہ محمود الحسن کا ترجمہ اس طرح ہے:

''پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھی ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے''

''اور جو تیرے ساتھی ہے'' نہایت بھدّا بلکہ غلط فقرہ ہے۔ ہونا چاہیے تھا ''اور جو تیرے ساتھ ہیں یا تیرے ساتھی ہیں'' جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تجدید کے نام پر یہ تصرف بے جا کیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھوڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے''

اس ترجمے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ایک لفظ ''چھوڑایا'' ضرور دیکھنے میں اجنبی سا لگتا ہے، لیکن وہ متروک

نہیں، مرورِایّام کے سبب اُس کا املا بدل گیا ہے۔ تجدید کے نام پر جناب علاّمہ نے اس ترجمے کی جیسی دُرگت کی ہے قارئین کرام دیکھ رہے ہیں۔ امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ اس طرح ہے:

''پھر جب ٹھیک بیٹھے کشتی پر تو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی''

آیت ۲۹: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جزٔ کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اُتارنا''

اس ترجمے میں جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ایک لفظ ''اوتارنا'' کے املا میں ترمیم فرمائی ہے باقی ترجمہ شاہ صاحب کا ہی ہے۔ جناب علاّمہ نے قارئین کی سہولت کے لیے مفہوم واضح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''اور عرض کر کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اُتار''

آیت ۴۷: جناب علاّمہ نے ترجمہ عنایت فرمایا:

''سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو اور اُن کی قوم ہمارے تابع دار ہیں''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''سو بولے کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو ہماری برابر کے اور اُن کی قوم کرتے ہماری بندگی''

ان دونوں ترجموں میں غلطی یہ ہے کہ ''قوم'' کو جمع مذکر کے بطور استعمال کیا ہے جبکہ یہ لفظ واحد مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں تو زبان خام حالت میں تھی، لیکن جناب علاّمہ نے امام احمد رضا کے ہم عصر ہوتے ہوئے بھی اس کی تصحیح نہیں کی جبکہ ترجمے کو اچھوتا بھی نہیں رہنے دیا، اُس میں اُلٹ پلٹ سے کام لیا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر اور اُن کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے''

آیت ۵۰: علاّمہ صاحب نے بین السطور میں اس طرح ترجمہ درج فرمایا:

''اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں کو ایک نشانی اور اُن کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا۔''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا اور اس کی ماں ایک نشانی اور اُن کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا''

جناب علّامہ نے شاہ صاحب کے ترجمہ میں غیر ضروری تبدیلیاں تو کیں، لیکن ''مریم کا بیٹا اور اُس کی ماں'' کو جو عربی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے، یوں ہی رہنے دیا۔ یہ فقرہ اردو میں مضحکہ خیز صورت پیدا کر رہا ہے کیونکہ کوئی شخص اس کا مفہوم یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ ''مریم کا بیٹا اور مریم کی ماں کو نشانی بنایا''۔ **العیاذ باللہ تعالیٰ**۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر جناب مریم کی وساطت سے ہی کیا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ''مریم کے بیٹے کی ماں'' کہنا کہاں کی اردو دانی ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''اور ہم نے مریم اور اُس کے بیٹے کو نشانی کیا اور انھیں ٹھکانہ دیا ایک بلند زمین جہاں بسنے کا مقام اور نگاہ کے سامنے بہتا پانی''

یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے۔ قرآن کریم کے سعودی ایڈیشن کے متن کے جدول میں جگہ جگہ بین السطور میں درج الفاظ کی کچھ بہتر شکلیں لکھی گئی ہیں اور یہ بہت جگہ ہوا ہے۔ شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ کام کب اور کس نے کیا۔ البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کنزالایمان سے جہاں تہاں استفادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ جدول میں ''ٹیلے'' کا مرادف ''اونچی زمین'' اور ''نتھرا'' کا مرادف ''جاری'' لکھا گیا ہے اس اندازے کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ لفظ ''جاری''، ''نتھرا'' کا مرادف نہیں ہے۔ اس کو کسی دیگر ترجمے سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔

آیت ۶۶: جناب علّامہ کا ترجمہ یہ ہے:

''تم کو سنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے''

''آیتیں'' جمع اور امدادی فعل ''تھی'' واحد۔ اس کو کہتے آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

''تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اولٹے بھاگتے تھے''

شاہ صاحب نے زبان کی تشکیلی دور میں ایک بے داغ ترجمہ عنایت فرمایا اور اُس کے برعکس زبان کے تکمیلی دور میں جناب علّامہ نے شاہ صاحب کے پُختہ ترجمے کو خام کر دیا۔ ہے نا کمال کی بات۔ امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا:

”بے شک میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پلٹتے تھے“

آیت ۱۰۲: جناب علاّمہ ترجمہ نگار ہیں:

”سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے“

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

”سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں وہی لوگ کام کے نکلے“

”جس کی“ کی بجائے ”جن کی“ ہوتا تو ترجمہ صاف ہوتا۔ موجودہ حالت میں تو قواعد زبان کے لحاظ سے غلط ہے۔ امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو اس طرح ترجمہ لکھایا:

”تو جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی مراد کو پہنچے“

آیت ۱۱۶: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا:

”سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں اُس کے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا“

شاہ صاحب کے ترجمے میں بھی تقریباً یہی فرق اتنا ہے کہ انھوں نے ”سوا“ لکھا تھا جس کو جناب علاّمہ نے ”سوائے“ سے بدل دیا ہے۔ اور شاہ صاحب کے ترجمے ”خاصے تخت“ کو ”عزت کے تخت“ سے بدل کر ترجمے پر قبضہ جما لیا۔

اس ترجمے میں اللہ تعالیٰ کو ”بہت اوپر“ لکھنا زبان پر عبور نہ ہونے کی دلیل ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا تھا تو وہ مجبور تھے۔ شاید اُن کے عہد میں اللہ رب العزت کی رفعت و شان اور عظمت کے بیان کے لیے کوئی دوسرا پیرایہ نہ رہا ہو۔ مگر جناب علاّمہ تو امام احمد رضا کے ہم عصر تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان و جہت تجسیم سے پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ زبان کی نزاکتوں کو سمجھتے ہی نہیں تھے۔

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ املا کرایا:

”تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ کوئی معبود نہیں سوا اُس کے عزت والے عرش کا مالک“

اب جناب علاّمہ کے ترجمے سے دو نمونے فعل متعدی المتعدی کے استعمال کے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۹۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں گل افشانی فرماتے ہیں:

”جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اُس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں“

اس ترجمے کا مآخذ (شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ) یہ ہے:

"جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جو یہ شریک بتاتے ہیں"

شاہ صاحب نے "بتاتے" لکھا تھا۔ جناب علّامہ نے لسانی اجتہاد فرمایا اور "بتلاتے" سے بدل کر فصاحت کا گلا گھونٹ دیا۔ گویا اُن کے نزدیک "بتاتے" غیر فصیح تھا اور "بتلاتے" فصیح۔ داد کے قابل ہے علّامہ کی یہ زبان دانی۔ امام احمد رضا کا فی البدیہہ لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

"جاننے والا ہر نہاں و عیاں کا تو اُسے بلندی ہے اُن کے شرک سے"

آیت ۹۵: جناب علّامہ نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا:

"اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو اُن سے وعدہ کر دیا ہے"

شاہ صاحب نے اپنے ترجمے (جس کا ترجمہ کرنے کے جناب علّامہ مدعی ہیں) "دکھلا دیں" نہیں لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو اُن کے وعدہ دیتے ہیں"

مگر شاید جناب علّامہ کو فعل متعدی المتعدی لانے کا بیماری کی حد تک شوق تھا۔ جہاں اُن کو موقع ملتا وہ چوکتے نہیں تھے۔ شاید وہ اسی کو فصاحت کی معراج سمجھتے تھے۔ بہر حال امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

"اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں"

۲۴۔ سورۂ نور

آیت ۱: علّامہ محمود الحسن صاحب اس آیت مبارکہ کے ایک حصے کا ترجمہ یوں رقم فرماتے ہیں:

"یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اُتاریں اُس میں باتیں صاف"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یوں ہے:

"ایک سورت ہے ہم نے اوتاری اور ذمے پر لازم کی اور اوتاریں اُس میں باتیں صاف"

"ذمے پر لازم کی" اردو روز مرّہ نہیں ہے۔ اگرچہ اپنے عہد کی مجبوری کے باعث شاہ صاحب نے بھی یہی لکھا تھا۔ مگر جناب علّامہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ لکیر کے فقیر نہیں ہیں دو لفظ تو بڑھا دیے مگر مذکورہ بالا فقرے کی تجدید کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید یہ کام اُن کے بوتے سے باہر کا رہا ہو۔ امام احمد رضا خاں نے اس جز کا

ترجمہ اس طرح لکھایا:

''یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے''

آیت ۱۳: اس آیت کا ترجمہ علاّمہ محمودالحسن صاحب نے اس طرح ارقام فرمایا:

''کیوں نہ لائے وہ اِس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ انھوں نے ''اللہ کے ہاں'' لکھا تھا۔ جس کو جناب علاّمہ نے بدل کر ''اللہ کے یہاں'' کر دیا۔ مگر عبارت میں جو نقص پیدا ہو گیا تھا اُس کو ٹھیک کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ خط کشیدہ فقرے میں ''وہ لوگ'' بھی ہے اور ''وہی'' بھی، س سے عبارت میں زوائد کا نقص پیدا ہو گیا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں''

آیت ۲۳: اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ جناب علاّمہ نے یوں تحریر یا نقل فرمایا:

''جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اُن کے لیے ہے بڑا عذاب''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ (جس کا ترجمہ علاّمہ نے فرمایا) اس طرح ہے:

''جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اُن کو بڑی مار ہے''

دونوں ترجموں میں لفظ ''بے خبر'' محل کے مطابق نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اور علاّمہ صاحب کے سامنے نقل مارنے یا فہم و فراست کی کمی کی۔ اس لیے ایک کمی جو پہلے تھی باقی رہ گئی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا ایمان والیوں کو اُن پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے''

آیت ۶۲: کے ایک جز کا جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اُس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ شاہ صاحب کا ہی ترجمہ ہے جس میں ’’پروانگی نہ لےلیں‘‘ تھا۔ جناب علاّمہ نے اس کو بدل کر ’’اجازت نہ لےلیں‘‘ کردیا اور ترجمہ اُن کا ہوگیا۔ اس ترجمے میں ’’کسی جمع ہونے کے کام میں‘‘ واضح اور صاف ترجمہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی اپنی مجبوری تھی اور علاّمہ کی اپنی۔ (دونوں کی مجبوریوں کا ذکر اوپر ہوچکا) امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

’’ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک کہ اُن سے اجازت نہ لےلیں‘‘

اس سورت میں بھی کم از کم چار جگہ جناب علاّمہ نے فعل متعدی المتعدی کا استعمال کیا ہے اس کا بار بار بہت ذکر ہوچکا ہے اور جناب علاّمہ کی زبان دانی کی یہ خوبی خوب واضح ہوگئی۔ بار بار علاّمہ کے اس شوق کا ذکر کرنا طوالت کا باعث بنتا جارہا ہے۔ اس لیے اب اس کو نظر انداز کردینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۲۵۔ سورۂ فرقان

آیت ۱۴: جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جیسا بھی تھا من وعن اُٹھا کر اپنے نسخے میں رکھ لیا۔ ترجمہ یہ ہے:

’’مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو‘‘

جب شاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا اردو زبان مفہوم کو ادا کرنے پر قادر نہیں تھی۔ لہٰذا اس ترجمے میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت تھی۔ مگر علاّمہ نے اس کی زحمت نہیں فرمائی۔ ممکن ہے یہ اُن کے بس سے باہر ہو۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

’’فرمایا جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو‘‘

آیت ۱۸: جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی مرمت اس طرح کی:

’’بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑلیں کسی کو تیرے بغیر رفیق‘‘

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’بولیں گے تو پاک ہے ہم کو بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر کوئی رفیق‘‘

جناب علاّمہ نے دولفظ بدلے، ایک کم کیا اور ایک کا اضافہ کرکے اپنی دانست میں ترجمہ نگاری کا حق ادا کردیا۔ مگر ''رفیق پکڑنا'' ایسے ہی رہنے دیا، جس کا بدلا جانا ضروری تھا۔ کیونکہ جناب علاّمہ محمودالحسن کے عہد میں اس زبان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا:

''وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو ہمیں سزاوار نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائیں''

آیت ۳۰: جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ من وعن نقل کرکے اپنا بنالیا۔ ترجمہ یہ ہے:

''اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک''

افسوس کی بات ہے کہ جناب علاّمہ، شاہ صاحب کے لکھے ہوئے لفظ ''جھک جھک'' کو بھی نہیں بدل سکے۔ جب کہ انھوں نے چلن سے باہر الفاظ کو بدلنے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اسی وجہ سے مترجم مشہور ہوئے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا''

آیت ۴۲: جناب علاّمہ محمودالحسن نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ جمے رہتے اُن پر اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے''

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

''یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے ٹھاکروں سے کبھی ہم نہ ثابت رہتے اُن پر اور آگے جانیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کون بہت بچلا ہے راہ سے''

ایسا نہیں ہے کہ جناب علاّمہ نے ترجمے میں بالکل تصرف نہ کیا ہو۔ تصرف کیا لیکن ''بچلانے'' کو ایسے ہی رہنے دیا۔ ہندوؤں کا یہ لفظ بلاشبہہ جناب علاّمہ کو مرغوب تھا۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے بہکا دیں اگر ہم اُن پر صبر نہ کرتے اور اب جاننا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا''

آیت ۶۲: جناب علاّمہ محمودالحسن نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرف کرکے یوں ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے''

یہاں تابع مہمل "سدلتے" توجہ چاہتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔شاہ صاحب کے ترجمے میں تو یہ لفظ ہے نہیں۔ان کا ترجمہ یوں ہے:

"اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے"

شاید یہ لفظ (سدلتے) علّامہ کے مفسر علّامہ شبیر احمد عثمانی کو بھی کھٹکا اس لیے انھوں نے اس کی یوں لیپا پوتی کی:

"گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا۔یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا............"

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ قلم بند کرایا:

"اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی"

آیت ۷۲: جناب علّامہ نے ایک حصۂ آیت کا ترجمہ یوں درج فرمایا:

"اور جب گذرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جاویں بزرگی رکھ کر"

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

"اور جب بے ہودہ پر گذرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں"

۲۶۔ سورۂ شعراء

آیت ۳: علّامہ محمود الحسن اور شاہ عبدالقادر دونوں کا ترجمہ یہ ہے:

"شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے"

"جان گھونٹ مارنا" شاہ صاحب کے عہد کا روزمرہ ہوسکتا ہے علّامہ کے عہد کا نہیں مگر علّامہ نے اس کو اپنے عہد کے مطابق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ممکن ہے اس پر قادر ہی نہ رہے ہوں۔دوسری بات لفظ "شاید" کا استعمال ہے جو ہمیشہ معلومات کی کمی کا مظہر ہوتا ہے۔یا شک کی حالت میں بولا جاتا ہے۔شک بھی عدم معلومات کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس لیے "شاید" کا استعمال اللہ رب العزت سے بعید ہے۔اس لیے کہ اُس سے کچھ بھی چھپا نہیں ہے۔امام احمد رضا نے یہ یوں ترجمہ املا کرایا:

"کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے"

آیت ۱۳: اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح تحریر فرمایا تھا:

''اور رُک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو''

جناب علاّمہ نے ''نہیں چلتی'' کو ''نہیں چلتی ہے'' سے بدلنے کے سوا کچھ نہیں کیا اور ایک لفظ ''ہے'' کے اضافے سے ترجمے پر قبضہ جمالیا۔ ترجمے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا:

''اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تُو ہارون کو بھی رسول کر''

آیت ۱۶: جناب علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا''

شاہ صاحب کا اردو زبان کے تشکیلی عہد میں کیا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''سو جاؤ فرعون پاس اور کہو ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا''

پہلا فقرہ ہی ایک عام قاری کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ ''فرعون کے پاس سو جاؤ'' (یعنی استراحت کرو، نیند لے لو)۔ یہ اچھا اسلوب بیان نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا فوری طور پر حضرت صدر الشریعہ کو یہ ترجمہ املا کرایا:

''تو فرعون کے پاس جاؤ پھر اُس سے کہو ہم دونوں اُس کے رسول ہیں جو رب ہے سارے جہان کا''

آیت ۵۹: اس آیت کا ترجمہ جناب علاّمہ نے یوں عنایت فرمایا:

''اِسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے''

''ہاتھ لگنا'' یا ''ہاتھ آنا'' تو بولا جاتا ہے۔ مگر اس فعل کی متعدی شکل کسی فصیح نے نہیں لکھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو کے ابتدائی دور میں اس کا یہ ترجمہ کیا تھا:

''اس طرح اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو''

جناب علاّمہ نے ہاتھ پیر تو مارے مگر اصل غلطی کو دور نہ کر سکے یا اُس کے اہل نہ تھے۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلم بند کرایا:

''ہم نے ایسا ہی کیا اور اُن کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو''

آیت ۸۶: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

”اورمعاف کرمیرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں“

اورشاہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا:

”اورمعاف کرمیرے باپ کو وہ تھا راہ بھولوں میں“

جناب علّامہ نے بغیر کسی غور وفکر کے شاہ صاحب کا ترجمہ ہی نقل کر دیا (خدا جانے وہ خود ترجمہ کرنے کے اہل تھے یا نہیں) اور یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ کیا نقل کر رہے ہیں۔ جناب علّامہ کے اس ترجمے سے اور کوئی تو کیا متفق ہوتا اُن کے عزیز شاگرد اور اُن کے نام نہاد ترجمے کے مفسر جناب شبیر احمد عثمانی کو بھی اتفاق نہیں تھا۔ تفسیری حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

”ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا باپ کی موت کے بعد کی مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی ہے کہ جب اُس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہوگیا تو برأت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ و عدھا ایاہ ج فلما تبین لہ انہ عدو للّٰہ تبرا منہ ط (سورۂ توبہ رکوع ۱۴)

اور اگر انہ کان من الضالین میں کان کا ترجمہ ”تھا“ کے بجائے ”ہے“ سے کیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔“

(قرآن حکیم صفحہ ۴۹۴ شائع کردہ شاہ فہد کمپلکس مدینہ منورہ ۱۴۱۳ھ)

اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا حضرت صدر الشریعہ کو بول کر لکھایا ہوا نفیس ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

”اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہ ہے۔“

اس تفسیری حاشیے میں کنز الایمان سے استفادہ صاف ظاہر ہے۔

آیت ۱۴۶: جناب علّامہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا:

”کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے“

اور اُن سے پہلے شاہ عبدالقادر صاحب یہ ترجمہ فرما چکے تھے:

”کیا چھوڑ دیں گے یہاں کی چیزوں میں نڈر“

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ علّامہ کے ترجمے سے بہتر ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

”کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیے جاؤ گے“

تینوں ترجموں کا فرق واضح ہے۔ کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

۲۷۔ سورۂ نمل

آیت ۳۹: جناب علاّمہ کا کیا ہوا طویل آیت کے ایک حصے کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''بولا ایک دیوجنوں میں سے لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو............''

جناب علاّمہ کے مستعملہ لفظ ''دیو'' پر غور فرمایئے۔ ''دیو'' ہندی کا لفظ ہے اور اس کے معنی یا تو دیوتا کے ہیں یا ایسی مخلوق کے جس کا وجود ہی اسلامی عقائد کے مطابق محض وہم ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس موقع پر جو لفظ لکھا ہے وہ میر صلاح الدین حسام الدین، ترکمان دروازہ دہلی کی شائع کردہ قرآن میں ''رکش'' چھپا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ لیتھو کی چھپائی میں کچھ کا کچھ ہوگیا ہو اور اصل میں ''راکشش'' ہو، جس کے معنی ''ظالم'' اور ''بددین'' ہیں۔ شاہ صاحب بھی مجبوراً یہ لفظ لائے ہوں گے۔ اگر جناب علاّمہ کو اردو زبان پر عبور حاصل ہوتا تو اُن کے سامنے ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی یا پھر انھوں نے وطن مالوف کے نام کے ایک حصے کو ترجمۂ قرآن کا جز بنانے کے لیے ایسا کیا۔ جو بھی وجہ رہی ہو یہ لفظ کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کرّوڑا'' پر اعتراض کرنے والے ایسے لفظ کو کیوں خوش دلی کے ساتھ ہضم کر جاتے ہیں۔ جواب یہی ہوگا کہ اپنے شیخ کی عقیدت میں وہ ایسا کرنے کے لیے مجبور ہیں۔ امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا............''

آیت ۵۶: جناب علاّمہ کا تحریر کردہ آیت کے ایک حصے کا ترجمہ یہ ہے:

''نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے''

یہی ترجمہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔ جناب علاّمہ نے اس میں کوئی جا یا بے جا تصرف نہیں کیا۔ اگر ''گھر کی جگہ'' ''گھر والوں'' یا ''اہل وعیال'' لے آتے تو یہ تصرف جائز ہوتا۔ مگر نہ جانے کیوں انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بعض لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ وہ ایسے تصّرف کے اہل ہی نہیں تھے۔ اب غور فرمایئے کہ کسی شہر سے گھر کو نکال دینا حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں کس طرح ممکن تھا؟ عہد جدید میں تو ایسی مشینیں بن گئی ہیں جو کسی مکان کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جاسکتی ہیں۔ لیکن حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں تو ایک دیوار کو بھی دوسری جگہ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ یوں املا کرایا:

''لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو ستھراپن چاہتے ہیں''

آیت ۸۷: اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح کیا تھا:

''اور جس دن پھونکا جائے گا نرسنگھا تو گھبرا جاوے جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں''

قطع نظر اس کے کہ شاہ صاحب کے اس ترجمے میں زبان و بیان کی اور بھی خامیاں ہیں۔ ایک لفظ ''نرسنگھا''، ایسا بھی ہے جو اب بالکل مستعمل نہیں ہے اور بہت سے تو اس کے معنی بھی نہیں جانتے ہوں گے۔ جناب علاّمہ نے اس کو ''صور'' سے بدل دیا، یہ انھوں نے بہت اچھا کیا۔ اس حصے کا ترجمہ جناب علاّمہ نے اس طرح تحریر فرمایا:

''اور جس دن پھونکی جائے گی صور تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں''

جناب علاّمہ نے جیسے تیسے ایک لفظ کی تسہیل کی تھی یا اپنے وعدے کے مطابق متروک کی جگہ رائج لفظ لکھا تھا۔ مگر ساتھ میں یہ غضب بھی کر گئے کہ مذکر کو مونث بنا دیا۔ ''صور پھونکی جائے گی'' اردو میں کہیں نہیں بولا جاتا۔ گویا ایک لفظ بدلا تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ علاّمہ کی زبان دانی کی یہ حالت تھی اور اردو میں مترجم بننا چاہتے تھے، بلکہ بن بھی گئے۔ پس پردہ کیا ہے، یہ تو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ زیادہ تر اُن کو مستقل اور بہترین مترجم ہی سمجھتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا:

''اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں''

۲۸۔ سورۂ قصص

آیت ۴: جناب علاّمہ نے ترجمہ فرمایا:

''فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں''

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ فرمایا تھا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا''

آیت ۱۵: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا:

''پھر مُکّا مارا اُس کو موسیٰ نے پھر اُس کو تمام کر دیا''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔ اس ترجمے کی زبان میں خامی یہ ہے کہ ''اُس کو تمام کر دیا'' فقرہ نا مکمل ہے اس سے کوئی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُکّا مارا تھا، وہ مر گیا۔

مرنے کے لیے "تمام کردینا" روزمرّہ نہیں ہے "کام تمام کردینا" البتہ صحیح ہے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا:

"تو موسیٰ نے اُس کے گھونسا مارا تو اُس کا کام تمام کردیا"

آیت ۲۱: اس آیت کا ترجمہ جناب علاّمہ نے یوں فرمایا:

"پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچالے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے"

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

"پھر نکلا وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا بولا اے رب خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے"

شاہ صاحب نے ترجمے میں ایک فقرہ "راہ دیکھتا" داخل کیا تھا، جو ضروری تو تھا مگر اس موقع پر لفظیات کے لحاظ سے درست نہیں تھا۔اس لیے یہ بھرتی کا کلمہ معلوم ہوتا ہے۔شاہ صاحب نے اپنے عہد کی اردو کے مطابق اس کو داخلِ ترجمہ کیا تھا۔مگر جناب علاّمہ نے اُس کو ویسے ہی نقل کردیا۔کسی ترمیم کی ضرورت نہیں سمجھی یا وہ کرہی نہیں سکتے تھے۔امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح ڈکٹیٹ کرایا:

"تو اُس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی اے میرے رب مجھے ستم گاروں سے بچالے"

آیت ۲۳: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ یوں درج فرمایا:

"اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا"

مزے کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بھی بالکل یہی ترجمہ فرمایا تھا "بوڑھا اور بڑی عمر کا" میں ایک بات زائد ہے بوڑھا بڑی عمر والے کو ہی کہتے ہیں اور ہر بڑی عمر والا بوڑھا ہوتا ہے۔شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی مگر افسوس کہ جناب علاّمہ کی سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آئی۔امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا:

"اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں"

آیت ۳۲: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا:

"اور ملالے اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے"

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ کیا تھا:

’’اور ملا اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے‘‘

دونوں ہی ترجمے ایسے ہیں کہ ان کا مفہوم سمجھنا دشوار ہے۔ ایک بار نہیں سو بار پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ غور و فکر سے کام لیجیے مگر کچھ پلّے نہیں پڑے گا۔ آخر کیا فائدہ ہے ایسے ترجمے سے جو سمجھ میں نہ آئے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اس لیے بدلے ہوئے زمانے میں اس کے ایک جدید ترجمے کی ضرورت تھی۔ اور اس کی ذمہ داری علّامہ محمود الحسن صاحب نے اپنے سر لی تھی۔ مگر شاید وہ بھی شاہ صاحب کے ترجمے کو نہیں سمجھ سکے۔ اس لیے معمولی سی تبدیلی کر کے یوں ہی رہنے دیا۔ وعدے کے مطابق تسہیل بھی نہ کر سکے۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب وادیِ ایمن میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار حکمِ الٰہی پر عصا ڈالا اور وہ سانپ بن گیا تو آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ایک جز میں خوف کو دور کرنے کی تدبیر بتائی تھی۔ جو درج بالا دونوں ترجموں سے بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ امام احمد رضا نے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

’’اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے خوف دور کرنے کو‘‘

آیت ۳۴: جناب علّامہ کا اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح ہے:

’’اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے‘‘

اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج ساتھ میرے مدد کو کہ مجھ کو سچا کرے‘‘

اب امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

’’اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اُسے میری مدد کے لیے رسول بنا کہ میری تصدیق کرے‘‘

(معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔)

ترجمے کی زبان کی صفائی اور حقائق کا اظہار قابلِ داد ہے۔

آیت ۳۸: اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ جناب علّامہ نے یوں درج فرمایا:

''سوآگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو اور پھر بنا میرے واسطے ایک محل''

اور شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''سوآگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا:

''تو اے ہامان میرے لیے گارا پکا کر ایک محل بنا''

۲۹۔ سورۂ عنکبوت

آیت ۱۹: جناب علاّمہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں:

''کیا دیکھتے نہیں کیوں کر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اُس کو دوہرائے گا یہ اللہ پر آسان ہے''

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے فرق اتنا ہے کہ انھوں نے ''دوہراوے گا'' لکھا تھا جس کو علاّمہ نے ''دوہرائے گا'' کر دیا۔ یعنی ''واؤ'' کو ''ہمزہ'' سے بدل دیا۔ ترجمہ پڑھنے پر بادی النظر میں یہی تاثر ملتا ہے کہ انسان کی ولادت کے عمل کا بیان ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے مگر ایسا ہے نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں کوئی تبدیلی کی ہی نہ ہو۔ انھوں نے ''دوہراوے'' گا کو ''دوہرائے گا'' تو کر دیا لیکن جو بات قاری کے لیے مشکل ہے اُس کی تسہیل کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''اور کیا انھوں نے نہ دیکھا اللہ کیوں کر خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اُسے دوبارہ بنائے گا۔ بے شک یہ اللہ کو آسان ہے''

آیت ۲۵: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا:

''اور ابراہیم بولا جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تھان سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی میں پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار''

اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ارقام فرمایا تھا:

''اور بولا جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوا بتوں کے تھان سو دوستی کر کے آپس میں دنیا کی زندگی میں پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور پھٹکارو گے ایک کو ایک اور ٹھکانہ تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار''

اس آیت کے ترجمے میں جناب علّامہ نے کافی ترمیم کی ہے لیکن دو لفظ ایسے بھی ہیں جن کو بدل کر شاہ صاحب کی عبارت کے معیار سے بھی نیچے اُتر آئے۔ شاہ صاحب کا پہلا لفظ ''کر کے'' تھا، جس کو موصوف نے ''کر کر'' کر دیا۔ دوسرا زندگی جس، کو بے وجہ ''زندگانی'' بنا دیا۔ یہ لفظ عام طور سے شاعری میں شعر کے وزن کو پورا کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ورنہ آج بھی فصیح ''زندگی'' ہی ہے۔ ''کر کے'' بھی ''کر کر'' کے مقابلے میں بہتر اور فصیح ہے۔ معلوم ہوا کہ جناب علّامہ کا سفر فصیح سے غیر فصیح کی جانب تھا۔

شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں ''ایک سے ایک'' اور ''ایک کو ایک'' فقرے بھی استعمال کیے تھے۔ یہ بھی بدلے جانے کے متقاضی تھے، مگر جناب علّامہ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ یا وہ اس پر قادر نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور ابراہیم نے فرمایا تم نے اللہ کے سوا یہ بت بنا لیے ہیں جن سے تمہاری دوستی یہی دنیا کی زندگی تک ہے پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت ڈالے گا اور تم سب کا ٹھکانہ جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں''

آیت ۳۱: جناب علّامہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر''

شاہ صاحب کا ترجمہ بھی لگ بھگ یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ شاہ صاحب نے ''بھیجے'' لکھا تھا۔ جناب علّامہ نے اُس کو ''بھیجے ہوئے'' سے بدل دیا۔ اس ترجمے کے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھیجے ہوئے کون تھے۔ عام انسان، پیغمبر یا فرشتے؟ اس سوال کا کوئی جواب ترجمے میں نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو لکھایا:

''اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے''

آیت ۴۰: کے ایک جز کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے درج ذیل رقم فرمایا تھا اور اُسی کو جناب علّامہ نے نقل

فرمالیا:

''پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر''

اہلِ زبان جانتے ہیں کہ یہاں ''اپنے اپنے'' کا محل نہیں تھا۔شاہ صاحب کے سامنے زبان کے خام ہونے کی مجبوری تھی اور جناب علاّمہ کے سامنے اردو زبان پر عبور حاصل نہ ہونے کی۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''تو اُن میں ہر ایک کو ہم نے اُس کے گناہ پر پکڑا''

امام احمد رضا نے اس ترجمے میں صحیح ضمیر ''اُس'' کا استعمال کیا ہے اور ہر ماہر زبان داں ایسا ہی کرے گا:

آیت ۵۳: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کے ایک جزو کا ترجمہ یوں رقم فرمایا:

''اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے آفت''

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

''اور تم سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں''

آیت ۵۷: اس آیت کے ایک معروف و مشہور حصے کا ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب نے یوں تحریر فرمایا:

''جو جی ہے سو چکھّے گا موت''

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا؛ علامہ نے صرف اُس کو نقل کردیا۔

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا:

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے''

ان دونوں آیتوں کے ترجموں میں زبان کے فرق کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۳۰۔ سورۂ روم

آیت ا،۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے آیت نمبر ا (مکمل) اور آیت نمبر ۲ (جز) کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا ہے:

’’مغلوب ہوگئے ہیں رومی ملتے ہوئے مُلک میں‘‘

ان آیتوں کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس طرح تحریر فرمایا تھا:

’’دب گئے ہیں روم لگتے مُلک میں‘‘

اگرچہ جناب علّامہ نے ترجمۂ قرآن کا آغاز کرتے وقت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے میں اصلاح کا دعویٰ کیا تھا مگر دو تین لفظ بدلنے کے باوجود ترجمے میں کوئی سُدھار نہیں ہوا۔ جو کچھ شاہ صاحب نے لکھا تھا جناب علّامہ اس سے آگے نہ جاسکے۔ ’’لگتے مُلک میں‘‘ کو ’’ملتے ہوئے مُلک میں‘‘ سے بدل دینے پر بھی قاری کے لیے تفہیم میں کوئی آسانی نہیں ہوئی (جبکہ اس میں سُدھار کی ضرورت تھی)۔ امام احمد رضا نے فی الفور اس طرح ترجمہ املا کرایا:

’’رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں‘‘

آیت ۷: جناب علّامہ نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

’’جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو‘‘

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا‘‘

اہل الرّائے بتائیں کہ جناب علّامہ نے ترجمے کی مرمّت کر کے کیا نتیجہ نکالا؟ کیا قاری کو کوئی سہولت بہم پہنچائی؟ لگے ہاتھوں امام احمد رضا کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

’’جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی‘‘

آیت ۸: جناب علّامہ نے آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا:

’’اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے سو ٹھیک سادھ کر اور وعدۂ مقرّر پر‘‘

اب شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ رقم طراز ہیں:

’’اللہ نے بنائے آسمان و زمین اور جو اُس کے بیچ ہے سو ٹھیک سادھ کر اور ٹھہرے وعدے پر‘‘

فقیر نے ’’نقل فرمایا‘‘ اس لیے لکھا ہے کہ آج کل امتحان میں شریر اور نقلچی لڑکے مطبوعہ گائڈ بکس سے نقل کرتے ہیں تو بالکل اِسی طرح کہیں کہیں الفاظ بدل دیتے ہیں تا کہ اُن کی دانست میں ممتحن دھوکا کھا جائے۔ ممتحن تو دھوکا

نہیں کھاتا ہے البتہ جناب علاّمہ اردوخواں قارئین کو دھوکا دینے میں ضرور کامیاب ہوگئے۔ اب یہ قارئین کی مرضی ہے کہ وہ اس کامیابی پر جناب علاّمہ کو مبارک باد دیں یا نہ دیں۔ ہندوستان کے ایک نام نہاد دانش ور نے تو پسِ مرگ بھی اُن کی پیٹھ ٹھونکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب کہ جو اِبہام شاہ صاحب کے ترجمے میں وقت گزرنے کی وجہ سے آیا تھا وہ جوں کا توں باقی رہا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حصّۂ آیت کا کیا ترجمہ املا فرمایا:

’’اللہ نے پیدا نہ کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے مگر حق اور ایک مقرر میعاد سے‘‘

آیت ۱۴: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے آیت کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا:

’’اور جس دن قائم ہوگی قیامت اُس دن لوگ ہوں گے قسم قسم‘‘

جبکہ شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا تھا:

’’اور جس دن اُٹھے گی قیامت لوگ بھانت بھانت ہوں گے‘‘

دونوں ترجموں کو پڑھنے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جناب علاّمہ نے بھی ترجمہ فرمایا ہے مگر قرآن کریم کا نہیں بلکہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کا۔ یہ الگ بات ہے کہ ترجمہ کیسا ہے۔ امام احمد رضا نے فوری طور پر اس طرح ترجمہ رقم کرایا:

’’اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن لوگ الگ ہوجائیں گے‘‘

بالکل صاف اور رواں ترجمہ ہے۔

آیت ۳۸۔ علاّمہ محمود الحسن اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں:

’’یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو چاہتے ہیں اللہ کا منھ‘‘

’’جو چاہتے ہیں اللہ کا منھ‘‘ خدا جانے اس فقرے کا کیا مطلب ہے ایسے ترجمے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں بھی یہی الفاظ تھے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’یہ بہتر ہے اُن کو جو چاہتے ہیں اللہ کا منھ‘‘

شاید درج بالا آخری الفاظ کا مفہوم حضرت علاّمہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ شاہ صاحب کے ترجمے کے جتنے حصّے کا ترجمہ علاّمہ صاحب کرسکتے تھے انہوں نے کردیا مثلاً ’’ان کو‘‘ کا ترجمہ انہوں نے ’’اُن کے لیے‘‘ درج فرمایا۔

باقی سر سے گزر گیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بہت پُرانا ترجمہ ہے۔ ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں یہ روزمرّہ ہو؟ لیکن علاّمہ صاحب کے عہد میں قطعی متروک تھا (اس لیے کہ علاّمہ کے ہم عصروں میں کسی نے اس طرح کے الفاظ نہیں لکھے) حیرت اس بات پر ہے کہ متروکات کی جگہ رائج الفاظ لکھنے کے دعوے کے ساتھ ہی وہ مترجم بنے تھے مگر انہوں نے ان الفاظ کو رائج الفاظ سے نہیں بدلا۔ اس لیے فقیر کا یہ خیال درست مانا جانا چاہیے کہ ان الفاظ کا مطلب وہ بھی نہیں سمجھتے تھے ورنہ ان کی جگہ مروجہ الفاظ ضرور تحریر فرماتے۔ اور اس شبہے کو بھی تقویت ملتی ہے کہ وہ عربی متن کا ترجمہ کرنے پر بھی قادر نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں عربی متن کا ترجمہ اپنے الفاظ میں کر دیتے؛ مگر انہوں نے ایسا بھی نہیں کیا۔

امام احمد رضا نے آیت کے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا:

"یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں"

آیت ۴۴: حضرت علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح اپنے مصحف میں درج فرمایا:

"جو منکر ہوا سو اُس پر پڑے اُس کا منکر ہونا اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے۔ انہوں نے رقم فرمایا۔

"جو منکر ہوا اُس پر پڑے اُس کا منکر ہونا اور جو کرے بھلے کام سو اپنی راہ سنوارتے ہیں"

جناب علاّمہ نے نقل میں دو لفظ بڑھا کر اس قول "نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہے" کے مطابق عقل کا ثبوت تو دیا؛ مگر "جو کوئی کرے بھلے کام" (فعل واحد) کا جوڑ "ہیں" (فعل جمع) کے ساتھ لگا دیا۔ یہاں تک موصوف کی عقل کی رسائی شاید نہیں ہوسکی۔ (معلوم ہوتا ہے رسائی ہی کم تھی) امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضرت صدر الشریعہ کو یوں ترجمہ املا کرایا۔

"جو کفر کرے اُس کے کفر کا وبال اُسی پر اور جو اچھا کام کریں وہ اپنے ہی لیے تیاری کر رہے ہیں"

زبان کی صفائی ملاحظہ فرمائیے۔ محسوس ہوتا ہے کہ کسی عبارت کا ترجمہ نہیں، بلکہ طبع زاد عبارت ہے۔

آیت ۵۴: علاّمہ صاحب نے ترجمہ رقم فرمایا۔

"اور وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا"

شاہ صاحب کا بھی تقریباً یہی ہے۔ یعنی۔

''اور وہ ہے سب جانتا کر سکتا''

علاّمہ نے ایک لفظ ''کچھ'' بڑھا کر ترجمے پر قبضہ جما لیا۔اس کے علاوہ اور کوئی تبدیلی نہیں کی۔

امام احمد رضا کا برجستہ لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''اور وہی علم و قدرت والا ہے''

آیت ۵۶:علاّمہ محمود الحسن صاحب نے پوری آیت کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا:

''اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اُٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے''

ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

مگر جناب علاّمہ بھی کیا کرتے۔شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی تقریباً یہی ترجمہ کیا تھا اور وہ ان سے آگے جا نہیں سکتے تھے۔شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

''اور کہیں گے جن کو ملی سمجھ اور یقین تمہارا اٹھراؤ تھا اللہ کے لکھے میں جی اُٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہ تھے جانتے۔''

جناب علاّمہ نے نقل میں عقل سے کام لیتے ہوئے کئی لفظ بدلے ہیں۔حتیٰ کہ آخری فقرے میں مستعمل لفظ ''نہ'' کو بھی ''نہیں'' سے بدل دیا،مگر فقرہ وہی رہا۔''پر تم نہیں تھے جانتے'' حضرت علاّمہ کے عہد میں دنیا کے کسی حصّے میں اردو نثر کی ترکیب نحوی یہ نہیں رہی تھی۔امام احمد رضا نے فوری طور پر مولانا امجد علی اعظمی کو یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور بولے وہ جن کو علم اور ایمان ملا بے شک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اُٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ دن اُٹھنے کا لیکن تم نہ جانتے تھے''

اس ترجمے کو پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے،ورنہ جناب علاّمہ کا ترجمہ تو سر سے گزر جاتا ہے۔

۳۱۔ سورۂ لقمان

آیت ۴:علاّمہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں اس طرح خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

''جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے''

خط کشیدہ ’’جو‘‘ پر غور فرمایئے۔ اس نے ترجمے کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ پھر ’’ان کو‘‘ نے عبارت کی بالکل ہی مٹّی پلید کردی۔ اگر فقرہ یوں ہوتا ’’اور وہ ہیں جن کو آخرت پر یقین ہے‘‘ یا یوں ہوتا ’’اور وہ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں‘‘ تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہ ہوتی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ اس سے بہر حال بہتر تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں‘‘

اس ترجمے میں صرف خط کشیدہ ’’وہ‘‘ زائد ہے۔ یہ نہ ہوتا تو ترجمہ صاف ہوتا، لیکن شاہ صاحب کے عہد میں اردو نثر کے قواعد وضوابط منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ جناب علاّمہ نے نقل میں عقل کا استعمال کیا اور کچھ الفاظ بدلے تو ترجمے کا بیڑا ہی غرق کر دیا۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح بول کر لکھایا تھا:

’’جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر ایمان لائیں‘‘

ع یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے (آتشؔ)

ایسی صفائی کسی دوسرے ترجمے میں نہیں ملے گی۔

آیت ۸: علاّمہ صاحب کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمایئے:

’’جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام اُن کے واسطے ہے نعمت کے باغ‘‘

تعجب ہے کہ حضرت علاّمہ واحد اور جمع کے صحیح استعمال سے بھی واقف نہیں تھے۔ ’’اُن کے واسطے ہے‘‘ میں امدادی فعل ’’ہے‘‘ واحد کا ترجمان ہے مگر ’’نعمت کے باغ‘‘ صاف طور پر جمع ہے۔ اگر واحد ہوتا تو ’’نعمت کا باغ‘‘ ہوتا۔ جمع کے لیے ’’ہے‘‘ (واحد) کا استعمال نہ صرف حیرت ناک بلکہ عبرت ناک بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتانے والے نام نہاد ہندی دانش ور جناب ابوالحسن علی میاں ندوی بھی اس معمولی فرق سے واقف نہیں تھے، جس کو درجہ ۵/ کا بچہ بھی جانتا ہے۔

مزید تماشا یہ ہے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں جو اردو زبان کے تشکیلی دور میں کیا گیا تھا یہ خرابی نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

’’جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام اُن کو ہیں نعمت کے باغ‘‘

بالکل صاف ترجمہ ہے۔ اس کی زبان موجودہ عہد کی زبان جیسی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی لفظ متروک بھی

نہیں ہے۔ پھر بھلا علاّ مہ کو ردّ و بدل کرنے کی کیوں سوجھی، یہ اہم سوال ہے۔ سوچنے اور غور کرنے پر یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ترجمے پر قبضہ جمانے کے لیے نقل میں عقل سے بھی کام لینا تھا۔ بس جیسی عقل نے یاوری کی ویسا ہی ترجمہ تیار ہوگیا۔ اُردو زبان کی لُٹیا ڈوبتی ہے تو ڈوبے۔ انہیں اس سے کیا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ فی الفور اس طرح املا کرایا:

''بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے چین کے باغ ہیں''

آیت ۲۰: علاّ مہ محمود الحسن صاحب نے آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں''

''کام میں لگائے'' میں فعل ''لگائے'' جمع سے متعلق ہے۔ اگر واحد ہوتا تو ''لگایا'' ہوتا۔ پھر اس کا جوڑ امدادی فعل واحد (ہے) سے لگا دیا۔ کیا جناب علاّ مہ کو واحد اور جمع کی بھی تمیز نہیں تھی۔ اگر یہ کمی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں بھی تھی تو علاّ مہ صاحب کس لیے ترجمہ کرنے کو بیٹھے تھے، جو اس کو ایسے ہی رہنے دیا جیسا تھا۔ شاہ صاحب کا عہد تو اُردو نثر کا تشکیلی دور تھا جب کہ جناب علاّ مہ کے عہد میں زبان کا ڈھانچہ مکمل ہو چکا تھا۔ اگر جناب علاّ مہ میں شاہ صاحب کی زبان کی خامیوں اور اس کے ابہام کو دور کرنے کی اہلیت نہیں تھی تو اس کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہیے تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے حسب ذیل ترجمہ رقم فرمایا تھا:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ آسمان و زمین میں''

جناب علاّ مہ نے ایک لفظ بڑھایا اور ایک لفظ بدلا۔ لیجیے بن گئے مترجم۔ **سبحان اللہ**

امام احمد رضا نے اس طرح فی البدیہہ ترجمہ تحریر کرایا:

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں''

آیت ۳۰: جناب علاّ مہ کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمایئے۔ آیت کا ترجمہ بین السطور میں یوں لکھا ہے:

''یہ اس لیے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں اُس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جس کا ترجمہ جناب علاّ مہ نے کیا ہے یہ ہے۔

''یہ اس پر ہے کہ اللہ وہی ٹھیک ہے اور جو پکارتے ہیں اُس کے سوا سو ہی جھوٹ ہے اور اللہ وہی ہے سب سے

اوپر بڑا"

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اُس کے سوا جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔"

تبصرے کی ضرورت نہیں ترجمہ خود بول رہا ہے۔

آیت ۳۳: جناب علاّمہ محمود الحسن صاحب آیت کے ایک حصّے کے ترجمے میں نقل طراز ہیں:

"اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے"

رب سے بچنے کی بھی خوب رہی۔ ایمان والے تو اللہ کو پانے کے لیے اُس کی معرفت اُس کے دیدار کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور جناب علاّمہ اللہ تعالیٰ سے بچنے (یعنی دوُر رہنے) کی تلقین فرما رہے ہیں۔ کون ہے جو اس فلسفے کو سمجھ سکتا ہے۔ بظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی لکھا تھا اور اُن کے عہد میں "بچنے" کا مفہوم کچھ اور بھی ہوگا۔ جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے کے شروع میں صرف ایک لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"لوگو بچتے رہو اپنے رب سے"

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یوں ترجمہ املا کرایا:

"اے لوگو اپنے رب سے ڈرو"

ملاحظہ فرمائیں کتنا حقیقی اور ایمانی ترجمہ عطا فرمایا ہے۔

۳۲۔ سورۂ سجدہ

آیت ۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے بین السطور میں یہ ترجمہ درج فرمایا:

"تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اُس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں"

اردو زبان وادب کا کوئی عالم سمجھ گیا ہو تو بتائے کہ جناب علاّمہ نے کیا فرما دیا۔ اس حقیر فقیر کے پلّے تو کچھ پڑا

نہیں۔اور پلّے بھی کیوں کر پڑے۔شاید علاّمہ صاحب بھی نہیں سمجھے تھے کہ انہوں نے کیا لکھ دیا۔انہیں تو شاہ صاحب کے ترجمے کا ترجمہ کرنا تھا اور وہ اس طرح کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ایک دو لفظ بڑھا دیے جائیں یا ایک دو لفظ میں تبدیلی کر دی جائے۔اب شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیا جائے:

''تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں جس کا اندازہ ہزار برس ہیں تمہاری گنتی میں''

امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

''کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اُسی کی طرف رجوع کرے گا اُس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں''

آیت ۱۵: جناب علاّمہ مصحف شریف کی بین السطور میں اس آیت شریفہ کا ترجمہ ان الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں:

''ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب اُن کو سمجھائے اُن سے گر پڑیں سجدہ کرکر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور بڑائی نہیں کرتے''

لگے ہاتھوں شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جناب علاّمہ نے ترجمہ نگاری میں کتنی محنت اور جانکاہی سے کام لیا ہے۔شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

''ہماری باتوں کو مانتے وہ ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے ان سے گر پڑیں سجدہ کرکے اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے''

''اُن سے'' کا ٹکڑا دونوں ترجموں کی روانی میں نہ صرف حائل ہے بلکہ مہمل معلوم ہوتا ہے۔شاہ صاحب کی مجبوری تو ہمیں معلوم ہے؛ مگر علاّمہ صاحب کے سامنے کیا مجبوری تھی یہ یقین کے ساتھ معلوم نہیں۔گمان غالب یہی ہے کہ اُن کے سامنے نقل مارنے کی مجبوری تھی۔یہی حال ''بڑائی نہیں کرتے'' کا ہے۔رب کو سجدہ کریں اس کو خوبیوں کے ساتھ یاد کریں؛ مگر اُس کی بڑائی نہ کریں، یہ منطق سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔پھر نقل میں عقل کا استعمال کرتے ہوئے جناب علاّمہ نے ''کرکے'' کو ''کرکر'' سے بدل دیا کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ''کرکے'' اردو زبان میں کب متروک ہوا؟ یہ حال بقول شخصے اردو کے سب سے اچھے ترجمے کا ہے۔

علاوہ ازیں جناب علّامہ کے ترجمے کو ایک بار اور پڑھ کر دیکھیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''پاک ذات'' کوئی اور ہے اور ''رب'' کوئی اور۔ اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا آیت سن کر فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبّر نہیں کرتے''

آیت ۱۹: علّامہ صاحب اس آیت کے ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو اُن کے لیے باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُن کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے''

قطع نظر اس کے کہ اس ترجمے کا سمجھنا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھ لیجیے کہ جناب علّامہ نے ترجمہ کرنے میں کتنی محنت سے کام لیا ہے اور اس کے لیے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے موازنہ کرنا ہوگا جو نقل کے واسطے ان کے سامنے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ نقل میں عقل کی کارسازی بھی موازنے میں صاف نظر آئے گی۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں:

''سو وہ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو اُن کو باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُس پر جو کرتے تھے''

اس کے بعد امام احمد رضا کا بول کر لکھایا ہوا ترجمہ پڑھیے اور داد دیجیے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے:

''جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن کے لیے بسنے کے باغ ہیں اُن کے کاموں کے صلے میں مہمان داری''

آیت ۲۳: جناب علّامہ آیت کے ایک حصّے کے ذیل میں ترجمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اُس کے ملنے سے''

اس ترجمے کی نقل میں حضرت علّامہ نے عقل سے کام نہیں لیا ہے کیونکہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی بلفظہٖ یہی ہے۔ اس لیے اُس کو نقل کرنا بھی بے سود ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو تم اُس کے ملنے میں شک نہ کرو''

۳۳۔ سورۂ احزاب

آیت ۲: علّامہ محمودالحسن صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ اپنے مصحف میں درج فرمایا:

''اور چل اُسی پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بےشک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے''

اس ترجمے میں قارئین کو جناب علاّمہ نے اپنے پاس سے کیا دیا ہے اس کا پتہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے موازنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے پہلے شاہ صاحب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

''اور چل اُس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے مقرر اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے''

نبی کے لیے دو ضمیریں واحد حاضر کی (''تجھ کو'' اور ''تیرے'') اور پھر اُس سیاق میں ایک ضمیر جمع حاضر کی (تمہارے) کیا یہ کسی زبان داں کا کام ہوسکتا ہے۔ زبان داں نہیں بلکہ کسی ہوشمند کا کام بھی نہیں ہوسکتا۔ رہا یہ سوال کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے ایسا کیوں کیا تو اُس کا جواب بارہا دیا جاچکا ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں قواعد زبان کا تعین نہیں ہوا تھا مگر جناب علاّمہ کے عہد میں تو قواعد زبان پر بہت کام ہوچکا تھا۔ دور کیوں جایئے اُن سے ٦/ برس پہلے امام احمد رضا قوم کو ایک عمدہ ترجمہ عنایت فرما چکے تھے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب علاّمہ اردو قواعد سے بھی نابلد تھے۔ سچائی یہ بھی ہے کہ اہل زبان کو ایسی باتیں کتابوں میں پڑھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ تو اگر کوئی یہ شک کرے کہ جناب علاّمہ اہل زبان بھی نہیں تھے تو جواب دینا مشکل ہوگا۔ یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے شاہ صاحب کا ترجمہ جوں کا توں نقل کردیا ہو۔ عقل سے کام لے کر پھیر بدل بھی کیا ہے۔ پھر تھوڑی عقل اور لگا دیتے تو کیا بات تھی۔ انہوں نے تو بہت اطمینان کے ساتھ بہت دنوں میں ترجمہ تیار کیا تھا:

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا:

''اور اُس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اے لوگو اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے''

اگر علاّمہ محمود الحسن یہ ظاہر کردیتے کہ دوسرے فقرے میں عام لوگوں سے خطاب ہے تو ترجمے کی مٹی پلید نہ ہوتی۔ مگر شاید یہ بات اُن کو معلوم ہی نہیں تھی۔

آیت ۹: جناب علاّمہ محمود الحسن صاحب اس آیت کے ایک حصّے کے ذیل میں یہ ترجمہ رقم طراز ہیں:

''اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا''

کون کہہ سکتا ہے کہ جملے میں الفاظ کی ترتیب جناب علاّمہ کے عہد کی ہے۔ یہ تو صاف شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے عہد کی معلوم ہوتی ہے۔ دلیل خود شاہ صاحب کا ترجمہ ہے جو یوں ہے:

''اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا''

جناب علاّ مہ نے ’’دیکھتا‘‘ کو ’’دیکھنے والا‘‘ سے بدل کر پرایا مال اپنا کرلیا۔ کیا ’’دیکھتا‘‘ اُن کے عہد میں یا اب (یا شاہ صاحب کے عہد سے اب تک کسی زمانے میں) متروک ہوا ہے؟ جواب ہے، نہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ جب ایک لفظ متروک نہیں ہوا تو اُس کو بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسا مشکل لفظ بھی نہیں تھا کہ کسی کو سمجھنے میں دشواری ہوتی۔ وجہ ایک ہی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام پرایا مال اپنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا متروکات کا دائرہ الفاظ ہی تک محدود ہے۔ کیا انداز بیاں متروک نہیں ہوتا، کہ علاّ مہ نے عبارت کو جوں کا توں نقل کردیا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت کا ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فی الفور قلم بند کرایا:

’’اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے‘‘

آیت ۱۰: جناب علاّ مہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں نقل فرمایا:

’’جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب پھرنے لگیں آنکھیں اور پہنچ گئے دِل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں‘‘

چونکہ فقیر نے چند سطر پیشتر ’’نقل فرمایا‘‘ لکھا ہے۔ اس لیے ہاتھوں ہاتھ شاہ صاحب کا ترجمہ لکھنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ’’نقل فرمایا‘‘ کی تصدیق ہوسکے۔ اگرچہ اس آیت کے ترجمے کو نقل کرنے میں جناب علاّ مہ نے ’’عقل‘‘ سے بھی کام لیا ہے؛ مگر دونوں ترجموں کا موازنہ صاف بتارہا ہے کہ نقل تو یقیناً ہے مگر نقل پھر نقل ہے اور اصل پھر اصل۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا:

’’جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکل کرنے لگے تم اللہ پر کئی اٹکلیں‘‘

جناب علاّ مہ کا ترجمہ کے پڑھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا چڑھ آئے یا کون چڑھ آئے؟ نیچے سے چڑھنا تو سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن اوپر چڑھنے کے کیا معنیٰ ہیں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی مگر جناب علاّ مہ بالکل ہی لکیر کے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پاس سے کسی قاری کو کچھ دے سکنے کی پوزیشن میں نہیں معلوم ہوتے۔ بس مترجم قرآن کہلانے کا شوق تھا اور اس میں کامیاب بھی ہوگئے۔ لوگ ان کو مترجم قرآن ہی سمجھتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹھک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آ گئے اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے''

آیت ۱۱: حضرت علاّمہ کے نام سے موسوم اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا''

یہ بالکل شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل ہے۔ جناب علاّمہ نے صرف ایک لفظ (خط کشیدہ ''کا'') کا اضافہ کیا ہے یعنی شاہ صاحب نے فرمایا تھا ''زور جھڑ جھڑانا'' اور جناب علاّمہ نے فرمایا ''زور کا جھڑ جھڑانا'' لیجیے حقِ ترجمہ ادا ہوگا۔ (اگر کوئی شخص عربی زبان نہ بھی جانتا ہو اتنی ترمیم تو وہ بھی کر سکتا ہے)

اس ترجمے کی زبان بلاشبہہ شاہ عبدالقادر صاحب کے عہد کی ہے۔ جناب علاّمہ کے عہد سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے عہد میں سنجیدہ اور علمی نثر میں ایسی زبان کوئی نہیں لکھتا تھا ''جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا'' سے آخر کیا مراد ہے؟ اور یہ ترجمہ کن لوگوں کے لیے تیار کیا گیا تھا؟ اگر کوئی اس ترجمے کے معنی بتا بھی دے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ عام قاری اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

''وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے''

آیت ۱۹: اس آیت شریفہ کے ایک جُز کے تحت جناب علاّمہ کے مصحف میں ترجمہ اس طرح درج ہے:

''پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈُھکے پڑتے ہیں مال پر''

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس حصۂ آیت کا یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے جھکے پڑتے ہیں مال پر''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں ایک لفظ ''جُھکے'' کو ''ڈُھکے'' سے بدلا۔

واضح ہو کہ بہت پہلے دیہات میں ''جھکنے'' کو ''ڈھوکنا'' بولتے تھے۔ ایک کہاوت بھی مشہور تھی ''اونٹ کی چوری ڈھوُکے ڈھوُکے''۔ یعنی بڑی چیز کی چوری چھپ کر کرنا۔ جناب علاّمہ نے یہاں وہی متروک لفظ ''ڈھوُکے'' بغیر ''واؤ'' کے لکھا ہے۔ انہوں نے ''واؤ'' کو شاید اعراب بالحروف سمجھا۔ اس لیے اس کو ''ڈُھکے'' لکھ دیا۔ یہ لفظ تو خدا جانے کب سے شرفا کی زبان پر نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ وہ اس لفظ کو متروک سمجھتے تھے اور "ڈُھکے" کو رائج۔ جناب علاّمہ کے اس عمل پر فقیر ردّ عمل کا اظہار کرنا نہیں چاہتا۔ خاموشی ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ اب اس درجے کا دوسرا عالم پیدا ہو جو لفظ "جھکے" کو متروک سمجھے اور ڈھکے کو فصیح۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ مزید یہ کہ اس کے باوجود بھی ایک عام قاری یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس ترجمے کا مطلب کیا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی کو اُن سے آیت سنتے ہی یہ ترجمہ لکھایا:

"پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مالِ غنیمت کے لالچ میں"

آیت ۲۵: علاّمہ صاحب نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا:

"اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصّہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی"

لگے ہاتھوں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

"اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصّہ میں بھرے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی"

اس ترجمے میں جناب علاّمہ نے اتنا کام تو کیا ہی ہے کہ "بھرے ہاتھ" کو "بھرے ہوئے ہاتھ" کر دیا۔ اب کون بے عقل ہے جو اُن کو مترجم نہ کہے گا؟ لیکن یہ بات نہیں کھُلتی کہ آیت میں کیا کہا گیا ہے۔ اگر چند الفاظ کا اضافہ یا اُلٹ پھیر ہو جاتا تو مطلب واضح ہو جاتا۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور اللہ نے کافروں کو اُن کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا"

آیت ۳۷: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصّے کے تحت یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

"اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو۔"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جو اللہ اُس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو"

دونوں ترجموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے زیادہ ڈرتے تھے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو خبردار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک معصیت میں مبتلا تھے **(نعوذ باللّٰہ من ذالك)**۔ وہ

نبی جو تمام معصوموں سے افضل ہو اُس کا عمل کسی طرح خلاف منشائے الٰہی ہو سکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مترجمین زبان پر عبور نہیں رکھتے تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ایسا صاف ترجمہ فرمایا کہ عصمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنے کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اُس کا خوف رکھو''

آیت ۴۴: جناب علّامہ نے اپنے برائے نام ترجمے میں اس آیت کے ایک حصّے کے تحت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے یہ عبارت کوئی لفظ، حرف، شوشہ، نقطہ بدلے بغیر جوں کی توں اُٹھا کر درج کر لی ہے:

''دعا اُن کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے''

آگے بڑھنے سے پہلے اس ترجمے کو بار بار پڑھیے۔ اگر مفہوم واضح ہو جائے تو علّامہ کی علّامیت ہی کیا ہوئی۔ ہاں اس کے بعد کنزالایمان میں درج ترجمہ لکھا جائے گا، اُس کو پڑھنے کے بعد یہ ترجمہ بھی سمجھ میں آ جائے گا۔ اُس لیے اس کو پڑھنے سے پہلے اگر آپ نے اس ترجمے کا مفہوم سمجھ لیا تو فقیر کی رائے میں آپ کے ذہن کی رسائی قابلِ تعریف ہے مولائے تعالیٰ آپ کی ذہنی قوتوں کو اور ترقی عطا فرمائے، آمین۔ اب امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اُن کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے''

کنزالایمان میں یہ خوبی اسلوب اور زبان کے صحیح استعمال کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے۔

آیت ۵۳: جناب علّامہ نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا:

''اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے اُس کے پکنے کی''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اے ایمان والو مت جاؤ گھروں میں نبی کے مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے اُس کے پکنے کی''

آخری حصّے (نہ راہ دیکھنے والے اُس کے پکنے کی) کا مفہوم غیر واضح ہے۔ عام قاری تو کیا کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے صحیح الفاظ کے استعمال سے اس ابہام کو کافور کر دیا۔ انہوں نے اس طرح ترجمہ املا کرایا:

’’اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اُس کے پکنے کی راہ تکو‘‘

آیت ۶۷: علّامہ محمودالحسن صاحب نے بے سوچے سمجھے اس آیت کے ترجمے کی اس طرح تخریب کی:

’’اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چُکا دیا ہم کو راہ سے‘‘

جناب علّامہ نے ’’چکا دیا‘‘، ’’بھٹکا دیا‘‘ یا ’’گمراہ کر دیا‘‘ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ جب کہ ’’چکانا‘‘ کا یہ مفہوم کسی لغت میں نہیں ہے۔ یہاں جناب علّامہ سے بہت بڑی چوک ہوئی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جو جناب علّامہ کا اصل مآخذ ہے۔ شاہ صاحب نے ترجمہ تحریر فرمایا:

’’اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چوکا دی ہم سے راہ‘‘

شاہ صاحب نے ’’چوکا دی‘‘ کا استعمال کیا تھا اگر چہ اس کا استعمال اب نہیں ہوتا، مگر ’’چوکنا‘‘ رائج ہے اسی کو شاہ صاحب نے ’’چوکا دی‘‘ بنا دیا۔ یہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی غلطی نہیں تھی، بلکہ اردو زبان کے تشکیلی دور میں ان کا لسانی اجتہاد تھا، جو مقبول نہ ہوا۔

جناب علّامہ نے جب شاہ صاحب کے ترجمے میں ’’چوکا دی ہم سے راہ‘‘ لکھا دیکھا تو وہ سمجھے کہ قدیم املا میں جس طرح بہت سے الفاظ میں ’’واؤ‘‘ زائد ہوتا تھا اسی طرح ’’چوکا دی‘‘ میں بھی ہوگا (جیسے اوس بجائے اُس، اوترا بجائے اُترا، اُوٹھانا بجائے اُٹھانا وغیرہ میں) لیکن ایسے قیاس علم و فہم سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے پاس جس درجے کا علم اور جتنی عقل ہوگی ویسا ہی اُس کا قیاس ہوگا۔ جناب علّامہ یہاں غچّہ کھا گئے اور اپنی ساری پول کھلوا بیٹھے۔ کاش کہ عقل سے کام نہ لیتے اور شاہ صاحب کا ترجمہ ہی نقل کر دیتے تو بھرم ضرور رہ جاتا۔ مگر انہیں صبر نہیں ہوا ’’چوکا‘‘ کا واؤ اڑا دیا۔ واضح ہو کہ ’’چکا دیا‘‘ کا یہاں کوئی مطلب ہی نہیں ہے، کیونکہ چکانا کے معنی ہیں۔ بھگتان کرنا، بے باق کرنا، ادا کرنا، فیصلہ کرنا وغیرہم۔

البتہ دھوکا دینے کے لیے ’’چکائی دینا‘‘ آتا ہے مگر بہت کم؛ بلکہ اب تو صرف لغات میں محفوظ ہے۔ یہاں اس کا بھی شبہہ نہیں کیونکہ جناب علّامہ نے صاف طور سے ’’چکا دیا‘‘ لکھا ہے، جس کا دھوکا دینے سے کوئی تعلق نہیں۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا:

’’اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے

بہکا دیا"

نہایت صاف واضح اور رواں ترجمہ ہے۔

۳۴۔ سورۂ سبا

آیت ۱۰: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کا یہ ترجمہ درج مصحف فرمایا:

"اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی اے پہاڑو! خوش آوازی سے پڑھو اُس کے ساتھ اور اُڑتے جانوروں کو اور نرم کر دیا ہم نے اُس کے آگے لوہا"

اس ترجمے میں خط کشیدہ الفاظ (اور اڑتے جانوروں کو) ترجمے سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ اڑتے جانوروں کو کوئی حکم دیا گیا ہے، اُن کی کسی حالت کا بیان کیا گیا ہے یا پہاڑوں سے کہا گیا ہے کہ اُڑتے جانوروں کو پڑھو (اگر چہ یہ بات مہمل ہے) کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بار بار پڑھ کر دیکھ لیجیے سیاق آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اگر لفظ "کو" نہیں ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ اُڑتے جانوروں کو بھی تسبیح پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے مگر لفظ "کو" نے سارا مطلب خبط کر دیا۔ اس سے بہتر تو شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے جس کی علاّمہ نے اصلاح کے نام پر تخریب کی ہے شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی اے پہاڑ و رجوع سے پڑھو اُس کے ساتھ اور اُڑتے جانور اور نرم کر دیا ہم نے اُس کے آگے لوہا"

اس ترجمے سے کچھ بات تو سمجھ میں آتی ہے یعنی اے پہاڑو تم بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھو اور چڑیو (تم بھی پڑھو) اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا ہے۔

جناب علاّمہ کے اندازِ بیان سے یہ مفہوم تو کجا کوئی مفہوم نکالا ہی نہیں جاسکتا۔ امام احمد رضا نے اس طرح فی البدیہہ ترجمہ لکھایا:

"اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑو اُس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا"

یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف رجوع

کریں۔

آیت ۱۲: اس کے ایک جز کا ترجمہ جناب علّامہ نے اس طرح پیش فرمایا:

''اور سلیمان کے آگے ہوا کو''

واضح ہو کہ یہ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ کا ترجمہ ہے۔

غور کرنے کی جا ہے کہ جناب علّامہ نے ترجمہ کیا ہے یا معنی لکھے ہیں اس سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پوری آیت کا ترجمہ بخوف طوالت نقل نہیں کیا مگر اُس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے پوری بات سمجھ میں آئے۔ وجہ یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے یہاں بھی یہ بات صاف نہیں ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

''اور سلیمان کے آگے ہوا''

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

''اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی''

اس ترجمے سے مطلب بہت صاف اور واضح ہو گیا۔

آیت ۱۳: جناب علّامہ نے آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا:

''بناتے اُس کے واسطے جو کچھ چاہتا قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولھوں پر جمی ہوئی کام کرواے داؤد کے گھر والو احسان مان کر''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے ایک دو لفظ کی تبدیلی کے علاوہ امام احمد رضا نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اُس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں اے داؤد والو شکر کرو''

بہتر ہو کہ دونوں ترجموں کے ہر ہر فقرے کا موازنہ کیا جائے تا کہ صورت حال کا اندازہ ہو۔

علّامہ محمود الحسن صاحب	امام احمد رضا صاحب
بناتے اُس کے واسطے	اُس کے لیے بناتے
جو کچھ چاہتا	جو وہ چاہتا

قلعے اور تصویریں	اونچے اونچے محل اور تصویریں
اور لگن جیسے تالاب	اور بڑے حوضوں کے برابر لگن
اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی	اور لنگر دار دیگیں
کام کرواے داؤد کے گھر والو احسان مان کر	اے داؤد والو شکر کرو

دونوں ترجمے زبانِ حال سے اصلیت بیان کر رہے ہیں۔تبصرے کی ضرورت نہیں چاہیے تو یہ تھا کہ پورے کنزالایمان کا اسی طرح موازنہ ہوتا مگر وقت کی کمی کے باعث اس طریقے کو نظر انداز کرنا پڑا۔

آیت ۴۸: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ترجمے میں یوں گل افشانی فرمائی:

"تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں"

جناب علاّمہ کی دین پھینکنے سے کیا مراد ہے یہ وہی جانیں۔پھینکنے کے معنی برباد کرنا بھی ہیں،خود سے الگ کرنا بھی ہیں۔گرانا بھی ہیں اور بُرا جاننا بھی اور بھی متعدد معنی ہیں۔معلوم نہیں جناب علاّمہ نے کیا معنی مراد لیے ہیں۔اغلب یہ ہے کہ علاّمہ صاحب کو کسی معنی سے مطلب ہی نہیں تھا انہوں نے تو شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو بغیر سمجھے نقل کر دیا۔شاہ صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"تو کہہ میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچّا دین وہ جاننے والا ہے چھپی چیزیں"

غالباً اردو زبان کی بے مائگی کے زمانے میں شاہ صاحب کے ذہن میں کوئی مناسب لفظ نہیں آیا۔یہ بھی ممکن ہے اُن کے عہد میں "پھینکنا" کے کچھ اور معنی بھی ہوں۔مگر علاّمہ کو تو یہ لفظ نہیں لکھنا چاہیے تھا۔امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

"تم فرماؤ بے شک میرا رب حق کا القا فرماتا ہے بہت جاننے والا سب غیبوں کا"

آیت ۴۹: جناب علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ اپنے مصحف کے اندر بین السطور میں اس طرح درج فرمایا:

"تو کہہ آیا دین سچّا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے"

قرآن کریم کا بڑا حصہ دیکھنے کے بعد اس آیت کا ترجمہ ایسا ملا ہے جس میں جناب علاّمہ نے آنکھیں بند کر کے شاہ صاحب کا ترجمہ نقل نہیں فرمایا۔شاہ صاحب کے مقابلے میں بہتر اور صاف بھی ہے (ہوسکتا ہے کوئی دوسرا ترجمہ پیشِ نظر رہا ہو) شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

”تو کہہ آیا دین سچّا اور جھوٹ کو نہ پہلا وار اور نہ دوسرا“

پھر بھی امام احمد رضا کا ترجمہ اس ترجمے کے مقابلے میں بہت بہتر بہت اعلیٰ اور بہت بلند ہے۔ وہ اس طرح ہے:

”تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کر آئے“

۳۵۔ سورۂ فاطر

آیت ۱: جناب علّامہ محمود الحسن آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح مرحمت فرماتے ہیں:

”سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین“

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا تھا:

”سب خوبی اللہ کو جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین“

”خوبی“ کی جگہ خوبیاں کا محل تھا۔ ”بنا نکالے“ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کے عہد کا روزمرہ تو ہوسکتا ہے جناب علّامہ کے عہد کا نہیں اور اگر ہو بھی تو اہل علم کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ کسی اور نے بھی لکھا ہوتا؛ مگر جب علّامہ کو ایک ایک لفظ شاہ صاحب کے ترجمے سے نقل کرنا تھا تو وہ اس بارے میں کیوں سوچتے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ مولانا امجد علی رضوی کو اس طرح املا کرایا:

”سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا“

آیت ۸: جناب علّامہ نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح درجِ مصحف فرمایا:

”بھلا ایک شخص کہ بھلی سجھائی گئی اُس کو اُس کے کام کی بُرائی پھر دیکھا اُس نے اس کو بھلا“

شاہ عبدالقادر صاحب نے آیت کے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا تھا:

”بھلا ایک شخص کو جو بھلی سجھائی اُس کی برائی پھر دیکھا اُس نے اُس کو بھلا“

بغیر کسی تبصرے کے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

”تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اُس کا بُرا کام آراستہ کیا گیا کہ اُس نے اُسے بھلا سمجھا ہدایت والے کی طرح ہو جائے گا“

آیت ۱۳: جناب علّامہ نے ایک جز کا ترجمہ یوں رقم فرمایا:

”رات گُھسا تا ہے دِن میں اور دِن گُھسا تا ہے رات میں“

مضامینِ قرآن کو اگر کوئی سمجھ لے تو اُس کو خوف سے رونا آتا ہے اور قرآن سے محبت بڑھتی ہے۔ جو عربی زبان کا بڑا عالم نہ ہو وہ ترجمے سے ہی قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر جناب علاّمہ کے اس ترجمے کو پڑھ کر قاری کو یا تو ہنسی آئے گی یا اس ترجمے کی زبان میں پہلوے ذم دیکھ کر کراہت ہوگی۔ ''گُھسانا'' جیسا مکروہ لفظ شاہ عبدالقادر صاحب نے تحریر نہیں فرمایا تھا۔ یہ علاّمہ محمود الحسن صاحب کا اختراع ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا:

''رات پیٹھا تا ہے دن میں اور دن پیٹھا تا ہے رات میں''

''پیٹھانا'' اب بھی کُلّی طور پر متروک نہیں ہے۔ جب سے ''گھس پیٹھ'' جیسا لفظ چلن میں آیا ہے بچے بھی اس کو سمجھنے لگے ہیں؟ مگر استعمال میں کم ہے۔ جناب علاّمہ کے عہد میں تو یقیناً اب سے زیادہ چلن میں رہا ہوگا۔ اگر علاّمہ کو یہ لفظ متروک بھی معلوم ہوا تو اس کی جگہ کوئی اچھا سا لفظ لے آتے کیونکہ ترجمہ عظمت والی کتاب کا تھا۔ مگر معلوم نہیں جناب علاّمہ کو ''گھسانا'' جیسا مکروہ اور ذم کے پہلو والا لفظ کس قدر عزیز تھا کہ ایک اچھے خاصے لفظ کی جگہ اس کو لے آئے اور ترجمے کو مذموم بنا دیا معلوم نہیں علی میاں صاحب نے اس ترجمے کی تعریف کرنے سے پہلے ترجمے کو پڑھا بھی تھا یا نہیں۔

امام احمد رضا نے فی الفور اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا:

''رات لاتا ہے دن کے حصّے میں اور دن لاتا ہے رات کے حصّے میں''

دیکھئے صرف الفاظ کے انتخاب نے ترجمے کو کتنا بلند و برتر کر دیا اور یہاں وہ عیب نہیں جو علاّمہ کے ترجمے میں ہے۔

آیت ۲۹: حضرت علاّمہ کے مصحف میں آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے:

''جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چُھپے اور کُھلے امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کیا کچھ ہمارا دیا چھپے اور کھلے اُمیدوار ہیں ایک بیوپار کے جو کبھی نہ ٹوٹے''

''نماز سیدھی کرنا'' ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں زبانِ زد عام رہا ہو یا پھر ابتدائی دور کی زبان میں تنگی الفاظ

کے باعث ان کو یہی ترجمہ سوجھا ہو۔ مگر جناب علاّمہ کے عہد میں نہ اس طرح بولا جاتا تھا نہ لکھا جاتا تھا اور زبان بھی اتنی تہی دامن نہیں تھی کہ اُس میں کوئی دوسرا مناسب لفظ نہ ملتا، مگر عرض کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ بس سوچ سوچ کر حیرت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فوری طور پر املا کرایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''بے شک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں''

آیت ۳۵: اس آیت کے تحت جناب علاّمہ کی گل افشانی نگارش حسب ذیل ہے:

''جس نے اُتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے ہم کو اُس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اُس میں تھکنا''

ترجمہ خواں کو پہلے ''آباد رہنے کے گھر'' کے معنی معلوم کرنا ہوں گے (جو کسی لغت میں نہیں ملیں گے) تب اس ترجمے کو تھوڑا بہت سمجھ سکے گا۔ پوری طرح ترجمہ سمجھنے کے لیے ''نہ پہنچے تھکنا'' کا مفہوم بھی جاننا ہوگا جس کے لیے ذہنی مشقت کرنی ہوگی۔ تب کہیں جا کر ترجمے کو سمجھا جا سکے گا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی اگرچہ یہی ترجمہ کیا تھا، مگر ان کا عہد دوسرا تھا۔ جناب علاّمہ نے اُن کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے صرف ایک لفظ 'آباد' کا اضافہ کیا ہے۔ شاہ صاحب نے ''رہنے کے گھر میں'' تحریر فرمایا تھا، جس کو جناب علاّمہ نے ''آباد رہنے کے گھر میں'' کر دیا۔ اتنی وضاحت کے بعد اب شاہ صاحب کا ترجمہ یہاں نقل کرنا بھی طوالت بے جا ہے۔ جناب علاّمہ کے ترجمے کو ذہن میں رکھیے اور امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھ کر دونوں کا فرق معلوم کیجیے اور خلوص و بناوٹ میں امتیاز کیجیے۔ کنزالایمان میں ترجمہ اس طرح درج ہے:

''وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اُتارا اپنے فضل سے ہمیں اُس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اُس میں کوئی تکان لاحق ہو''

آیت ۴۴: اس آیت کے آخری حصّے کا ترجمہ جناب علاّمہ کے مصحف میں اس طرح درج ہے:

''وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا''

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں جناب علاّمہ نے ایک لفظ ''کچھ'' کا اضافہ کیا ہے۔ جناب علاّمہ کے ترجمے میں بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے۔ سوا اس کے کہ ''جانتا کر سکتا'' بہ معنی ''جاننے والا اور کر سکنے والا'' قدیم اردو ہے، جس کے سمجھنے میں قاری کو کوئی دشواری نہیں ہوگی، مگر اس ترجمے کے مقابلے میں امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ

فرمایئے اور دیکھیے کہ جناب علاّمہ کے ترجمے سے ۶ / برس قبل امام احمد رضا نے کیسا عمدہ اور فصیح ترجمہ املا کرایا تھا:

"بے شک وہ علم وقدرت والا ہے"

بات وہی ہے مگر زبان کی خوبی نے ترجمے میں جان ڈال دی ہے۔ مناسب الفاظ کا سلیقے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی یہ ۲۱ ویں خوبی ہے جو اول تا آخر موجود ہے یعنی "مناسب الفاظ کا سلیقے سے استعمال"۔

۳۶۔ سورۂ یٰسٓ

آیت ۸: اِس آیت کا علاّمہ محمود الحسن صاحب سے منسوب ترجمہ یہ ہے:

"ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر اُن کے سر اُلل رہے ہیں"

ساتھ ہی شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

"ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ٹھوڑیوں تک پھر وہ سر اُچکا رہے ہیں"

"سر اُچکا رہے ہیں" کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس کو سمجھنے میں دشواری ہو۔ نہ اس کو متروکات کی فہرست میں ڈالا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں جناب علاّمہ کو کیا سوجھی کہ اُس کی جگہ ایک غیر مانوس اور غیر مروّج فقرہ "اُلل رہے ہیں" کے استعمال کو ترجیح دی۔ "اُللنا" اگر کوئی مصدر ہے تو یہ حقیر فقیر اُس سے لاعلم ہے صرف اس ایک مصدر کی چھان پھٹک کے لیے لغات کو کھنگالنے کا وقت بھی فقیر کے پاس نہیں ہے۔ اگر کسی صاحب کو یہ کسی لغت میں نظر آ جائے تو فقیر کو بھی ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر مطلع فرمانے کی زحمت فرمائیں اور اگر سمجھ میں آ جائے تو یہ بھی بتانے کی مہربانی فرمائیں کہ اس کے استعمال سے کس طرح ترجمے میں چار چاند لگ گئے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا تھا:

"ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اب اوپر کو منھ اٹھائے رہ گئے"

آیت ۱۹: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ ارقام فرمایا:

"کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے"

"تم کو سمجھایا کوئی نہیں" سے ذہن میں یہ متبادر ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کو نصیحت نہیں کی گئی تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ پھر اُن کی کیا خطا ہوئی۔ ترجمے کی زبان کی خامی کی وجہ سے بات کچھ سے کچھ ہو گئی اور اس کی وجہ ہے یہ کہ

علاّمہ نے دوجگہ برائے نام تصرف فرمایا ہے، بقیہ ترجمہ جوں کا توں نقل کردیا ہے۔شاہ صاحب نے اردو زبان کی نارسائی کے عہد میں یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے۔کیا اس سے کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے۔''

قارئین کرام ملا کر دیکھ لیں کہ اس ترجمے میں (اور اسی میں کیا پورے قرآن کریم کے ترجمے میں) جناب علاّمہ نے کیا تیر مارا ہے۔سوائے شاہ صاحب کی محنت کو خاک میں ملانے کے۔اور پھر تماشا یہ ہے کہ اُن کو مستقل مترجم سمجھا جاتا ہے۔اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ندوہ کے ایک سپوت نے اس کو اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ بھی قرار دے ڈالا (شاید انہیں اپنے سیاسی اثر ورسوخ پر زیادہ اعتماد تھا) شاید دونوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ بعد میں کون جانچ پرکھ کرنے کو بیٹھے گا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو فی الفور اس طرح املا کرایا:

''انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو''

آیت ۲۶: جناب علاّمہ ترجمے میں رقم طراز ہیں:

''حکم ہوا چلا جا بہشت میں بولا کسی طرح میری قوم معلوم کرلیں''

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں جناب علاّمہ نے صرف اتنا تصرف کیا ہے کہ ''معلوم کریں'' کو ''معلوم کرلیں'' سے بدل دیا ہے۔یعنی صرف ایک حرف ''لام'' کا اضافہ کیا ہے۔برصغیر میں کسی جگہ بھی ''قوم'' کو جمع نہیں بولا جاتا جب کہ فعل ''کرلیں'' جمع ہے۔لہٰذا ترجمہ لسانی حیثیت سے غلط اور سراسر غلط قرار پائے گا۔یا تو یوں ہوتا کہ ''قوم معلوم کرے'' یا پھر یہ ہوتا ''قوم معلوم کرلے'' یا پھر یوں ہوتا ''قوم کے افراد معلوم کرلیں'' لیکن شاید جناب علاّمہ اتنی بات سمجھتے ہی نہیں تھے۔ورنہ وہ شاہ صاحب کے اسی لفظ میں تصرّف کرتے ہوئے ضرور درست کرلیتے۔تصرّف نہ کیا ہوتا تو قصور کم تھا۔جب تصرّف کیا تھا اور ''لام'' بڑھایا تھا تو ''نون غنہ'' کم کردیتے یعنی لکھ دیتے ''قوم معلوم کرلے'' تو کوئی خطا نہ رہتی۔بظاہر اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ''یا اللہ! مجھ کو جنت میں بھیجنے سے پہلے آپ میری قوم یعنی ذات پات کے بارے میں تو پوچھ لیں کہ میں سیّد ہوں، مغل ہو،

پٹھان ہوں یا شیخ ہوں مگر یہ مفہوم اس لیے درست نہیں کہ رب تعالیٰ کے دربار میں ذات پات کو نہیں دیکھا جاتا۔ وہاں تو تقویٰ دیکھا جاتا ہے یا پھر اعمال۔ مگر رونا تو اسی بات کا ہے کہ علاّمہ نقل کی حد سے آگے بڑھنے کے اہل نہیں تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا۔

''اُس سے فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہو کہا کسی طرح میری قوم جانتی''

آیت ۴۶: جناب علاّمہ نے آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا:

''اور کوئی حکم نہیں پہنچتا اُن کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو وہ ٹلاتے نہ ہوں''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''اور کوئی حکم نہیں پہنچتا اُن کو اپنے رب کے حکموں سے جس کو ٹلا نہیں دیتے''

شاہ صاحب نے ''ٹلا نہیں دیتے'' لکھا تھا تو حضرت علاّمہ کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ ''ٹلاتے نہ ہوں'' لکھیں۔ شاہ صاحب کے زمانے اور جناب کے عہد میں زبان اور اسلوب میں کتنا فرق ہو گیا تھا اس سے اُن کو کوئی غرض نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں کہ شاہ صاحب کے ''ٹلا نہیں دیتے'' میں جناب نے کوئی تصرف نہ کیا ہو۔ اگر جوں کا توں نقل کر دیتے تب بھی صبر تھا؛ مگر قابلیت کا اظہار بھی تو ضروری تھا۔ ظاہر ہے کہ ''ٹلا نہیں دیتے'' کو وہ متروک مانتے تھے۔ تبھی تو اُس کو بدلا؛ مگر یہ نہ سوچا کہ اگر شاہ صاحب کا لکھا ہوا فقرہ متروک ہے تو اُن کا لکھا ہوا فقرہ ''ٹلاتے نہ ہوں'' بھی تو متروک ہے۔ پھر اس کاریگری کی ضرورت ہی کیا تھی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور جب کبھی اُن کے رب کی نشانیوں سے کوئی نشانی اُن کے پاس آتی ہے تو منھ ہی پھیر لیتے ہیں''

واضح ہو کہ یہ ترجمہ حضرت علاّمہ کے ترجمے سے ۶ ربرس پیش تر کیا گیا تھا۔

آیت ۵۱: جناب علاّمہ کا کیا ہوا مکمل آیت کا ترجمہ یوں ہے:

''اور پھونکی جائے گی صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے''

اہلِ زبان ''صور'' کو مذکر بولتے اور لکھتے ہیں۔ تمام لغات میں اس کو مذکر درج کیا گیا ہے۔ تذکیر و تانیث پر لکھی ہوئی کتابوں میں بھی اس کو مذکر لکھا گیا ہے۔ مگر جناب علاّمہ تنہا اس کو مؤنث مانتے ہیں۔ اس لیے ''پھونکی جائے گی'' لکھا۔ جبکہ اس کی قواعدی جنس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایک اکیلے آدمی کی رائے زبان کے مسلمہ

اصولوں کو نہیں بدل سکتی۔

جناب علاّمہ کی اس رائے سے ہر پڑھا لکھا شخص اختلاف کرے گا۔ مناسب بلکہ بہتر معلوم ہوتا ہے اس سلسلے میں جناب علاّمہ کے ترجمے کے خاص ماخذ یعنی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور پھونکا جاوے نرسنگھا پھر تب ہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے"

غور فرمایئے کہ شاہ صاحب نے "پھیل پڑیں گے" لکھا تو جناب علاّمہ نے بھی اُسی کو نقل کر دیا۔ اس موقع پر اُن کو یہ فقرہ متروک معلوم نہیں ہوا۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کو پھیلنا کہنا درست نہیں۔ یہ تو ایک طرح سے بندوں کا سمٹنا ہوگا۔ امام احمد رضا نے آیت کا ترجمہ اس طرح فی الفور بول کر لکھایا:

"اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے"

آیت ۵۸: اس چھوٹی سی آیت کے ذیل میں جناب علاّمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

"سلام بولنا ہے رب مہربان سے"

بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کسی شخص کے پاس جانے والے کسی آدمی کے ذریعہ سلام بھیجا جا رہا ہو۔ عام رواج ہے۔ کہتے ہیں کہ "اچھا تم وہاں جا رہے ہو تو ہمارا سلام بھی کہہ دینا یا بول دینا" واضح ہو کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہ ترجمہ کیا تھا۔ جناب علاّمہ نے اس میں ایک لفظ کا بھی تصرف نہیں کیا۔ اس لیے اس کا نقل کرنا بے سود ہے۔ امام احمد رضا نے آیت سن کر فی البدیہہ یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

"اُن پر سلام ہوگا مہربان رب کا فرمایا ہوا"

آیت ۷۵: جناب علاّمہ نے اپنے چاہنے والوں کو اس آیت کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

"نہ کر سکیں گے اُن کی مدد اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آئیں گے"

ترجمہ ایک دم واضح نہیں ہے۔ ابہام موجود ہے۔ ہر کسی کے پلے نہیں پڑ سکتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ انہوں نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا:

"نہ کر سکیں گے اُن کی مدد کرنی اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آویں گے"

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ اُن کے لشکر سب گرفتار حاضر آئیں گے''

آیت ۷۸: آیت کے ایک حصّے کے تحت جناب علّامہ کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

''کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں''

خط کشیدہ لفظ (کھوکھری) فقیر راقم کے لیے نیا تھا اس لیے اس کے معنی دیکھنے کے لیے ڈکشنری سے استفادہ کیا مگر ڈکشنری میں یہ لفظ نہیں ملا۔ پھر یکے بعد دیگرے ڈکشنریاں کھنگالنی شروع کیں۔ راقم کے پاس جتنی اردو ڈکشنریاں تھیں (چھوٹی بڑی تقریباً دس ۱۰/عدد) ایک ایک کرکے سب دیکھ لیں۔ مگر لفظ ''کھوکھری'' کا اندراج کسی میں نہیں ملا طبیعت پریشان ہوگئی۔ تو شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے استفادہ کیا۔ انہوں نے اس حصۂ آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا تھا:

''کہنے لگا کون جلاوے گا ہڈیاں جب کھوکھلی ہوگئیں''

شاہ صاحب کے ترجمے سے استفادے کے بعد معلوم ہوا کہ جناب علّامہ نے ''کھوکھلی'' کو ''کھوکھری'' بنادیا تھا اپنی نافہمی پر ندامت ہوئی۔

جناب علّامہ کی ولادت علاقہ روہیل کھنڈ کے قلب بریلی شریف کی بتائی جاتی ہے۔ چودہ پندرہ برس کی عمر تک وہ وہیں رہے۔ اور یہی زمانہ زبان سازی میں معاون ہوتا ہے۔ بریلی میں یہ لفظ نہیں بولا جاتا اگر علاقہ روہیل کھنڈ میں بولا جاتا ہوگا تو بدایوں کے جنوب میں بولا جاتا ہوگا۔ جہاں برج بھاشا کا اثر پایا جاتا ہے۔ (اگرچہ اس کی بھی تصدیق نہیں ہے)۔ کیونکہ برج بھاشا میں ''لام'' بدل کر کہیں کہیں ''را'' ہوجاتا ہے۔ جیسے ''دار'' بجائے ''دال''۔

(میں نے کیا تھا کھیر پکیّے تے نے پکالی دار۔)

یا ''کمریا'' بجائے ''کملیا'' (جیسے یہ لے اپنی لکٹ کمریا بہت ہی ناچ نچایو۔)

یا ''کاری'' بجائے ''کالی'' اور ''بدریا'' بجائے ''بدلیا'' جیسے (کاہے نہ برست کاری بدریا۔)

یا ''کاجر'' بجائے ''کاجل'' (جیسے وہ گوکل کاجر کی کوٹھی۔)

اس طرح کے بہت سے الفاظ ہیں جو یادو ذات کے لوگ اور اُن کے گانوں کے رہنے والے بولتے ہیں۔ مگر حیرت اس بات پر ہے کہ جناب علّامہ کو یہ زبان کہاں سے آئی۔ اور آئی بھی تو اس سے اتنا لگاؤ کیوں کر ہوا کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا صحیح لفظ پسند نہ آیا اور اہیروں کا لفظ اُس کی جگہ رکھ دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ

سہارن پور کے ایک خاص قصبے کی اردو ہو جو وہاں سے نہ جانے کہاں کہاں پہنچی ہے۔

جناب علّامہ نے اپنا پسندیدہ لفظ قرآن کریم کے ترجمے میں داخل کیا۔ اس کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ لفظ ''کھوکھلی'' اُن کے نزدیک یا تو متروک تھا یا غیر فصیح۔

جب کہ صورت حال یہ ہے کہ یہ لفظ اب بھی نہ متروک ہے نہ غیر فصیح۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ایک اچھے خاصے لفظ کو مردود قرار دے کر جناب علّامہ نے یادب جاتی کے ایک لفظ کو کیوں ترجمے میں داخل کیا۔ یادوؤں اور اُن کی زبان سے یہ محبت کیا پیغام دیتی ہے یہ تحقیق کا موضوع ہے۔ جناب علّامہ کے ترجمہ قرآن کے قصیدہ خوانوں میں سے کوئی اس بات پر اعتراض تو خیر کیا کرتا کسی نے اس لفظ کی نشان دہی بھی نہیں کی۔ اگر جناب علّامہ نے یہ کام اچھا کیا تھا تو ان کے عقیدت مندوں کو اس لفظ کو رواج دینا چاہیے تھا۔ بہر حال ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا یہ ایک معما ہے جس کو کوئی نفسیات کا عالم ہی حل کر سکتا ہے

؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں''

خیال رہے کہ قیامت تک ہڈیاں بالکل گل جائیں گی۔ کھوکھلی تو چند سال میں ہو جاتی ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ یوں ہے:

''بولا ایسا کون ہے کہ ہڈّیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں''

۳۷۔ سورۂ صٰفّت

آیت ۱ تا ۳: علّامہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا:

''قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر''

اس ترجمے میں دو فقرے قابلِ غور ہیں اوّل ''صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر'' قطار ہو کر کہنا صحیح روزمرہ نہیں ''صف باندھنے والوں کی قطار میں کھڑے ہو کر'' یا ''صف باندھنے والوں کی قطار کے ساتھ'' یا اسی طرح کا کوئی بامعنی فقرہ ہوتا تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مگر جناب علّامہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل کرتے تھے تو شاید یہ سوچتے ہی نہیں تھے کہ کیا کر رہا ہوں۔ آخری فقرہ ''یاد کر کر'' جناب علّامہ کے خاص لب و لہجے کا حصہ

ہے۔شاہ صاحب کے ترجمے میں انہوں نے اتنا ہی تصرف کیا ہے۔شاہ صاحب نے "یاد کر" لکھا تھا۔علاّمہ نے "یاد کرکر" کردیا۔"یاد کرکے" لکھنے میں شاید انہیں قباحت معلوم ہوتی تھی۔

جناب علاّمہ نے ان تینوں آیتوں میں صرف اسی ایک لفظ "کر" کا اضافہ کیا ہے۔باقی ترجمہ شاہ صاحب کی نقل ہے۔اس لیے اس کو درج کرنا کچھ ضروری نہیں۔امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ بدر طریقت مولانا امجد علی کو یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"قسم اُن کی کہ با قاعدہ صف باندھیں پھر اُن کی کہ جھڑک کر چلاّئیں پھر اُن جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں"

ترجمہ پڑھیے اور زبان کی صفائی کی داد دیجیے۔

آیت ۷۷: اس آیت کے ذیل میں جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ درج فرمایا:

"اور رکھا اُس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے"

اگر کوئی گورکھ دھندا سلجھانے کا ماہر ہو تو اس کو سلجھا کر دکھائے۔اگر "باقی رہنے والی" ہوتا تو کچھ بات سمجھ میں آسکتی تھی۔کیونکہ "اولاد" مؤنث ہے مگر پھر بھی "وہی" بھرتی کا لفظ قرار پاتا۔اس سے نسبتاً صاف اور رواں ترجمہ تو شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا تھا۔اُن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اور رکھی اُس کی اولاد وہی رہ جانے والی"

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور ہم نے اُسی کی اولاد باقی رکھی"

زبان کی صفائی قابلِ داد ہے۔

آیت ۷۸: جناب علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے:

"اور باقی رکھا اُس پر پچھلے لوگوں میں"

اس ترجمے کو لفظ "پر" نے چیستاں بنادیا ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب علاّمہ کیا فرمانا چاہتے ہیں۔معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ فرمانا نہیں چاہتے۔وہ تو شاہ صاحب کے نقاّل ہیں۔شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور باقی رکھا اُس پر پچھلی خلق میں"

ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے زمانے میں "کو" کی جگہ "پر" کا بھی رواج رہا ہو۔مگر جناب علاّمہ کے عہد میں تو ایسا

ہرگز نہیں تھا۔امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”اور ہم نے پچھلوں میں اُس کی تعریف باقی رکھی“

آیت ۹۸: جناب علّامہ نے اپنے عقیدت مندوں کو اس آیت کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا:

”پھر چاہنے لگے اُس پر بُرا داؤ کرنا پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے“

اگر املا کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا جائے تو شاہ صاحب کا ترجمہ بھی یہی ہے۔دونوں ہی ترجمے مبہم ہیں۔امام احمد رضا نے آیت کے سنتے ہی فی الفور اس کا یہ ترجمہ املا کرایا:

”تو انہوں نے اُس پر داؤں چلنا چاہا ہم نے انہیں نیچا دکھایا“

آیت ۱۴۲: جناب علّامہ نے اس آیت کے ذیل میں یہ ترجمہ درج فرمایا:

”پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا“

”الزام کھایا ہوا“ اگر کہیں مروّج ہو تو قارئین کرام ایک پوسٹ کارڈ سے فقیر کو بھی مطلع فرمائیں۔شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا“

امام احمد رضا نے جناب صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی اعظمی کو اس آیت کا فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

”پھر اُسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا“

آیت ۱۴۳: جناب علّامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا:

”پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر اگر نہ ہوتا کہ وہ تھا یاد کرتا پاک ذات کو“

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

”تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا“

چند الفاظ میں وہ بات کہہ دی جو جناب علّامہ نے دو جملوں میں فرمائی ہے۔

آیت ۱۷۴: جناب علّامہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا ہے:

''سوتو اُن سے پھر آ ایک وقت تک''

جناب علاّمہ نے آیت ۱۷۸ کا بھی ایسا ہی ترجمہ فرمایا ہے:

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''سوتو پھر آ اُن سے ایک وقت تک''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''تو ایک وقت تک تم اُن سے منھ پھیر لو''

آیت ۱۷۹: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا:

''اور دیکھتا رہ اب آ گے دیکھ لیں گے''

پڑھتے رہیے اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہیے۔ شاید ہی کچھ پلّے پڑے۔ بالکل یہی ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی تحریر فرمایا تھا۔ جس کو جناب علاّمہ نے جوں کا توں نقل کرلیا۔ اس لیے اس کو یہاں درج کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آیت کا ترجمہ اس طرح جناب صدرالشریعہ کو لکھایا:

''اور انتظار کرو کہ وہ عنقریب دیکھیں گے''

۳۸۔ سورہ صٓ

آیت ۲۵: جناب علاّمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''پھر ہم نے معاف کردیا اُس کو وہ کام اور اُس کے لیے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

''پھر ہم نے معاف کردیا اُس کو وہ کام اور اُس کو ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

''تو ہم نے اُسے یہ معاف فرمادیا اور بیشک اُس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قُرب اور اچھا ٹھکانہ ہے''

آیت ۴۲: جناب علاّمہ نے اپنے نسخے میں یہ ترجمہ ارقام فرمایا:

''لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو''

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کیا لات سر سے بھی ماری جاتی ہے۔ یا کسی دیگر حصہ ٔ جسم مثلاً ہاتھ وغیرہ سے ماری جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ لات پیر سے ہی ماری جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ جناب علاّ مہ اس انداز سے ترجمہ تحریر فرما رہے ہیں جیسے کسی دیگر عضو سے بھی لات ماری جاتی ہو۔ یعنی وضاحت فرما رہے ہیں کہ خبردار لات پاؤں سے ہی مارنا۔ کہیں ہاتھ سے لات مت مار دینا ورنہ سارا معاملہ چوپٹ ہوجائے گا۔ ایسی اردو دانی پر کس کا دل قربان ہونے کو نہ چاہے گا۔ اگر ساری دنیا بھی جناب علاّ مہ کی وکالت کرے تو یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ''اپنے پاؤں سے'' کا ٹکڑا بھرتی کا نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے بھی یہی ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ مگر انھوں نے جیسی زبان اور جس لب و لہجے میں بھی ترجمہ عنایت فرمادیا اُن کا احسان ہے۔ اُن کے ترجمے کی خامی کے لیے اُن کو معذور سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اردو کے عالم طفولیت کا لہجہ تھا اور شاہ صاحب کا ترجمہ اردو کی چند ابتدائی تحریروں میں سے ایک تحریر ہے۔

زبان کے رموز اور مزاج سے ناآشنا جناب علاّ مہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ من وعن نقل کرلیا۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ طویل زمانے کے بعد اردو زبان میں کتنی تبدیلیاں واقع ہوچکی ہیں۔ یا پھر انہیں ان تبدیلیوں کا علم ہی نہیں تھا۔ امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل ترجمہ املا کرایا:

''زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو''

آیت ۴۵: جناب علاّ مہ کا اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے''

سرسری مطالعے سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ خط کشیدہ لفظ (کو) خلافِ محل واقع ہوا ہے۔ اس کو ''آنکھوں والے'' کے بعد ہونا چاہیے تھا۔ تین انبیا علیہم السلام کو ''ہاتھوں والے اور آنکھوں والے'' لکھ کر جناب علاّ مہ قرآن کریم کے ترجمہ خوانوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں، یہ فی بطن المترجم ہے۔ کیا جناب علاّ مہ خود آنکھوں والے یا ہاتھوں والے نہیں تھے۔ یا ان اعضا سے محروم تھے؟ ہاتھوں اور آنکھوں والے ہونے کے بیان سے ان انبیائے کرام کی کیا شان بلند ہوئی؟ جناب علاّ مہ کی یہ گل افشانی تحریر اُن کے شاگرد اور مفسر علاّ مہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو بھی کھٹکی اور حاشیے میں اُن کو وضاحت کرنی پڑی۔ انہوں نے حاشیے میں تحریر فرمایا۔ ''یعنی عمل اور معرفت والے''

اس وضاحت کے بعد آیت کا مفہوم قاری پر واضح ہوا۔ ورنہ جناب علاّمہ کا فرمایا ہوا تو صاف زوائد معلوم ہوتا ہے جبکہ قرآن میں کہیں کوئی عیب یا کمی نہیں ہے۔ اور ان کے یہاں زوائد کلام کا عیب ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی اردو زبان کے بالکل ابتدائی دور میں بالکل یہی ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ جناب علاّمہ نے آنکھیں بند کر کے اُس کو وہاں سے اٹھالیا اور اپنے نسخے کو اسی سے مزیّن کرلیا۔ ہوسکتا ہے جنابِ عالی خود بھی اس کا مطلب نہ سمجھے ہوں۔ (اگر سمجھتے تو وضاحت ضرور کرتے)۔ چونکہ جناب علاّمہ کا اس آیت کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے کی نقل مطابق اصل ہے اس لیے شاہ صاحب کا ترجمہ یہاں نقل کرنا ترجمے کی تکرار ہوگی۔ اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو''

آیت ۵٦: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ترجمے میں اس طرح اپنے علم اور اپنی دانائی کا ثبوت فراہم کیا ہے:

''دوزخ ہے جس میں اُن کو ڈالیں گے سو کیا بُری آرام کرنے کی جگہ ہے''

اس ترجمے سے یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ دوزخ آرام کرنے کی جگہ ہے۔ گویا وہاں جانے والوں کو آرام ملے گا۔ اگر ایسی بات ہے تو دوزخ میں جانے سے کوئی کیوں گھبرائے گا۔ رہی بُری جگہ ہونے کی بات تو بُری جگہ جانے سے لوگ زیادہ خائف نہیں ہوتے۔

یہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے ترجمے میں دوزخ کو آرام کی جگہ نہیں قرار دیا تھا۔ یہ جناب علاّمہ کا اختراع ہے۔ شاہ صاحب کا عطا کیا ہوا ترجمہ یوں ہے:

''دوزخ جس میں پیٹھیں گے سو کیا بُری تیّاری''

حیرت اس بات پر ہے کہ جہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی زبان قابل فہم ہوتی ہے وہاں جناب علاّمہ اُس کو غلط قرار دے کر ٹھوکر کھانے کا سامان پیدا کر لیتے ہیں اور جہاں زبان میں قدامت کی وجہ سے سقم ہوتا ہے وہاں رغبت کے ساتھ قبول فرما لیتے ہیں۔ گویا موصوف کو اچھے بُرے کی تمیز بھی نہیں تھی۔ جناب امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ مندرجہ ذیل املا کرایا:

''جہنم کہ اُس میں جائیں گے تو کیا ہی بُرا بچھونا اُن کو''

۳۹۔ سورۂ زُمر

آیت ۱۴: اس آیت کا جناب علاّمہ کا عنایت فرمایا ہوا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اُس کے واسطے''

ترجمے کا نصف آخر واضح نہیں ہے۔ اس لیے ہر شخص کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ سمجھ بھی سکتے ہیں؛ مگر ترجمہ ہو یا کوئی اور صِنف کچھ خاص لوگوں کو ذہن میں رکھ کر نہیں لکھی جاتی۔ جہاں اصطلاحات کا استعمال ہو وہاں دوسری بات ہے۔ اسی طرح ادب کے بعض شعبے بھی مستثنیٰ ہیں؛ مگر قرآن کریم کا ترجمہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ ہر فردِ بشر سمجھے۔

جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو زبان کے ابتدائی عہد میں یہ ترجمہ ہمارے بزرگوں کو دیا تھا:

''تو کہہ مَیں تو اللہ کو پوجتا ہوں نِری کر کے اپنی بندگی اُسی کے واسطے''

لفظ ''نِری'' یا ''نِرا'' اگرچہ اب تحریر میں استعمال نہیں ہوتا مگر اب بھی خالص کے معنی میں بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور سو ۱۰۰ برس پہلے تو خوب رائج تھا۔ نامعلوم جناب علاّمہ کو اس کے استعمال میں کیا قباحت نظر آئی۔ امام احمد رضا نے اس کا نہایت واضح اور صاف ترجمہ لکھایا:

''تم فرماؤ مَیں اللہ ہی کو پوجتا ہوں نِرا اُس کا بندہ ہو کر''

آیت ۲۳: جناب علاّمہ نے اس آیت کریمہ کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح بین السّطور میں رقم فرمایا:

''اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی''

پورا ترجمہ ہی مہمل معلوم ہوتا ہے۔ (اگر کسی کو اس بات سے اختلاف ہو تو اس ترجمے کا مفہوم بیان کرے) مگر ''بہتر بات کتاب'' تو کسی پریشان ذہن مریض کی بَڑ سے کم نہیں۔ اس سے بہتر ترجمہ تو جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا تھا۔ جس میں سے ایک لفظ نکال کر جناب علاّمہ نے اسے قطعی مہمل بنا دیا۔ اُن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب کی آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کا ترجمہ اُٹھا کر اپنے نسخے میں سجاتے ہوئے ایک لفظ ''کی'' کو متروک یا غیر فصیح سمجھ کر ترجمے سے خارج کر دیا اور جو تھوڑا بہت سمجھ میں آ رہا تھا اُس کو بھی چیستاں بنا دیا۔ ویسے شاہ صاحب کا ترجمہ

بھی آیت کو سمجھانے میں کوئی خاص مدد نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ اُن کے عہد کی زبان کی خامی کی وجہ سے ہے، اس لیے اُن کو معذور سمجھنا چاہیے۔ مگر جناب علاّمہ کی اس مہمل نقل کو کیا کہا جائے۔ حیرت ہے کہ ندوہ کے ایک سپوت اسی کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ کہتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اللہ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی''

ملاحظہ فرمایئے آیت آئینہ ہوگئی۔ لسانی اعتبار سے اس سے بہتر ترجمہ ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔

آیت ۲۴: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

''بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منھ پر بُرا عذاب دِن قیامت کے''

شاہ صاحب کے ''جووہ'' کو جناب علاّمہ نے ''وہ جو'' سے بدل دیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''بھلا ایک جووہ روکتا ہے اپنے منھ پر بُرا عذاب دن قیامت کے''

جناب علاّمہ کی یہ ترمیم غنیمت ہے مگر کیا اس کے سوا وہ کچھ اور نہیں کر سکتے تھے۔ ترجمہ تو اب بھی صاف نہیں ہوا۔ علاّمہ موصوف الفاظ بدلنے کے سوا شاید اور کچھ کرنے پر قادر ہی نہیں تھے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ بڑے اعلیٰ درجے کے مترجم تھے۔ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ہنر ہو تو ایسا ہو جیسا جناب علاّمہ کے پاس تھا۔ اب اس حصہ آیت کا ترجمہ کنز الایمان میں ملاحظہ فرمایئے۔ اس طرح ہے:

''تو کیا وہ جو قیامت کے دن بُرے عذاب کی ڈھال نہ پائے گا اپنے چہرے کے سوا''

آیت ۲۹: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا:

''اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اُس میں شریک ہیں کئی ضدّی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا برابر ہوتی ہیں دونوں مثل''

اس ترجمے کی روشنی میں اصل مفہوم تک ہر شخص نہیں پہنچے گا۔ کچھ ایسا ہی ترجمہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔ اُس کو بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایک مرد ہے کہ اُس میں کئی شریک ضدّی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کوئی برابر ہوتی ہے اُن کی کہاوت''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرف بھی کیا بلکہ انہوں نے ایک لفظ ''کہاوت'' کو متروک یا غیر

فصیح سمجھ کر (جو اَب تک نہ تو متروک ہے نہ غیر فصیح) ترجمے سے خارج کردیا مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ جو ابہام تھا وہ باقی رہا۔امام احمد رضا نے اس حصّے کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام میں کئی بدخوآقا شریک اور ایک نرے ایک مولیٰ کا کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے''

اس ترجمے کو پڑھ کر سمجھ میں آگیا کہ آیت میں کیا فرمایا گیا ہے۔

آیت ۳۲: جناب علاّمہ محمودالحسن صاحب کا لکھا ہوا اس آیت شریفہ کے چند الفاظ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''پھر اُس سے ظالم زیادہ کون''

جناب علاّمہ کے عہد کی اردو میں لکھی ہوئی چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔کیا کوئی بتاسکتا ہے کہ اس طرح کی زبان کہیں لکھی ہوئی ہے۔یہ بھی نہیں کہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کی نقل ہو۔انہوں نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''پھر اُس سے ظالم کون''

شاہ صاحب کا یہ ترجمہ آج کل کی زبان سے بھی بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔اگر علاّمہ کو اس میں زورِ بیان سے کام لینا تھا تو لفظ ''زیادہ'' لفظ ''ظالم'' سے پہلے لانا چاہیے تھا، نہ کہ بعد میں۔معلوم ہوا کہ جناب علامۃ الدہر کی اصل زبان وہی تھی جو اُن کے ترجمے میں ہے۔اس راز سے بھی اُس حالت میں پردہ اُٹھا ہے جب انہوں نے شاہ صاحب کی نقل مِن وعَن نہیں فرمائی۔ورنہ یہ راز بھی راز ہی رہ جاتا۔بہرحال اردو زبان کی یہ تخریب اُن کو اور اُن کے عقیدت مندوں کو مبارک ہو۔امام احمد رضا نے اس حصّے کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون''

آیت ۶۳: جناب علاّمہ محمودالحسن نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا ہے:

''اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے''

خط کشیدہ فقرہ (جو ہیں وہی ہیں) خام زبان کا نمونہ ہے، نہ آج کل اس کا رواج ہے نہ پچھلی صدی عیسوی میں تھا۔ثبوت کے لیے جناب علاّمہ کے عہد کی کتابیں موجود ہیں، دیکھی جاسکتی ہیں۔اگرچہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اسی طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ظاہر ہے کہ اُن کے عہد میں یہی زبان چلن میں رہی ہوگی۔جناب علاّمہ نے

ایک لفظ کی گھٹت بڑھت یا تبدیلی کیے بغیر اس کو اُٹھا کر اپنے مصحف میں رکھ لیا اور انہیں یہ یاد نہ رہا کہ وہ شاہ صاحب کے ترجمے کی زبان کی اصلاح کے عہد کے ساتھ ہی اس کام کے لیے آمادہ ہوئے تھے۔امام احمد رضا نے اس حصّے کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

''اور جنھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی نقصان میں ہیں''

آیت ۷۳: جناب علاّمہ نے آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ''

''ہانکا جانا'' اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔عموماً یہ لفظ جانوروں کو آگے بڑھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اور اس کے سننے کے ساتھ ہی یہ تصور بندھتا ہے کہ کچھ جانوروں یا ایک جانور کو کوئی شخص ہاتھ میں ڈنڈا لیے آگے بڑھا رہا ہے۔انسان کے لیے اگر یہ لفظ استعمال بھی ہوتا ہے تو ذلیل کرنے اور بھگانے کے لیے۔فارسی میں اس کو ''راندن'' کہا جاتا ہے۔جس کا اسمِ مفعول ''راندہ'' آتا ہے اور ''راندۂ درگاہ'' مشہور ہے۔اس کو سبھی جانتے ہیں۔جنت میں لے جانے یا بھیجنے کے لیے تو ''ہانکنا'' کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی ''ہانکے گئے'' لکھا تھا؛ مگر اُن کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اس لیے اُن کو معذور سمجھنا چاہیے۔مگر حیرت تو اُن علاّمہ فہامہ پر ہے جو بغیر سوچے سمجھے اُن کی نقل کرتے ہیں۔شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اور ہانکے گئے جو ڈرتے تھے اپنے رب سے بہشت کو جتھّے جتھّے''

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ املا کرایا:

''اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے اُن کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلی جائیں گی''

سواریوں کے لیے ''ہانکنے'' کا لفظ استعمال ہوسکتا تھا۔مگر کمالِ احتیاط یہ ہے کہ امام احمد رضا نے ایسا نہیں کیا۔

۴۰۔ سورۂ مؤمن

آیت ۷: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

''جو لوگ اُٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں''

غور طلب ہے کہ عرش کو کون حضرات اٹھائے ہوئے ہیں۔ سبھی جانتے ہیں کہ حاملانِ عرش ملائکہ ہیں۔ کیا ملائکہ کو ’’لوگ‘‘ کہنا درست ہے؟ حیرت ہوتی ہے جناب علاّ مہ کی زبان دانی پر۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ فرشتوں کو ’’لوگ‘‘ نہیں کہا یا لکھا جاتا۔ اگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ایسا لکھا تھا تو یہ اُس زمانے کی زبان کی خامی تھی۔ علاّ مہ کے عہد میں تو فرشتوں کو ’’لوگ‘‘ کسی نے نہیں لکھا۔

’’پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی‘‘۔ چلیے الفاظ کی ترتیب غلط سہی مگر پھر بھی بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن اس کے بعد ’’خوبیاں‘‘ کا کیا محل تھا۔ ’’پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں‘‘ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ’’بولتے‘‘ کا فاعل ’’پاکی‘‘ ہو۔ یہ سب جناب شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی بھونڈی نقالی کا نتیجہ ہے۔

جناب علاّ مہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں ’’عرش‘‘ کے بعد صرف ایک لفظ ’’کو‘‘ کا اضافہ فرمایا ہے۔ باقی ترجمہ شاہ صاحب کا ہی ہے۔ اس وضاحت کے بعد شاہ صاحب کا ترجمہ نقل کرنا فضول ہے۔ امام احمد رضا نے فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

’’وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اُس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بولتے‘‘

آیت ۲۹: جناب علاّ مہ نے آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

’’اے میری قوم آج تمہارا راج ہے چڑھ رہے ہو ملک میں‘‘

’’چڑھ رہے ہو ملک میں‘‘ علاّ مہ کے عہد کا روز مرّہ نہیں۔ شاہ صاحب کے عہد میں ممکن ہے رہا ہو۔ جناب علاّ مہ نے شاہ صاحب کے اس ترجمے میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے علاوہ کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’اے قوم میری تمہارا راج ہے آج چڑھ رہے ہو ملک میں‘‘

چلیے جناب علاّ مہ نے الفاظ کی ترتیب بدل کر ترجمے کی کچھ مرمت ضرور کی۔ مگر ’’چڑھ رہے ہو ملک میں‘‘ کو یونہی رہنے دیا۔ امام احمد رضا نے اس جُز کا یہ ترجمہ لکھایا تھا:

’’اے میری قوم آج بادشاہی تمہاری ہے اس زمین میں غلبہ رکھتے ہو‘‘

آیت ۵۵: آیت کے ایک جُز کا ترجمہ جناب علاّ مہ نے حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

’’اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو اور صبح کو‘‘

اس ترجمے کا حال بھی وہی ہے جو اسی سورت کی آیت ۵۵ کے ترجمے کا ہے۔شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی یہی ہے جس کو جناب علاّمہ نے اپنے عہد کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی۔امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عطا فرمایا:

''اوراپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے صبح اور شام اُس کی پاکی بولو''

آیت ۶۵: جناب علاّمہ نے آیت کا ترجمہ اس طرح درجِ مصحف فرمایا:

''وہ ہے زندہ رہنے والا کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے سو اُس کو پُکارو خالص کر کر اُس کی بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''وہ ہے زندہ رہنے والا کسی کی بندگی نہیں اُس کے سِوا سو اُس کو پکارو نری کر کے اُس کی بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا''

دونوں ترجموں میں خط کشیدہ حصّے ایسے ہیں جن سے سامع یا قاری کچھ سمجھ نہیں سکتا۔علاّمہ نے ''خالص کر کر'' استعمال کر کے اس کو پہیلی بنا دیا۔شاہ صاحب کے ساتھ زبان کی خامی کا عُذر قابلِ قبول ہے۔مگر جناب علاّمہ کے پاس تو کوئی معقول عُذر بھی نہیں ہے۔امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''وہی زندہ ہے اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اُسے پوجو نِرے اُسی کے بندے ہو کر سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب''

۴۱۔ سورۂ حٰمٓ سجدہ

آیت ۱۰: جناب علاّمہ محمودالحسن نے آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ قارئین کو اس طرح عنایت فرمایا:

''اور رکھے اُس میں بھاری پہاڑ اُوپر سے اور برکت رکھی اُس کے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے:

''اور رکھے اُس میں بوجھ اُوپر سے اور برکت رکھی اُس کے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی''

دونوں ترجموں میں یہ ابہام پایا جاتا ہے کہ کس کی خوراکیں ٹھہرائیں۔یہ بیان پر دسترس نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

جناب علاّمہ کے مفسّر علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو یہ کمی کھٹکی تو اُنھیں یہ بات حاشیے میں واضح کرنی پڑی۔ امام احمد رضا نے آیت سُن کر فی الفور حضرت مولانا امجد علی اعظمی کو یہ ترجمہ تحریر کرایا تھا:

''اور اُس میں اُس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اُس میں برکت رکھی اور اُس میں اُس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں''

آیت ۴۴: اس آیت کے ایک حصّے کے ترجمے میں جناب علاّمہ اس طرح رقم طراز ہیں:

''اور اگر ہم اُس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ تو کہہ یہ ایمان والوں کے لیے سوجھ ہے اور روگ کا دور کرنے والا''

یہ جان کر قارئین کرام کو حیرت ہوگی کہ جناب علاّمہ نے ''عَـجَـمِـیٌّ'' کا ترجمہ ''اوپری'' کیا ہے۔ کون ہے جو اوپری سے عجمی یا غیر عربی زبان مراد لے گا۔ عجمی یا عجم ایسے الفاظ بھی نہیں ہیں جن سے قرآن کریم سے ذوق رکھنے والا ناواقف ہو۔ جناب علاّمہ نے ''عجمی'' کے بجائے ''اوپری'' لکھ کر اردو زبان کے قارئین کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ظاہر ہے جناب علاّمہ کی نظر میں عجمی زبان اوپری تھی تو عربی زبان ذیلی، زیریں یا نچلی ہوگی۔ فقیر کا خیال ہے کہ جناب علاّمہ کی مجبوری یہ تھی کہ بات بات میں شاہ عبدالقادر صاحب کے محتاج تھے اور زبان کی مجبوری کے باعث شاہ صاحب نے ''اوپری'' لکھا تو جناب علاّمہ میں اس کو بدلنے کی ہمت نہیں تھی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اگر ہم اُس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں اوپری زبان اور عرب کا ......تو کہہ یہ ایمان والوں کو سوجھ ہے اور روگ کا دفع''

﴿جہاں بیاض (......) ہے وہاں کوئی لفظ ہوسکتا ہے مگر جلد سازی میں ورق چپکنے اور پھر چھوٹنے سے یہاں اگر کوئی لفظ تھا تو وہ محو ہوگیا ہے۔ تصدیق کے لیے دوسرا نسخہ فقیر کو فراہم نہ ہوسکا﴾

امام احمد رضا نے اس حصّۂ آیت کا نہایت صاف اور سلیس ترجمہ فوری طور پر جناب صدرالشریعہ سے قلم بند کروایا:

''اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن کرتے تو ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا کتاب عجمی اور نبی عربی تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے''

آیت ۵۱: اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ جناب علاّمہ نے اس طرح تحریر فرمایا:

''اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے اپنی کروٹ''

معلوم نہیں جناب علاّمہ کو ''ٹلانا'' کے مشتقات کس قدر مرغوب تھے۔ شاہ صاحب نے جہاں بھی اس کے مشتقات لکھے انہوں نے نہیں بدلے۔ جبکہ اُن کے عہد میں ''ٹلانا'' مصدر تحریر میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔ البتہ شاہ صاحب کے عہد میں اور کچھ زمانے بعد تک اس کے چلن کے شواہد ملتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں بھی جناب علاّمہ نے معمولی سا پھیر بدل کیا ہے۔ ورنہ انہیں کے ترجمے کی نقل ماری ہے۔ شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اور جب ہم نعمت بھیجیں انسان پر ٹلا جاوے اور موڑے اپنی کروٹ''

امام احمد رضا نے اس طرح ترجمہ لکھایا:

''اور جب ہم آدمی پر احسان کرتے ہیں تو منھ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے''

۴۲۔ سورۂ شوریٰ

آیت ۴: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح ارشاد فرمایا:

''اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا''

سب سے اوپر سے جہت کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے شبہات زبان پر مصنف کے عبور نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ زبان کی مجبوریوں کے باعث ہی جناب شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی یہی ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ امام احمد رضا نے اس جُز کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور وہی بلندی وعظمت والا ہے''

آیت ۱۱: طویل آیت کے ایک بڑے حصّے کا ترجمہ جناب علاّمہ نے حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

''بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنادیے تمہارے واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں میں سے جوڑے بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح''

جناب علاّمہ کے ترجمے کے مآخذ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنادیے تم کو تم ہی میں سے جوڑے اور چوپایوں میں سے جوڑے بکھیرتا

ہے تم کو اس طرح''

جناب علاّمہ نے حضرت شاہ صاحب کے ترجمے کو اپنا بنانے کے لیے دو لفظ بدلے مگر جو ترمیم ضروری تھی اُس کو نظر انداز کر گئے یا سمجھ ہی نہ سکے۔ ''بنا نکالنا'' نہ جانے کب کا متروک ہے۔ جناب علاّمہ نے اس کو یونہی رہنے دیا۔ ''بکھیرتا ہے'' شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ''یَذْرَؤُكُمْ فِيْهِط'' کا لفظی ترجمہ کیا تھا۔ جناب علاّمہ کے عہد میں اور اُس کے بعد اب تک اس کا صحیح مفہوم لینا کسی کے لیے بھی مشکل ہے۔ متروکات کو درست کرنے کا اِدعا کرنے والے جناب علاّمہ کو یہ فقرہ متروک نہیں معلوم ہوا۔ معلوم نہیں اُن کے یہاں متروک لفظ کا مفہوم کیا تھا۔ شاید جس لفظ کو وہ متروک کہہ دیں وہ متروک تھا یا جس کے بدلنے پر وہ قادر ہوں وہ متروک تھا۔ غالباً جناب علاّمہ نے متروک کی شناخت کا یہی معیار متعین کیا تھا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''آسمانوں اور زمین کا بنانے والا تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور نر و مادہ چوپائے اس سے تمہاری نسل پھیلاتا ہے''

ہوسکتا ہے کسی کو امام احمد رضا کا ترجمہ غلط معلوم ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ علاّمہ محمود الحسن صاحب کے شاگرد علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا حاشیہ ملاحظہ فرمالے جو انہوں نے اس آیت کے بارے میں ارقام فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی حضرت اُستاذ کے ترجمے سے مطمئن نہیں تھے، تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر اُن کی کتنی نسلیں پھیلا دیں''

یہ بھی امام احمد رضا کا فیضان معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حاشیہ کنزالایمان کی اشاعت کے بعد لکھا گیا تھا۔ اُستاذ نقل کے ماہر تھے تو شاگرد بھی تھوڑے بہت تو ہوں گے ہی۔

آیت ۱۵: جناب علاّمہ اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ہم کو ملیں گے ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام''

جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''ہم کو ملنے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ''ملنے ہیں'' کو ''ملیں گے'' سے بدل دیا۔ گویا ''ملنے ہیں'' اُن کی نظر میں

متروک تھا۔ کیا جناب علاّمہ نے فعل کی یہ صورت کہیں استعمال نہیں کی۔ امام احمد رضا نے فوری طور پر حضرت صدرالشریعہ کو یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

’’ہمارے لیے ہمارا عمل اور تمہارے لیے تمہارا کیا‘‘

صحت کے ساتھ صفائی اس ترجمے کی خوبی ہے۔

آیت ۵۲: جناب علاّمہ نے ایک حصۂ آیت کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

’’تُو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان‘‘

اگرچہ شاہ صاحب نے بھی یہی ترجمہ فرمایا تھا۔ (جناب علاّمہ نے صرف ایک لفظ ’’اور‘‘ کا اضافہ فرمایا ہے) مگر زبان کی بے مائیگی کے سبب اُن پر الزام رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

جناب علاّمہ نے اردو نثر کے ترقی پذیر عہد میں ایسا ترجمہ تحریر فرمایا کہ گناہ گاروں کی بخشش کرانے والے، کفر کی تُند آندھیوں میں ایمان کی شمع روشن کرنے والے، محبوبِ ربِ المومن بلکہ جانِ ایمان سیّدِ کائنات ﷺ کو نعوذ باﷲ من ذالک ایمان سے ہی خارج قرار دے دیا، کوئی انتہا ہے اس ظلم و تعدّی کی۔ اگرچہ کہتے ہیں کہ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ پھر بھی نادم ہوں اس ترجمے کی نقل کے لیے۔ مولاے تعالیٰ فقیر کو معاف فرمائے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

’’اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل‘‘

بعض حضرات امام احمد رضا کے ترجمے پر بغیر سوچے سمجھے چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے بعض حضرات اس ترجمے پر بھی ناک بھوں سکیڑیں اور اس کو مبنی بر غلو اور بدعت قرار دینے لگیں۔ مگر کہاوت ہے کہ جو سمجھتا ہے وہ ہارتا ہے۔ جناب علاّمہ کے ترجمے کے حاشیہ نگار اور اُن کے نیاز مند و شاگردِ خاص علاّمہ شبیر احمد عثانی صاحب نے بھی جب اپنے اُستاد کا ترجمہ دیکھا تو انہیں بھی احساس ہوا کہ جناب علاّمہ بہت بڑی گستاخی فرما گئے۔ اس لیے بطور لیپا پوتی حاشیے میں تحریر فرمایا:

’’یعنی ایمان اور اعمالِ ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں گو نفسِ ایمان کے ساتھ ہمیشہ متصف تھے۔‘‘

غالب نہیں بلکہ اغلب ہے کہ یہ بھی کنزالایمان کا ہی فیضان ہے۔ بالکل امام احمد رضا کا اسٹائل معلوم ہوتا ہے۔

۴۳۔ سورۂ زخرف

آیت ۱۱: علّامہ محمودالحسن صاحب نے آیت شریفہ کا یہ ترجمہ اپنے معتقدین اور مدّاحوں کو عنایت فرمایا:

”اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی ماپ کر پھر اُبھار کھڑا کیا ہم نے اُس سے ایک دیس مُردہ کو اسی طرح تم کو بھی نکالیں گے“

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ عطا فرمایا تھا:

”اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی ناپ کر پھر اُبھارا ہم نے اُس سے ایک دیس مُردہ اسی طرح تم کو نکالیں گے“

جناب علّامہ، شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی تصحیح و صفائی کے لیے ہی مترجم بنے تھے؛ مگر اس میں ذرّہ برابر شک نہیں کہ انہوں نے اس کی تخریب کی۔ ”ناپنا“ اردو زبان میں شاہ صاحب کے عہد میں بھی فصیح تھا، جناب علّامہ کے عہد میں بھی اور آج بھی فصیح ہے۔ اس کو بدلنا مناسب نہیں تھا۔ پھر شاہ صاحب کے عام فہم فقرے ”پھر اُبھارا ہم نے“ کو ”پھر اُبھار کھڑا کیا“ سے بدل کر نہ جانے کون سا تیر مارا ہے۔ (جناب علّامہ کو ”کھڑا کرنا“ کچھ زیادہ ہی مرغوب تھا) غرض کہ سنوارنے کی بجائے بگاڑنے کے درپے رہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

”اور وہ جس نے آسمان سے پانی اُتارا ایک اندازے سے تو ہم نے اُس سے ایک مُردہ شہر زندہ فرمادیا یونہی تم نکالے جاؤ گے“

آیت ۱۸: جناب علّامہ کا عنایت فرمایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

”کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے“

کچھ عرض کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا تحریر فرمودہ ترجمہ بھی درج کردیا جائے۔ جو یہ ہے:

”اور ایسا شخص کہ پلتا ہے گہنے میں اور جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے“

”گہنے“ اور ”زیور“ میں معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ ”گہنے“ ایسا لفظ ہے جو کبھی متروک بھی نہیں مانا گیا۔ مگر ہر لفظ کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے۔ یہ آیت عورتوں کے بارے میں ہے مگر جناب علّامہ کے ترجمے میں ”زیور“

اور مذکر فعل ’’پاتا ہے‘‘ کے آ جانے سے ایسا لگتا ہے جیسے یہ بات کسی خاموش طبع یا گونگے سُنار کے بارے میں کہی گئی ہے۔امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

’’اور کیا وہ جو گہنے میں پروان چڑھے اور بحث میں صاف بات نہ کرے‘‘

اس ترجمے کو پڑھ کر کسی کا خیال کسی مرد کی طرف نہیں جاتا۔ یہاں یہ لکھ دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ’’گہنے‘‘ کی خوبی کا احساس جناب علاّمہ کے ترجمے کے بعد پھر ہوا اور ترجمے کے محاذ میں حوضے میں کسی مجہول مصحح نے اس کا متبادل ’’گہنے‘‘ درج کیا ہے۔یہ بھی امام احمد رضا کا فیضان معلوم ہوتا ہے۔

آیت ۳۸: جناب علاّمہ نے اس طرح ترجمہ نویسی فرمائی:

’’یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا کہ کیا بُرا ساتھی ہے‘‘

کچھ ایسا ہی ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب کا بھی ہے،فرماتے ہیں:

’’یہاں تک کہ جب آوے ہم پاس کہے کسی طرح مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا کہ کیا بُرا ساتھی ہے‘‘

دونوں ترجموں کو پڑھنے کے بعد بھی اگر مفہوم سمجھ میں نہ آیا ہو تو امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

’’یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئے گا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں تجھ میں پورب پچھّم کا فاصلہ ہوتا تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے‘‘

کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ترجمہ خود ہی بول رہا ہے۔

آیت ۶۵: جناب علاّمہ کے نسخے میں ترجمہ اس طرح درج ہے:

’’پھر پھٹ گئے کتنے فرقے اُن کے بیچ سے سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دُکھ والے دن کی‘‘

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی تقریباً یہی ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ملاحظہ فرمائیں:

’’پھر پھٹ گئے فرقے اُن کے بیچ سے سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دُکھ والے دن کی‘‘

فرقوں میں تقسیم ہونے کے لیے ’’پھٹ جانا‘‘ شاید شاہ صاحب کے عہد میں رائج رہا ہو۔علاّمہ کے عہد میں تو رائج

نہیں تھا۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ لکھایا:

”پھر وہ گروہ آپس میں مختلف ہو گئے تو ظالموں کی خرابی ہے ایک دردناک دن کے عذاب سے“

۴۴۔ سورۂ دُخان

آیت ۳: جناب علّامہ محمود الحسن اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح نقل فرماتے ہیں:

”ہم ہیں کہہ سُنانے والے“

یہ ترجمہ آیت کے جس حصّے کا ہے اُس میں لفظ ”مُنْذِرِیْنَ“ بھی ہے مگر اردو ترجمے میں اس کی کوئی رعایت نظر نہیں آتی۔ یوں بھی ”کہہ سُنانا“ جناب علّامہ یا ہمارے عہد کا روزمرّہ نہیں ہے؛ مگر جناب علّامہ کے سامنے مجبوری بلکہ بڑی مجبوری یہ تھی کہ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا اور علّامہ کو نقل کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ اس لیے وہ بھی یہی ترجمہ لکھ گئے۔ امام احمد رضا کا اس جُز کا ترجمہ یہ ہے:

”بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں“

آیت ۲۸: جناب علّامہ نے اس آیت کا جو ترجمہ عنایت فرمایا وہ درجِ ذیل ہے:

”یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا ہم نے ایک دوسری قوم کے“

”ہاتھ لگنا“ بہ معنی ”پانا“ یا ”حاصل ہونا“ روزمرّہ ہے۔ تحریر میں بھی استعمال ہوتا ہے اور تقریر میں بھی مستعمل ہے؛ لیکن یہ بات شاید پیچھے بھی کہیں مذکور ہو چکی ہے کہ اس کا فعل متعدّی نہیں آتا۔ نہ تحریر میں اور نہ تقریر میں۔ ”ہاتھ لگانا“ کا مطلب چھونا یا سہارا دینا وغیرہ ہیں۔ ”دِلانا“ کے معنی میں یہ کہیں استعمال نہیں ہوتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے خام اردو کے زمانے میں اس آیت شریف کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”اسی طرح اور وہ سب ہاتھ لگایا ہم نے ایک اور قوم کو“

شاہ صاحب کے سامنے زبان کی مجبوری تھی اس لیے اُن کو معذور رکھیے؛ مگر شاید جناب علّامہ کے سامنے عوامی زبان نہیں بلکہ اپنی زبان کی مجبوری تھی اس لیے وہ اکثر و بیشتر نقل پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ حضرت صدرالشریعہ کو اس طرح قلم بند کرایا:

”ہم نے یونہی کیا اور اُن کا وارث دوسری قوم کو کر دیا“

۴۵۔ سورۂ جاثیہ

آیت ۲۳: جناب علّامہ کے نسخے میں اس آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

”بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اُس کو اللہ نے جانتا بوجھتا اور مہر لگا دی اُس کے کان پر اور دِل پر اور ڈال دی اُس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اُس کو اللہ کے سوائے سو کیا تم غور نہیں کرتے“

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

”بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنی چاؤ کو اور راہ سے کھو دیا اُس کو اللہ نے جانتا بوجھتا اور مہر کی اُس کے کان پر اور دِل پر اور ڈالی اُس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اُسکو اللہ کے سوا کیا تم سوچ نہیں کرتے“

جناب علّامہ نے اس ترجمے میں ایک تصرّف بجا کیا تو دوسرا بے جا۔ ”چاؤ“ کو ”خواہش“ سے بدل دیا بجا کیا؛ مگر ”کھو دیا“ کی جگہ ”بچلا دیا“ جیسا لفظ لا کر تصرّفِ بے جا سے کام لیا۔ زبانی گفتگو میں کہیں ایک آدھ بار آ جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر معلوم نہیں ہندوؤں کی زبان کا یہ لفظ جناب علّامہ کو کیوں اتنا مرغوب ہے کہ پورے قران کے ترجمے میں بیسیوں بار اس کا اعادہ کیا ہے۔ وہاں بھی جہاں شاہ صاحب نے یہ لفظ نہیں لکھا تھا۔

امام احمد رضا خان نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا:

”بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اُسے باوصف علم گمراہ کیا اور اُس کے کان اور دِل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اُسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے“

باوصفِ علم گمراہ کرنے کی بات جناب شبیر احمد عثمانی نے بھی اپنے حاشیے میں لکھی ہے۔ یہ کنزالایمان کے مطالعے کا فیض معلوم ہوتا ہے۔ اب اس آیت کے جناب علّامہ اور امام احمد رضا کے ترجموں کے ایک ایک فقرے کا موازنہ کیجیے اور انصاف سے کام لیجیے:

ترجمہ محمود الحسن صاحب		ترجمۂ امام احمد رضا فاضل بریلوی

بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو		بھلا دیکھ تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا
اور راہ سے بچلا دیا اُس کو اللہ نے جانتا بوجھتا		اور اللہ نے اُسے باوصف علم گمراہ کیا
اور مہر لگادی اُس کے کان پر اور دِل پر		اور اُس کے کان اور دِل پر مہر لگادی
اور ڈال دی اُس کی آنکھ پر اندھیری		اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا
پھر کون راہ پر لائے اُس کو اللہ کے سوائے		تو اللہ کے بعد اُسے کون راہ دکھائے
سو کیا تم غور نہیں کرتے		تو کیا تم دھیان نہیں کرتے

۴۶۔ سورۂ احقاف

آیت ۴: علّامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرمایا:

"تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا اُن کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی عِلم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچّے"

یہ صدیوں پرانا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ہی ہے۔ جناب علّامہ نے اس کے چند الفاظ میں تصرّف فرمایا ہے اور بس۔ اس دعوے کی دلیل خود شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ ہے جو حسب ذیل ہے:

"تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ تو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا کچھ اُن کا ساجھا ہے آسمانوں میں لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا چلا آتا کوئی عِلم اگر ہو تم سچّے"

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا ذرّہ بنایا یا آسمان میں اُن کا کوئی حصّہ ہے میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچّے ہو"

آیت ۲۴: جناب علّامہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ فرمایا:

"پھر جب دیکھا اُس کو ابر سامنے آیا اُن کے نالوں کے بولے یہ اَبر ہے ہم پر برسے گا کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک"

یہ ترجمہ بھی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کا چربہ ہے۔ چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ۔شاہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں:

’’پھر جب دیکھا اُس کو ابر سامنے آیا اُن کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے ہم پر برسے گا کوئی نہیں یہ وہ ہے جس کی تم شتابی کرتے تھے ہوا ہے جس میں دُکھ کی مار ہے‘‘

اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا بغیر کسی تیاّری کے فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

’’پھر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے میں پھیلا ہوا اُن کے وادیوں کی طرف آتا بولے کہ یہ بادل ہے ہم پر برسے گا بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب‘‘

آیت ۳۲: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ رقم فرمایا:

’’اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بُلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اُس کا اُس کے سوائے مددگار وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح‘‘

’’اللہ کے بلانے والے‘‘ سے جناب علاّمہ کی کیا مراد ہے یہ وہی جانتے ہوں گے۔ہاں، اگر ’’اللہ کی طرف بلانے والا‘‘ ہوتا تو بات سمجھ میں آتی۔ پھر زمین میں بھاگ کر کوئی کسی کو کیسے تھکا سکتا ہے یہ بات بھی وہی جانتے ہوں گے یا پھر اُن کے عقیدت منداس کی صراحت کرسکتے ہیں۔ بھاگنے والا خود تھکے گا یہ بات تو واقعی ہے مگر جناب علاّمہ بھاگنے والے کے غیر کے تھکنے یا نہ تھکنے کی بات کررہے ہیں جو عام فہم نہیں۔

لیکن مشکل یہی ہے کہ جناب علاّمہ، شاہ صاحب کے ترجمے میں کسی تسہیل یا اضافے کے اہل نہ تھے۔انہیں تو اُن کے چاہنے والوں نے ’’ہوبہو‘‘ کرکے زبردستی مچان پر بٹھادیا تھا، کھیت کی رکھوالی اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اُس کو اُس کے سوا مددگار وہ لوگ بھٹکے ہیں صریح‘‘

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ جناب صدرالشریعہ کو قلم بند کرایا:

’’اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اُس کا کوئی

مددگار نہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں‘‘

۴۷۔ سورۂ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم)

آیت ۶: جناب علاّمہ محمود الحسن کے نسخے میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے:

’’اور داخل کرے گا اُن کو بہشت میں جو معلوم کرادی ہے اُن کو‘‘

آخری فقرہ ’’جو معلوم کرادی ہے اُن کو‘‘ خلافِ روزمرّہ ہے۔ ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں اس کا رواج رہا ہو۔ جناب علاّمہ کے عہد کی کسی کتاب میں اس طرح کا فقرہ نہیں ملا۔ واضح ہو کہ یہ ترجمہ ایک لفظ کے حذف کے ساتھ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ہی ہے۔ شاہ صاحب نے ’’وہ اُن کو‘‘ لکھا تھا، جس سے جناب علاّمہ نے لفظ ’’وہ‘‘ حذف فرمادیا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

’’اور انہیں جنت میں لے جائے گا انہیں اُس کی پہچان کرادی ہے‘‘

آیت ۱۷: جناب علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح قرآن کریم میں درج فرمایا:

’’اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں اُن کو اور بڑھ گئی اُس سے سوجھ اور اُن کو اُس سے بچ کر چلنا‘‘

صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ابتدائی عہد کی اردو ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں علاّمہ نے صرف ایک لفظ میں تصرف فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے ’’اور بڑھی اُس سے‘‘ تحریر فرمایا تھا، جناب علاّمہ نے ’’اور بڑھ گئی اُس سے‘‘ کردیا۔ اپنے عہد کے یا بعد میں آنے والوں کے روزمرّہ کا بالکل خیال نہیں رکھا۔ امام احمد رضا نے حضرت صدرالشریعہ کو یہ ترجمہ املا کرایا:

’’اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے اُن کی ہدایت اور زیادہ فرمائی اور اُن کی پرہیزگاری انہیں عطا فرمائی‘‘

۴۸۔ سورۂ فتح

آیت ۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کریمہ کے ایک جُز کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا:

’’اور اُتار دی اُن پر سے اُن کی بُرائیاں‘‘

بحالتِ موجودہ ترجمے کی زبان قابلِ اعتراض ہے۔ ’’بُرائیاں‘‘ جمع ہے اور فعل ’’اُتار دی‘‘ واحد۔ یا تو ’’بُرائیاں اُتار دیں‘‘ ہونا چاہیے تھا یا ’’بُرائی اُتار دی‘‘ ہوتا۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی صورت یہاں نہیں ہے۔ شاہ

عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"اور اُتار دے اُن سے اُن کی برائیاں"

شاہ صاحب کے اس ترجمے پر قواعدِ زبان کی رُو سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو نہایت جامع ترجمہ کہا جانا چاہیے؛ لیکن جناب علاّمہ، شاہ صاحب کے ترجمے سے متفق نہ ہوئے۔ حالانکہ اس ترجمے میں نہ تو تفہیم کے لحاظ سے کوئی کمی تھی اور نہ کوئی لفظ متروک تھا، جس کو جناب علاّمہ کے لیے حسبِ وعدہ یا حسبِ اعلان بدلنا ضروری ہوتا، مگر انہیں کچھ نہ کچھ اپنا کام بھی دکھانا ضروری تھا۔ اور جہاں جہاں جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے سے چھیڑ چھاڑ کی ہے وہاں کچھ نہ کچھ بگاڑ ضرور کر بیٹھے ہیں۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور اُن کی بُرائیاں اُن سے اُتار دے"

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور شاہ عبدالقادر علیہما الرحمہ کے ترجمے پڑھنے کے بعد ایک بات خیال میں آتی ہے کہ ہوسکتا ہے جناب علاّمہ نے بھی "اُتار دے" ہی لکھا ہو۔ مگر اُن کے عہد میں یائے مجہول اور یائے معروف کے اِملا میں خاص و عام سبھی بے احتیاطی سے کام لیتے تھے۔ ممکن ہے "اُتار دی" کسی کاتب کا سہو ہو۔ اگر ایسا ہے تو جناب علاّمہ کی خطا کافی ہلکی ہوجاتی ہے۔ مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا کہ جب شاہ صاحب کے ترجمے میں کوئی خامی نہیں تھی تو جناب علاّمہ کو دخل اندازی کی سوجھی ہی کیوں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ دنیا کی ایک دولت مند حکومت نے بار بار اس کی اشاعت کی۔ کیا اس اشاعتِ کثیرہ سے پہلے ایسی خامیوں کو دور کرنا ضروری نہیں تھا؟ قیاس کہتا ہے کہ سعودی حکومت کو ترجمہ مکمل تصحیح کے بعد ہی دیا گیا ہوگا۔ افسوس کہ یہ غلطی ندوہ کے ایک سپوت علی میاں کو بھی نظر نہ آئی۔ جنھوں نے اس کو اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا تھا۔

لیکن آخر کار پول کھُل ہی گئی۔ سعودی حکومت کے بعض وفادار اچھّے اردو داں بھی ہیں۔ انہوں نے ضرور اس ترجمے کو پرکھا ہوگا۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اب سعودی عرب کی بادشاہت حُجّاجِ کرام کو یہ ترجمہ تقسیم نہیں کرتی۔ یہ اس کا واضح ثبوت ہے۔

آیت ۱۰: جناب علاّمہ نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو"

کیا اس ترجمے سے کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتا کہ قول توڑنے والا اپنے نقصان کو بھی توڑ رہا ہے۔ نقصان کو توڑنے کا یہ مطلب بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ نقصان کو کم یا ختم کررہا ہے۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ نقصان میں کمی ہورہی ہے۔ ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ فائدے میں کمی نہ ہو۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس حصّہٗ آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے بُرے کو“

حق یہ ہے کہ آیت کے مذکورہ جُز کا اس سے بہتر ترجمہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جناب علاّمہ نے دخل اندازی کرکے سراسر ترجمے کی تخریب کی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضرت صدرالشریعہ کو فوری طور پر اس حصّہٗ آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

”تو جس نے عہد توڑا اُس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا“

آیت ۱۴: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا حسب ذیل ترجمہ زیب قرطاس فرمایا:

”اور اللہ کے لیے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”اور اللہ کا راج ہے آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور مار دے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان“

جناب علاّمہ نے اس آیت پاک کے ترجمے میں غور وفکر کے بعد واقعی کچھ ترقی کی ہے۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ رقم کرایا:

”اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“

۴۹۔ سورۂ حُجُرات

آیت ۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں ارقام فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کرلو“

جناب علاّمہ نے ”فَاسِقٌ“ کا ترجمہ ”گنہگار“ کیا ہے۔ یہ ایک دم غلط تو نہیں مگر اس موقع کے لیے قطعی درست

نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جناب علاّ مہ کواردو الفاظ کے استعمال پر عبور حاصل نہیں تھا، ورنہ اس موقع پر ''فَاسِقٌ'' کا ترجمہ ''گنہگار'' نہ کرتے۔

اولادِ آدم میں معصوم صرف انبیاے کرام علیہم السلام ہیں۔اکثریت اور بھاری اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو گناہ گار ہوتے ہیں۔رہے اولیاے کرام تو وہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں؛ لیکن اُن کی تعداد بھی غیر محفوظ اکثریت کے مقابلے میں اقلِ قلیل ہے۔اب غور کیجیے کہ اگر علاّ مہ کے ترجمے پر عمل کیا جائے تو کیسی دشواری کا سامنا ہوگا کہ کسی کی بات کا اعتبار ہی نہیں کر سکتے اور اگر اعتبار کریں تو حکمِ خداوندی کی مخالفت ہوگی۔

جناب علاّ مہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو نقل کرتے ہوئے اس پیش آیندہ مشکل پر غور نہیں کیا۔شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو اپنے عہد کی کج مج زبان میں لفظ ''فاسق'' کا یہی بدل اچھا معلوم ہوا۔جب کہ اس کا ترجمہ نافرمان، جھوٹا، بدکار، بدکردار جیسے الفاظ سے کیا جا سکتا تھا۔حالانکہ ہمارے عہد میں اس کی ضرورت نہیں ہے اور علاّ مہ کے عہد میں بھی نہیں تھی۔اس لیے کہ ''فاسق'' لفظ کا مفہوم اردو میں کسی دوسرے لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔البتہ قرآن کا ہر قاری ''فاسق'' کے مفہوم کو سمجھتا ہے۔خواہ وہ اُس کی تشریح کرنے پر قادر نہ ہو۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے یوں ترجمہ رقم فرمایا تھا:

''اے ایمان والو اگر آوے تم پاس ایک گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کرو''

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو''

آیت ۱۳: جناب علاّ مہ نے آیت کے ایک جُز کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''تحقیق عزّت اللہ کے یہاں اُسی کو بڑی جس کو ادب بڑا''

جناب علاّ مہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں معمولی سا تصرف کرتے ہوئے ''ادب بڑا'' کو باقی رکھا یہ ''اَتْقٰکُمْ'' کا ترجمہ ہے۔

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''مقرر عزت اللہ کے ہاں اُسی کو بڑی جس کا ادب بڑا''

شاہ صاحب کی سمجھ میں ''اَتْقٰکُمْ'' کا ترجمہ ''ادب بڑا'' ہی آیا تو انہوں نے یہی لکھ دیا۔علاّ مہ نے جہاں دو لفظ

اور بدلے تھے اِس ''کو'' کو بھی بدل دیتے؛ مگر شاید اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ شاہ صاحب کے لفظ ''ہاں'' کو یہاں سے بدلنا یہ بتاتا ہے کہ جناب علاّمہ ''ہاں'' بمعنی ''یہاں'' کو متروک سمجھتے تھے۔ جبکہ یہ اب بھی شرفا کا روزمرّہ ہے۔ اگر علاّمہ، شاہ صاحب کے ترجمے میں آئے ''اُس کو'' کو ''اُس کی'' سے بدل دیتے تو مناسب ہوتا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے''

۵۰۔ سورۂ قٓ

آیت ۳۸: جناب علاّمہ نے آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں تحریر فرمایا:

''اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان''

''تکان'' بالاتفاق مؤنث ہے؟ لیکن جناب علاّمہ اس کو مذکر کی طرح استعمال فرما رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو اُن کے بیچ ہے چھ دن میں اور ہم کو نہ آئی کچھ ماندگی''

شاہ صاحب کا ترجمہ صاف ہے؛ لیکن جناب علاّمہ کو بھی کچھ نہ کچھ کاریگری دکھانی تھی۔ چلیے ٹھیک ہے؛ مگر کسی سے یہ تو پوچھ لیتے کہ ''تکان'' مؤنث ہے یا مذکر۔ امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا اور تکان ہمارے پاس نہ آئی''

۵۱۔ سورۂ ذٰریٰت

آیت ۱۹: جناب علاّمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارقام فرمایا:

''اور اُن کے مال میں حصّہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا''

جناب علاّمہ کے اس ترجمے میں ''ہارے ہوئے'' ''مَحْرُوْمٌ'' کا ترجمہ ہے۔ شاہ صاحب کی سمجھ میں اس لفظ کا مرادف ''ہارے'' آیا تو انہوں نے یہی لکھ دیا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے میں ''محروم'' کو ''ہارا'' بھی کہتے ہوں۔

جناب علاّمہ نے یہ نہ سوچا کہ اُن کے عہد میں محروم کو ’’ہارا ہوا‘‘ نہیں کہتے اور بلا تامّل نقل فرما لیا۔ نیز ’’سَـائِلٌ‘‘ (واحد) کا ترجمہ شاہ صاحب نے مانگتے کیا تھا۔ جناب علاّمہ نے اس کو ’’مانگنے والوں‘‘ (صیغۂ جمع) کر لیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

’’اور اُن کے مال میں حصّہ تھا مانگتے کا اور ہارے کا‘‘

امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ لکھایا:

’’اور اُن کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا‘‘

آیت ۲۳: علاّمہ صاحب نے آیت کے ایک حصّے کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

’’سو قسم ہے ربِ آسمان اور زمین کی‘‘

’’آسمان‘‘ اور ’’زمین‘‘ کے مابین ہندی عطف ’’اور‘‘ آ گیا۔ لہٰذا ’’آسمان‘‘ کی اضافت ’’رب‘‘ کے ساتھ تو ہے مگر ہندی عطف بیچ میں آ جانے کی وجہ سے ’’زمین‘‘ کا مضاف ’’رب‘‘ ہونا خلافِ قاعدہ ہے۔ اس لیے اس ترجمے کا مفہوم ہوا ’’آسمان کے رب کی قسم اور زمین کی قسم‘‘ اور یہ مفہوم درست نہیں۔ یہ غلطی زبان کے غلط استعمال کے سبب راہ پا گئی۔ اگرچہ شاہ صاحب نے بھی بعینہٖ یہی ترجمہ کیا تھا؛ مگر اُن کے عہد کی بات دوسری تھی۔ اُس وقت زبان کے قواعد و ضوابط منضبط نہیں ہوئے تھے۔ مگر اب یہ بات خلافِ قاعدہ ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

’’تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم‘‘

اس ترجمے میں فارسی اضافت ہے ہی نہیں۔ اس لیے کوئی خامی نہیں۔

آیت ۳۱: جناب علاّمہ اس طرح ترجمہ نگار ہیں:

’’بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ‘‘

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ارشاد کا مفہوم کیا ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بھی یہی ترجمہ فرمایا تھا جس کو جناب علاّمہ نے من و عن نقل فرما لیا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا:

’’ابراہیم نے فرمایا تو اے فرشتو تم کس کام سے آئے‘‘

الحمدللہ کہ بات بالکل واضح ہو گئی۔

۵۲۔ سورۂ طور

آیت ۱و۲: علاّمہ محمودالحسن صاحب نے ایک لفظ کے تصرف کے ساتھ ان آیتوں کا یہ ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے نقل فرمایا:

''قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی''

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے پر جناب علاّمہ نے صرف ایک لفظ ''ہوئی'' کا اضافہ فرمایا ہے۔شاہ صاحب کا ترجمہ ہے:

''قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کتاب بغیر لکھی بھی ہوتی ہے۔اس ترجمے میں یا تو ''لکھی ہوئی'' زاید ہے یا پھر ''کتاب''۔شاہ صاحب کی نقل مارتے وقت نہ جانے جناب علاّمہ کی عقل کہاں چلی جاتی تھی۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کی اردو سے بھی نابلد تھے۔امام احمد رضا نے ان آیتوں کا فی الفور یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''طور کی قسم اور اس نوشتے کی''

آیت ۹و۱۰: جناب علاّمہ نے ان آیتوں کے ذیل میں شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ترجمہ نقل فرمایا:

''جس دن لرزے آسمان کپکپا کر اور پھریں پہاڑ چل کر''

قارئین کرام!غور فرمائیں کہ کیا کوئی شے بغیر کپکپائے بھی لرز سکتی ہے یا بغیر لرزے کپکپا سکتی ہے۔یہ بھی غور طلب ہے کہ کیا کوئی شے ایسی ہے جو بنا چلے ہی جہاں تہاں پھرتی پھرے۔ایسے تراجم کی زبان پر افسوس کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا اور مزید افسوس اس بات پر ہے کہ جناب علاّمہ ایک بڑے مدرسے کے صدر مدرس اور نہ جانے کتنے مولویوں کے اُستاد تھے۔جب اُستاد کی یہ حالت ہے تو شاگردوں کے علم و عقل کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔اگرچہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی بالکل یہی ترجمہ فرمایا تھا؛مگر ابتدائی عہد کی ابتدائی کوشش میں اس سے زیادہ کی توقع فضول ہے۔اپنے عہد کے لحاظ سے شاہ صاحب نے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔

اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کے فی الفور لکھائے ترجمے کو ملاحظہ فرمائیے:

''جس دن آسمان ہلنا سا ہلنا ہلیں گے اور پہاڑ چلنا سا چلنا چلیں گے''

تقریباً سو برس پُرانا یہ ترجمہ آج کی اردو کے عین مطابق ہے۔پڑھے لکھے اور زبان کے مزاج شناس آج بھی اسی

طرح بولتے ہیں۔ جیسے اُس کو تکلیف سی تکلیف ہے، آج گرمی سی گرمی ہے، بارش میں نقصان سا نقصان ہوا ہے، زید مغرور سا مغرور ہے وغیرہم۔ یعنی کسی کیفیت کی شدّت کے اظہار کے لیے یہ پیرایۂ بیان ہمارے عہد میں کچھ اور بھی زیادہ رواج پذیر ہو گیا ہے۔

آیت ۱۳: جناب علاّمہ کا نہایت غور و فکر کے بعد درست کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''جس دن کہ دھکیلے جائیں گے دوزخ کی طرف دھکیل کر''

''دھکیل کر دھکیلنا'' چہ معنی دارد؟ یہ شاید جناب علاّمہ ہی جانتے ہوں یا اُن کے عقیدت مند۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''جس دن دھکیلے جاویں دوزخ کو دھکیل کر''

بات ایک ہی ہے۔ ہو سکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں اسی طرح بولا اور لکھا جاتا ہو اور نہ بھی بولا جاتا ہو تو اس ابتدائی کوشش پر اعتراض ہر لحاظ سے غلط ہوگا۔ اس بات کا بار بار اعادہ کیا جا چکا ہے۔ شاہ صاحب نے جیسا بھی ترجمہ کر دیا اُن کا احسان ہے۔ اس کو خطا کہنا بڑی خطا ہے۔ امام احمد رضا نے حضرت صدرالشریعہ کو فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا:

''جس دن جہنم کی طرف دھکّا دے کر دھکیلے جائیں گے''

آیت ۲۴: اس آیت کے ایک حصّے کا جناب علاّمہ کا شاہ صاحب کے ترجمے سے نقل کردہ ترجمہ یہ ہے:

''اور پھرتے ہیں اُن کے پاس چھوکرے''

''چھوکرے'' شرفا کی زبان نہیں۔ نہ اب ہے نہ جناب علاّمہ کے عہد میں تھی۔ مگر جناب علاّمہ کو تو نقل کرنے سے غرض تھی۔ شاید وہ سوقیانہ بازاری زبان اور شرفا کی زبان کے فرق سے بھی نا واقف تھے۔ اگرچہ جناب شاہ عبدالقادر نے بھی یہی ترجمہ فرمایا تھا مگر فقیر اُن کو خاطی نہیں گردانتا۔ ہو سکتا ہے اس عہد میں دلّی کے گلی کوچوں میں اس لفظ کا چلن ہو۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور اُن کے خدمت گار لڑکے اُن کے گرد پھریں گے''

آیت ۳۷: شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے اردو نثر کے عہدِ شیر خواری میں اس آیت کا جو ترجمہ کیا تھا اس کو جناب علاّمہ نے من و عن نقل فرما لیا۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

"کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی داروغہ ہیں"

آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں اور دونوں کفارِ مکّہ کے بارے میں ہیں۔ان کفار کے بارے میں علّامہ کے شاگرد اور اُن کے نام نہاد ترجمے کے محشی علّامہ شبیر احمد عثمانی حاشیے میں رقم طراز ہیں:

"یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اُس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے............پھر ایسے صاحبِ تصرف واقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع ومنقاد کیوں بنیں"

علّامہ عثمانی کے اس حاشیے کے آخری حصّے سے مستفاد ہوتا ہے کہ کفارِ مکّہ کے "صاحبِ تصرف واقتدار" ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔تو کیا کسی صاحبِ تصرف واقتدار کو "داروغہ" لکھنا درست ہے؟

امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"یا اُن کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا وہ کڑوڑے ہیں"

اس کے حاشیے میں حضرت صدرالافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"خود مختار جو چاہے کریں کوئی پوچھنے والا نہ ہو"

لفظ "کڑوڑا" کے معنی لغت سے لکھے جا چکے ہیں اب اہلِ انصاف غور فرمائیں اور بتائیں کہ صاحبِ تصرف و اقتدار، خود مختار، ایسے جو کچھ بھی کرلیں کوئی باز پُرس کرنے والا نہ ہو کے لیے اردو زبان میں "کڑوڑا" سے زیادہ مناسب کون سا لفظ ہے؟ داروغہ کہنا گویا منھ چڑانا ہے۔ع

صلاے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

اب "فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف نے جو تاثر دیا ہے کہ "امام احمد رضا نے لفظ "کڑوڑا" اس لیے استعمال کیا کہ وہ حضور ﷺ کو جو درجہ دیتے ہیں۔لفظ "کڑوڑا" سے اس کا بھرم رہ گیا" اُس کی پول کھل گئی۔اب مصنف کیا کہیں گے یہاں تو "کڑوڑا" مشرکینِ مکّہ کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جہاں جس لفظ کی ضرورت تھی وہاں وہی استعمال کیا ہے۔یہاں "کڑوڑا" کا ہی محل تھا۔"داروغہ" کے حمایتی ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

نیز بقول مصنف "کنزالایمان میں "کڑوڑا" ۴/جگہ آیا ہے" کے برخلاف یہ لفظ ۶/جگہ آیا ہے۔۵/جگہ کی نشان دہی ہوچکی۔چھٹا مقام سورۂ غاشیہ کی آیت ۲۲ ہے۔البتہ پانچویں اور چھٹے مقام پر یہ "وکیل" کا نہیں "مُصَیْطِرٍ"

کا ترجمہ ہے۔

۵۳۔ سورۂ نجم

آیت ۶۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب اس آیت شریفہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی یہی ترجمہ کیا تھا اور اپنے عہد کی زبان کے مطابق کیا تھا۔ جناب علاّمہ کا اس کو بنا یہ سوچے کہ ''کھلاڑیاں کرنا'' اُن کے عہد میں مستعمل نہیں من وعن نقل فرمالیا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ نقل فرمایا:

''اور تم کھیل میں پڑے ہو''

۵۴۔ سورۂ قمر

آیت ۱۶: علاّمہ محمود الحسن صاحب سورۂ ہذا میں متعدد بار آنے والی اس آیت کا یہ ترجمہ فرماتے ہیں:

''پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا''

جناب علاّمہ نے لفظ ''نُــــذُر'' کا ترجمہ کھڑکھڑانا کیا ہے۔ شاہ صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ ''ڈرکا'' کیا تھا، جو غالباً ''دھڑکا'' کی ابتدائی شکل ہے۔ ''کھڑکھڑانا'' کے اتنے معنی نکلتے ہیں کہ آج کل کے قاری کا ذہن شاید ہی اس سے ''دھمکانے'' کی طرف منتقل ہو۔ جب کہ دھمکانا اُن کے عہد میں خوب رائج تھا۔ امام احمد رضا نے آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''تو کیسا ہوا میرا عذاب اور میری دھمکیاں''

آیت ۲۸: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

''اور سُنا دے اُن کو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں ہر باری پر پہنچنا چاہیے''

''بانٹا'' بھی بمعنی ''تقسیم کرنا'' نہ آج رائج ہے نہ کل رائج تھا۔ اس کی جگہ پر ''بنٹائی'' یا ''بٹائی'' یا ''بانٹ'' کا البتہ رواج تھا اور اب بھی ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اور سُنا دے اُن کو کہ پانی کا بانٹنا ہے اُن میں ہر باری پر پہنچنا ہے''

جناب علاّمہ کو ''بانٹنا'' متروک معلوم ہوا۔ قربان جایئے اس زبان دانی پر جبکہ بانٹنا نہ اُن کے عہد میں متروک تھا، نہ آج متروک ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ اپنے قارئین کو مرحمت فرمایا:

''اور انہیں خبر دے دے کہ پانی اُن میں حصّوں سے ہے ہر حصّے پر وہ حاضر ہو جس کی باری ہے''

آیت ۳۶: جناب علاّمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

''اور وہ ڈرا چکا تھا اُن کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو''

''پھر لگے مکرانے ڈرانے کو'' ہوسکتا ہے کچھ لوگ اس فقرے کا مفہوم سمجھتے ہوں۔ فقیر حقیر صابر سنبھلی کُھلے دل اور کُھلے ذہن سے اعتراف کرتا ہے کہ جناب علاّمہ کی یہ زبان اس کی فہم سے بہت بلند و بالا ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''اور وہ ڈرا چکا اُن کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے دھڑکا''

جناب علاّمہ نے ''دھڑکا'' کو ''ڈرانے'' سے بدلا، یہ اچھا کیا مگر ''مکرانے'' کی وجہ سے پھر بھی مفہوم واضح نہیں ہوا۔ ہوسکتا ہے اس پُرانے لفظ کو جناب علاّمہ بھی نہ سمجھے ہوں ورنہ وہ اس کو بھی بدل دیتے۔ امام احمد رضا نے جناب صدر الشریعہ کو یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور بے شک اُس نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تو انہوں نے ڈر کے فرمانوں میں شک کیا''

آیت ۴۲: اُستاذ الاساتذۂ دارالعلوم دیوبند علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

''جُھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے اُن کو پکڑ نا زبردست کا قابو میں لے کر''

لگے ہاتھوں اس آیت کریمہ کا شاہ عبدالقادر صاحب کا تحریر فرمودہ ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''جھٹلائیں ہماری نشانیاں ساری پھر پکڑی ہم نے اُن کو پکڑ زبردست کے قابو میں لے کر''

جناب علاّمہ کے ترجمے کا پہلا فقرہ ''ہماری نشانیوں کو سب کو'' اہلِ زبان سے داد چاہتا ہے۔ ''نشانیوں کو'' کے بعد ''سب کو'' لا کر جناب علاّمہ نے بڑے بڑے زبان دانوں کا ناطقہ بند کردیا۔ کیا دوبار لفظ ''کو'' کا استعمال ضروری تھا؟ اگر ایک بچّے کو بھی یہ یا اس طرح کا دوسرا جملہ بولنا پڑے تو یہی کہے گا ''سب نشانیوں کو'' اور شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح لکھا تھا ''نشانیاں ساری''۔ معلوم نہیں جناب علاّمہ کو یہ الفاظ کیوں متروک معلوم

ہوئے۔

"پکڑا ہم نے اُن کو پکڑنا" فقرہ بھی نہ جانے کتنے زبان دانوں کی داد حاصل کر چکا ہوگا۔ اگر کسی صاحب پر اس کا مفہوم واضح ہو گیا ہو تو فقیر حقیر کو بھی مطلع فرما دیں۔ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ فعل مصدر کی صورت میں نہیں ہے؛ بلکہ حاصلِ مصدر کی شکل میں ہے۔ جناب علاّمہ کو بے موقع مصدر کے استعمال کا بھی بہت شوق ہے۔ قارئین کرام یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ شوق بے فائدہ ہے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"انہوں نے ہماری سب نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے اُن پر گرفت کی جو ایک عزّت والے اور عظیم قدرت والے کی شان تھی"

آیت ۵۰: جناب علاّمہ نے یہ ترجمہ اپنے قارئین کو عنایت فرمایا:

"اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے لپک نگاہ کی"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بھی لگ بھگ یہی ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔ جناب علاّمہ نے اُس میں صرف ایک لفظ "تو" کا اضافہ فرمایا ہے۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا"

۵۵۔ سورۂ رحمٰن

آیت ۱۳: بار بار دوہرائی جانے والی اس آیت شریفہ کا ترجمہ علاّمہ محمود الحسن صاحب نے نہیں فرمایا بلکہ شاہ عبدالقادر صاحب نے جو ترجمہ لکھا تھا اُسی کو اپنے نسخے میں من وعن نقل فرما لیا۔ وہ ترجمہ یوں ہے:

"پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جُھٹلاؤ گے تم دونوں"

کم علم رکھنے والے "تم دونوں" کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔ اگر جناب علاّمہ بیان واظہار کے قرینوں سے واقف ہوتے تو اس کو اِس طرح مبہم نہ چھوڑتے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا تھا:

"تو اے جن واِنس تم دونوں اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے"

آیت ۳۳: جناب علاّمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ پڑھنے والوں کو عنایت فرمایا:

”اے گروہ جنّوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہوسکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بدون سند کے“

”نہیں نکل سکنے کے“ کا بھی جواب نہیں۔ علاوہ ازیں ”بِسُلْطٰنٍ“ کا ترجمہ ”سند“ کیا گیا ہے جو اصل مفہوم سے دور جا پڑا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بھی کچھ ایسا ہی ہے مگر اس سے زیادہ صاف اور رواں ہے۔ اُس میں ”نہیں سکنے کے“ بھی نہیں ہے، ملاحظہ فرمالیں:

”اے فرقے جنّوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہوسکے کہ نکل بھاگو آسمان اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکو گے بے سند“

غور فرمایئے! شاہ صاحب کے صاف اور رواں ترجمے کی جناب علاّمہ نے کیسی مٹی پلید کی ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”اے جن و انسان کے گروہ اگر تم سے ہوسکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اُسی کی سلطنت ہے“

”بِسُلْطٰنٍ“ کا بھی اس سے زیادہ موزوں اور مناسب ترجمہ ممکن نہ تھا۔

۵۶۔ سورۂ واقعہ

آیت ۱ و ۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب ان دونوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”جب ہو پڑے ہو پڑنے والی نہیں ہے اُس کے ہو پڑنے میں کچھ جھوٹ“

ترجمے کی لفظیات پر غور فرمایئے۔ قارئین کرام میں سے کچھ نے دیکھا ہوگا کہ بہت بار بچے اور کبھی کبھی بڑے بھی کھیل کھیل میں دل لگی کے طور پر دوسروں سے ایسے فقروں کی تکرار کراتے ہیں، جن میں کسی ایک حرف یا لفظ کی تکرار ہوتی ہے اور بار بار تکرار یا تو مشکل ہوتی ہے یا جلدی جلدی دوہرانے میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ جیسے:

اونچی پیٹھ تو اونٹ کی اور اونٹ کی اونچی پیٹھ۔

کھڑک سنگھ کو دیکھ کر کھڑ کنے لگیں کھڑکیاں اور کھڑکیوں کو دیکھ کر کھڑ کنے لگے کھڑک سنگھ۔

کچھ ایسی ہی لفظیات اس ترجمے کی ہے۔ قطع نظر دوسری باتوں کے مفہوم بھی واضح نہیں ہوتا۔ بالکل یہی ترجمہ شاہ

عبدالقادر صاحب نے اپنے عہد کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں کیا تھا۔ جناب علاّمہ نے صرف ایک لفظ ’’کچھ‘‘ کا اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے۔

امام احمد رضا نے فی الفور جناب صدرالشریعہ کو یہ صاف اور رواں ترجمہ املا کرایا:

’’جب ہولے گی وہ ہونے والی اُس وقت اُس کے ہونے میں کسی کی انکار کی گنجائش نہ ہوگی‘‘

آیت ۳: جناب علاّمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

’’پست کرنے والی ہے بلند کرنے والی‘‘

یہ آیت کے کسی جُزو کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ مکمل آیت کا ہے۔ اگر اس کے مفہوم کو کوئی سمجھ لے تو ماننا پڑے گا کہ پہیلیاں بوجھنے میں اُسے مہارتِ تامّہ حاصل ہے۔ اگر علاّمہ چند الفاظ کی کنجوسی نہ کرتے تو ترجمہ عام فہم ہوسکتا تھا۔ شاید اس ضرورت کو جناب علاّمہ کے حاشیہ نگار علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے بھی محسوس کیا اور حاشیے میں اس طرح صراحت فرمائی:

’’یعنی ایک گروہ کو نیچے لے جاتی ہے اور ایک گروہ کو اوپر اُٹھاتی ہے‘‘

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے عہد کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اس آیت کا یہ ترجمہ فرمایا تھا۔ ’’اُتارتی ہے چڑھاتی ہے‘‘ اور امام احمد رضا یہ ترجمہ املا کرایا:

’’کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلندی دینے والی‘‘

آیت ۱۰: جناب علاّمہ کے نسخے میں اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ درج ہے:

’’اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے‘‘

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

’’اور اگاڑی والے سو اگاڑی والے‘‘

دونوں ترجموں کو بغور ملاحظہ فرمایئے۔ شاہ صاحب کے ’’سو‘‘ کو جناب علاّمہ نے ’’تو‘‘ سے بدل دیا۔ مطلب یہ ہوا کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں لفظ ’’سو‘‘ یا تو متروک تھا یا غلط۔ مگر ستم یہ ہوا کہ جناب علاّمہ کے نسخے میں بعد کو کسی مجہول مصحح نے حوضے میں (جہاں وہ تصحیحات درج کرتا ہے) پھر ’’سو‘‘ لکھ دیا۔ گویا کہ علاّمہ کے ہم خیال اور معتقد مصحح کی نظر میں بھی جناب علاّمہ کی یہ اجتہاد نما تبدیلی غلط تھی۔ ہر اردو داں جانتا ہے کہ لفظ ’’سو‘‘ اب بھی غیر

مروّج نہیں ہے۔حتیٰ کہ جناب علاّمہ نے اپنے نام نہاد ترجمے میں اس لفظ کا خوب استعمال کیا ہے۔علاوہ ازیں اس ترجمے کا مفہوم سمجھنا بھی ہر کسی کے لیے آسان نہیں۔امام احمد رضا نے برجستہ یہ ترجمہ املا کرایا:

”اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے“

آیت ۲۰: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ اپنے نسخے میں ارقام فرمایا:

”اور میوہ جونسا پسند کرلیں“

شاہ صاحب نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

”اور میوہ جون سا چُن لیویں“

”چُن لینا“ آج بھی رائج ہے۔جناب علاّمہ نے صرف اپنی کاریگری دکھانے کے لیے اس کو بدل دیا۔مگر وہ لفظ جو شاہ صاحب کے عہد میں رائج تھا یعنی ”جون سا“ ویسے ہی رہنے دیا جس کا جناب علاّمہ کے عہد میں چلن میں ہونا لامعلوم ہے اور اب تو شرفا قطعی نہیں بولتے۔امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت صدرالشریعہ کو قلم بند کرایا:

”اور میوے جو پسند کریں“

۵۷۔ سورۂ حدید

آیت ۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

”یقین لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور خرچ کرو اُس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب کرکر“

”کرکر“ (چبانے کی آواز) جناب علاّمہ کو اس قدر محبوب ہے کہ شاہ صاحب کا لکھا ہوا ”کرکے“ انہیں نامانوس، ٹکسال باہر، چلن سے خارج، گردن زدنی بلکہ اس سے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے۔جبکہ ”کرکے“ اب بھی چلن میں ہے اور ”کرکر“ کہیں نہ سُنا جاتا ہے نہ لکھا جاتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ جناب علاّمہ کے خاندان کا روزمرّہ ہو۔شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”یقین لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور خرچ کرو جو کچھ تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کرکے“

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی راہ کچھ وہ خرچ کرو جس میں تمہیں اَوروں کا جانشین کیا''

آیت ۱۰: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں''

گہرائی کے ساتھ غور فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ کسی کے لیے مال کے بچ رہنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس کے لیے وہ بچا ہے وہ اُس کا ضرورت مند تھا یا اُسے اُس کی احتیاج تھی (ترکہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے) اور اللہ رب العزت بے نیاز ہے اس لیے یہ ترجمہ درست نہیں ہوا۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب نے بھی لگ بھگ یہی ترجمہ فرمایا تھا، مگر اُن کے عہد میں اردو زبان خیالات و جذبات کو کما حقہٗ ادا کرنے کی اہل نہیں تھی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہ کروگے اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی کو بچ رہتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں''

افسوس کہ جناب علاّمہ نے اردو کے ترقی یافتہ عہد میں اس کی درستی کی طرف کوئی توجہ نہ دی یا وہ اس کو درست کر ہی نہیں سکتے تھے۔ امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ آسمانوں اور زمین سب کا وارث اللہ ہی ہے''

آیت ۲۲: جناب علاّمہ نے آیت کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''کوئی آفت نہیں پڑتی مُلک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''کوئی آفت نہیں پڑی ملک میں نہ آپ تم میں جو نہیں لکھی ایک کتاب میں''

ان دونوں ترجموں میں ''ملک'' عربی لفظ ''ارض'' کا ترجمہ ہے۔ شاہ صاحب کے ذہن میں اُس عہد کی اردو کی بے مائگی کے سبب یہی لفظ آیا تو انہوں نے اسی کو لکھ دیا۔ جناب علاّمہ کو اس سے بہتر لفظ لانا چاہیے تھا؛ مگر چونکہ کانگریسی تھے۔ بلکہ بقول شاعر ''گاندھی جی کی پالیسی کا اردو میں ترجمہ'' تھے، اس لیے اسی لفظ کو ترجیح دی اور یوں ہی رہنے دیا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے''

۵۸۔ سورۂ مجادلہ

آیت ۸: علاّمہ محمودالحسن صاحب آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''اور جب آئیں تیرے پاس تجھ کو وہ دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی لگ بھگ یہی ترجمہ فرمایا تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ دعا کرنا یا دعا دینا غیراللہ کا کام ہے اور جس سے دعا کی جاتی ہے یا مانگی جاتی ہے وہ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے یا سلامتی بھیجتا ہے۔ یہ بات شاید علاّمہ کے حاشیہ نگار علاّمہ شبیر احمد عثمانی کو بھی کھٹکی تھی۔ چونکہ جناب علاّمہ محمودالحسن صاحب حضرت شاہ صاحب کا ابتدائی عہد کا ترجمہ نقل فرما چکے تھے اس لیے لیپا پوتی کے طور پر اللہ کی دعا کی مثالیں دیں جیسے ''السلام علیك ایّھا النبی'' وغیرہ۔ مگر یہ دعا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی عطا فرمانا ہے، سلامتی نازل فرمانا ہے، یعنی اے نبی ہماری طرف سے تم پر سلامتی ہو، ہم نے تم کو سلامتی عطا فرمائی جس کی فرشتے فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ یا جو حکم وہ فرماتا ہے وہی ہو جاتا ہے (کُنْ فَیَکُوْن)۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا:

''اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو اُن لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے''

آیت ۱۷: جناب علاّمہ نے آیت شریفہ کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

''کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ بھی''

جب کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''کام نہ آویں گے اُن کو مال اُن کے نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاتھ سے کچھ''

جناب علاّمہ نے ''آویں گے'' کو تو ''آئیں گے'' سے بدل دیا؛ مگر ''اُن کو'' کو یونہی رہنے دیا جو شاہ صاحب کے عہد کی یادگار ہے۔ افسوس اس پر کہ جناب علاّمہ کو یہ متروک نہ معلوم ہوا۔ یہاں ''اُن کے'' یا ''اُنہیں'' کا محل تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا یہ ترجمہ لکھایا:

''اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دیں گے''

۵۹۔ سورۂ حشر

آخری آیت: جناب علاّمہ نے یہ ترجمہ رقم فرمایا:

"وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا صورت کھینچنے والا اُسی کے ہیں سب نام عمدہ پاکی بول رہا ہے اُس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا"

غور کیجیے تو "نکال کھڑا کرنے والا" میں پہلوے ذَم ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں عوامی بول چال میں اس کا رواج رہا ہوگا۔ اس لیے انہوں نے اس کو لکھ دیا۔ جناب علاّمہ نے بے سوچے سمجھے اس کو نقل کر لیا، تھوڑا بہت تصرف اور کیا اور بس ہو گئے مترجم۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا اُسی کے ہیں سب نام خاصے اُسی کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا"

امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

"وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا اُسی کے ہیں سب اچھے نام اُس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے"

٦٠۔ سورۂ ممتحنہ

آیت ۱: پہلے شاہ عبدالقادر صاحب نے اور پھر ان کے ترجمے سے نقل کر کے علاّمہ محمود الحسن صاحب نے آیت کے ایک حصہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

"اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست"

شاہ صاحب نے "تَتَّخِذُوْا" کا ترجمہ "پکڑو" کیا تو جناب علاّمہ نے اس کو ایسے ہی نقل کر لیا۔ امام احمد رضا نے اس حصۂ آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

"اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"

آیت ۴: جناب علاّمہ نے آیت کے ایک حصّے کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

"تم کو چال چلنی چاہیے اچھی ابراہیم کی اور جو اُس کے ساتھ تھے"

اگر صفت ''اچھی'' ''چال'' سے پہلے آجاتی تو کوئی قیامت نہ ٹوٹ جاتی مگر جناب علاّمہ کی مجبوری تھی کہ شاہ صاحب نے اسی طرح لکھا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ لفظی تھا۔شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

''تم کو چال چلنی ہے اچھی ابراہیم کی اور جو اُس کے ساتھ تھے''

جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ''ہے'' کو ''چاہیے'' سے بدلا جب کہ ایسے مواقع کے لیے یہ اب بھی فصیح ہے۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''بے شک تمہارے لیے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اُس کے ساتھ والوں میں''

۶۱- سورۂ صف

آیت ۳: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

''بڑی بے زاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو''

''چیز'' کا کہنے یا نہ کہنے یا کرنے یا نہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔کام کیا جاتا ہے یا نہیں کیا جاتا۔بات کی جاتی ہے یا نہیں کی جاتی۔لیکن ''چیز'' کے ساتھ ''کرنا'' یا ''کہنا'' کے مشتقات استعمال نہیں ہوتے۔جناب علاّمہ معلوم نہیں لکھتے وقت کس کیفیت میں ہوا کرتے تھے۔شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اردو کے تشکیلی عہد میں اس طرح کا ترجمہ کیا تھا:

''بڑی بے زاری ہے اللّٰہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو''

ممکن ہے شاہ صاحب کے عہد کی دلّی میں اس طرح بولا جاتا ہو۔مگر جناب علاّمہ نے بغیر سوچے سمجھے، بغیر غور و فکر کیے شاہ صاحب کے الفاظ کو اپنا لیا۔امام احمد رضا نے اس آیۂ کریمہ کا یہ ترجمہ حضرت صدر الشریعہ کو املا کرایا تھا:

''کتنی سخت ناپسند ہے اللّٰہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو''

سبحان اللّٰہ کیا صاف اور رواں ترجمہ ہے۔

۶۲- سورۂ جمعہ

آیت ۶: جناب علاّمہ نے اس آیت مبارکہ کے ایک جز کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''تو کہہ اے یہودی ہونے والو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوائے تو مناؤ اپنے مرنے کو اگر تم سچّے ہو''

خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم کسی کی بھی سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ''مرنے کو مناؤ'' اردو کا روزمرّہ نہیں ہے۔ واضح ہو کہ یہ ''فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ'' کا ترجمہ ہے۔ ان الفاظ کا ترجمہ ''پس موت کی تمنا کرو'' بھی ہوسکتا تھا؛ لیکن جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تسہیل کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ آنکھیں بند کرکے شاہ صاحب کے ترجمے کو نقل فرمالیا۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''تو کہہ اے یہود ہونے والو اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوا تو مناؤ مرنے کو اگر تم سچّے ہو''

''مناؤ مرنے کو'' کے علاوہ ''سب لوگوں کے سوائے'' کا مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

''تم فرماؤ اے یہودیو اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو''

شاید اسی کا اثر ہو کہ جناب علاّمہ کے ترجمے کے کسی مجہول الاسم مصحح کو اس غلطی کا احساس ہوا اور اُس نے حوضے میں تصحیح کی۔ ''آرزو کرو اپنے مرنے کی''

آیت ۷: جناب علاّمہ کا نام نہاد ترجمہ یہ ہے:

''اور وہ کبھی نہ منائیں گے اپنا مرنا اُن کاموں کی وجہ سے جن کو آگے بھیج چکے ہیں اُن کے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں سب گنہگار''

چونکہ ''مرنا منانے'' کی بات ہے اور اس پر گفتگو ہوچکی اس لیے بلاتبصرہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ جس کے طفیل یا صدقے میں جناب علاّمہ بھی مترجمِ قرآن کہلانے لگے۔

''اور کبھی نہ مناویں گے مرنا جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں اُن کے ہاتھ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں گنہگار''

امام احمد رضا نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے اُن کوتکوں کے سبب جو اُن کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے''

آیت ۱۱: جناب علاّمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ بین السّطور میں رقم فرمایا:

''اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اُس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا تو کہہ جو اللّٰہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللّٰہ بہتر ہے روزی دینے والا''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا کھنڈ جاویں اُس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاویں کھڑا تو کہہ جو اللّٰہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سودے سے اور اللّٰہ بہتر ہے روزی دینے والا''

امام احمد رضا نے اس آیت مبارکہ کا فوری طور پر حضرت صدرالشریعہ کو یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اُس کی طرف چل دیے اور تمہیں خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے تم فرماؤ وہ جو اللّٰہ کے پاس ہے کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللّٰہ کا رزق سب سے اچھا''

۶۳- سورۂ مُنٰفِقُوْن

آیت ۲: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کا یہ ترجمہ بین السّطور میں تحریر فرمایا:

''انہوں نے رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر پھر روکتے ہیں اللّٰہ کی راہ سے یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں''

''رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر'' یہ فقرہ ہی فصاحت سے دور ہے۔ پھر ''یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں'' علاوہ غیر فصیح ہونے کے عجیب بھی ہے۔ بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کو ''بُرے کام'' کہا گیا ہے۔ اگرچہ آخری فقرہ شاہ صاحب کے ترجمے میں بھی یوں ہی ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

''رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بنا کر پھر روکے ہیں اللّٰہ کی راہ سے یہ لوگ بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں''

جب شاہ صاحب کے ترجمے کی نقل ہی اُڑانی تھی تو ابتدائی حصّے میں تصرف کیوں کیا؟ یہ اہم سوال ہے جبکہ اُن کے ترجمے میں کوئی لفظ متروک نہیں تھا۔ اگر دقیق الفہم تھا تو جناب علاّمہ ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اور دو لفظوں کو بدل کر بھی اس کو سریع الفہم کہاں کر پائے۔ جو ترجمہ شاہ صاحب نے عطا کیا تھا جناب علاّمہ اُس کی روح کو بھی قائم نہ رکھ سکے۔ صرف ترمیم اور اصلاح کے شوق میں ایسا ہوا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ فوری

طور پر املا کرایا:

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرالیا تو اللّٰہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں"

٦٤- سورۂ تغابُن

آیت ۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اِس آیت کا ترجمہ مصحف میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"پاکی بول رہا ہے اللّٰہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اُسی کا راج ہے اور اُسی کو تعریفیں اور وہی ہر چیز کرسکتا ہے"

"اُسی کو تعریف" کہاں کی اردو ہے علاّمہ صاحب ہی اس کو جانتے ہوں گے۔ عام اُردوداں تو اس فقرے میں "کو" کی بجائے "کی" بولتے اور لکھتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے بھی اس طرح ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"پاکی بولتا ہے اللّٰہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اُسی کا راج ہے اور اُسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز کرسکتا ہے"

شاہ صاحب نے "اس کی تعریف" تحریر فرمایا تھا، مگر جناب علاّمہ کی زبان دانی ملاحظہ فرمائیے کہ انہیں یہ یا تو مشکل معلوم ہوا یا "متروک"۔ تبھی تو انہوں نے اس کی مٹّی پلید کردی۔ جناب علاّمہ نے "کی" کو "کو" سے بدل کر کون سا تیر مارا ہے یہ اُن کے مدّاح یا شاگردوں کے شاگرد ہی بتا سکتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کا درج ذیل ترجمہ فوری طور پر املا کرایا تھا:

"اللّٰہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اُسی کا مُلک ہے اور اُسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"

٦٥- سورۂ طلاق

آیت ۱: جناب علاّمہ نے اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا:

"اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو اُن کو طلاق دو اُن کی عدّت پر"

اس حصّہ آیت میں مسلمانوں کو طریقۂ طلاق تعلیم فرمایا گیا ہے اگرچہ خطاب نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے۔ جیسا کہ علاّمہ کے مفسّر علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے حاشیے میں لکھا ہے:

’’یہ نبی کو مخاطب بنا کر اُمّت کو خطاب کیا گیا ہے‘‘

مگر علاّمہ کے ترجمے کی لفظیات میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ جبکہ یہ ضروری تھا۔ ترجمۂ قرآن ہمیشہ تفسیر کے ساتھ ہی شائع نہیں ہوتا۔

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی یہی ہے، جس کو جناب علاّمہ نے بغیر غور وفکر اُٹھا کر اپنے نسخے میں رکھ لیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس حصّۂ آیت کا یہ ترجمہ مولانا امجد علی اعظمی کو بول کر قلم بند کرایا:

’’اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدّت کے وقت پر انہیں طلاق دو‘‘

ایک لفظ ’’لوگ‘‘ کے اضافے نے خطاب میں عمومیت پیدا کر دی اس کو کہتے ہیں ’’مہارتِ زبان‘‘۔

۶۶- سورۂ تحریم

آیت ۳: حضرت علاّمہ نے اس آیت کے ایک جُز کا مندرجہ ذیل ترجمہ بین السّطور میں تحریر فرمایا:

’’اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اُس کی اور اللّٰہ نے جتلا دی نبی کو وہ بات تو جتلائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب وہ بتلائی عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتلا دی‘‘

تحریر کا اُکھڑا اُکھڑا انداز بتا رہا ہے کہ ترجمہ نگار زبان کی مہارت نہیں رکھتے تھے۔ ایک بیوی صاحبہ نبی سے کہیں ’’تجھ کو کس نے بتلا دی‘‘ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ترجمہ نگار کے دل میں نبیٔ آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی عزت اور وقعت نہیں تھی۔ قابلِ غور یہ بھی ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا کیا ہوا ترجمہ (جس کا ترجمہ جناب علاّمہ نے کیا ہے) ایک مدّت پرانا ہوتے ہوئے بھی اس ترجمے سے بہتر ہے۔ تبصرے کی حاجت نہیں، خود ملاحظہ فرمالیں۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

’’اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات پھر جب اُس نے خبر کر دی اُس کی اور اللّٰہ نے جتا دیا نبی کو یہ جتائی نبی نے اُس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب وہ بتایا عورت کو بولی تجھ کو کس نے بتایا‘‘

دونوں ترجموں کے ایک ایک لفظ کو ملا کر دیکھ لیجیے۔ جہاں جہاں جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں تصرّف کیا ہے وہیں وہیں عبارت میں پھوہڑ پن آ گیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس حصّۂ آیت کا یہ ترجمہ فوری

طور پر املا کرایا:

"اور جب نبی نے اپنی ایک بی بی سے ایک راز کی بات فرمائی پھر جب وہ اُس کا ذکر کر بیٹھی اور اللّٰہ نے اُسے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے اُسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی پھر جب نبی نے اُسے اُس کی خبر دی بولی حضور کو کس نے بتایا"

٦٧- سورۂِ مُلک

آیت ١٦: جناب علّامۃ الدہر آیتِ ہٰذا کے ایک جز کے ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں:

"تم نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں"

جناب علّامہ کے نزدیک باری تعالیٰ عزوجل آسمان میں ہے۔ جب علّامہ نے یہ لکھا ہے تو یہی اُن کا عقیدہ بھی ہوگا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ علّامہ موصوف جناب رب العزت کے لیے مکانیت کے قائل تھے۔ تقریباً ایسا ہی ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اردو زبان کے تشکیلی عہد میں کیا تھا۔ اس لیے یہ اُن کی زبان کی مجبوری تھی۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا تحریر فرمایا ہوا آیتِ ہٰذا کے اس جُز کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"کیا نڈر ہوئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں"

جناب علّامہ نے اس ترجمے کو الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے اپنا کر لیا۔ امام احمد رضا نے اس حصّۂ آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

"کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمھیں زمین میں دھنسا دے"

ایک غلط عقیدے سے کس صفائی کے ساتھ اپنے قارئین کو بچا کر لے گئے۔ یہ قابلِ داد ہے۔

آیت ١٧: مذکورہ بالا آیت سے ملتے جلتے مضمون کی اس آیت کے ایک حصّے کا ترجمہ جناب علّامہ نے یوں تحریر فرمایا:

"یا نڈر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ برسا دے تم پر مینھ پتھروں کا"

وہی بات ہے جو آیت ١٦ کے ترجمے میں تھی۔ شاہ صاحب نے زبان کی نارسائی کے عہد میں اس حصّۂ آیت کا ترجمہ تحریر کیا تھا:

"یا نڈر ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ چھوڑے تم پر پتھراؤ باؤ کا"

امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو حصّۂ آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

"یا تم نڈر ہو گئے اس سے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ بھیجے"

ملاحظہ فرمایئے کہ کیسی صفائی سے مکانیت کے فاسد عقیدے کا ردّ فرما دیا۔

آیت ۲۴: جناب علّامہ سے موسوم مترجم مصحف میں اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ مرقوم ہے:

"تو کہہ وہی ہے جس نے بکھیر دیا تم کو زمین میں اور اُسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے"

شاہ صاحب کا کیا ہوا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے۔ جناب علّامہ نے صرف اتنا کیا ہے کہ شاہ صاحب کے "کھنڈایا" میں ایک حرف "ڈ" کا اضافہ کر دیا ہے یعنی "کھنڈایا" کو "کھنڈا دیا" سے بدل دیا ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمے میں صرف یہی ایک لفظ ایسا تھا جو متروک تھا۔ نہ بول چال میں سُنا جاتا ہے نہ تحریر میں رائج ہے۔ جناب علّامہ کے عہد سے لے کر اب تک کی کتابوں میں سے جو راقم کی نظر سے گزریں کہیں نظر نہیں آیا۔ جناب علّامہ کو اس کو بدلنا چاہیے تھا؛ مگر شاید انہیں اس لفظ کے معنٰی معلوم نہیں تھے ورنہ وہ اس کا ترجمہ ضرور کر دیتے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

"تم فرماؤ وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں پھیلایا اور اُسی کی طرف اُٹھائے جاؤ گے"

آیت ۲۶: اس آیت کے ترجمے کا موازنہ مقصود نہیں ہے؛ بلکہ "فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف نے امام احمد رضا پر جو یہ الزام لگایا تھا کہ انھوں نے اس ترجمے میں کلمہ حصر "انّما" کا ترجمہ چھوڑ دیا، کا جواب دینا ہے۔ ذیل میں کنزالایمان سے آیت زیر بحث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

"تم فرماؤ یہ علم تو اللّٰہ کے پاس ہے اور مَیں تو یہی صاف ڈر سنانے والا"

اعتراض کرتے وقت مصنف نے اپنے ذہن سے ایک اختراع کیا کہ عربی کے کلمہ حصر "انّما" کے ترجمے اردو میں "صرف" اور "ہی" ہی درست ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں "انّما" سے جو حصر مقصود ہے وہ اردو میں کلمہ "صِرف" سے تو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ کلمہ "ہی" سے اتنا نہیں۔" (صفحہ ۱۲۱)

مصنف نے اس قول کے ثبوت میں کوئی حوالہ نہیں دیا۔ بغیر ثبوت کے زبان کے معاملے میں کسی ایسے شخص کی ذاتی بلکہ عناد پر مبنی رائے کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کا زبان دانی میں کوئی مقام نہیں۔ اس علم میں وہ کوئی کتاب تو کیا

لکھتے کوئی مضمون بھی نہیں لکھ سکے ہیں اور اسی پر کیا موقوف آج تک اُن کی تصنیف (اس کتاب کے علاوہ) کے نام پر ایک پرچہ بھی نظر سے نہیں گزرا۔

اس لیے مصنف کو نہ تو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے عالمانہ فیصلے کریں اور نہ اُن کا یہ منصب ہے۔ کاغذات میں کسی مدرسے کا مہتمم ہونے سے کوئی شخص ماہرِ زبان نہیں ہوسکتا۔ جناب علاّمہ محمودالحسن صاحب کی زبان دانی کے جوہر اس لسانی جائزے میں کھُل کر سامنے آرہے ہیں۔ اُن کے شاگردوں کے شاگرد اور پھر اُن کے بھی شاگرد اردو زبان کے اصول اور کُلیے اپنی طرف سے بنانے لگیں تو اس زبان کا خدا ہی حافظ ہے۔

اردو میں کلماتِ حصر کون کون سے ہیں یہ جاننے کے لیے مصنف کو "اساسِ اردو" مولفہ مولوی حافظ سیّد جلال الدین احمد جعفری زینبی، ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد، دہلی (جون ۱۹۷۵ء) میں حروف تخصیص بر صفحات نمبر ۱۵۰/تا ۱۵۳ کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ زبان درازی یا بے ضابطہ اصول سازی کی کوئی اہمیت سنجیدہ اور ذی علم حضرات کی نظر میں نہیں ہوتی۔

ہاں تو مندرجہ بالا صفحات میں اردو میں مستعمل کلماتِ حصر کا بیان ہوا ہے اُن میں کلمہ "تو" بھی ہے اور یہ کلمہ امام احمد رضا کے زیرِ بحث آیت کے ترجمے میں موجود ہے۔ اب اگر مصنف اردو کے کلماتِ حصر سے واقف نہیں ہیں تو اس بارے میں کوئی کیا کرسکتا ہے۔ یا بات یہ ہے کہ وہ واقف تو ہیں مگر امام احمد رضا پر جھوٹا الزام نہیں لگائیں گے تو قلب و ذہن کو سکون نہیں ملے گا۔ اس مرض کا بھی کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

٦٨- سورۂ قلم

آیت ٦: جناب علاّمہ نے اس مختصر سی آیت کے ترجمہ کے تحت رقم فرمایا:

"کہ کون ہے تم میں جو بچل رہا ہے"

جناب علاّمہ نے "بچل رہا ہے" عربی لفظ "مَفْتُوْنُ" کا ترجمہ کیا ہے۔ مولوی سیّد احمد دہلوی مرتب فرہنگ آصفیہ کے مطابق "بچلنا" مصدر اور اُس کے مشتقات ہندوؤں کی زبان سے متعلق ہیں۔ جناب علاّمہ نے "مَفْتُوْنُ" کا ترجمہ "بچل رہا ہے" اس لیے کیا ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے ایسا ہی کیا تھا اور جناب علاّمہ شاہ صاحب کے ترجمے کے ایسے محتاج تھے کہ اپنی سمجھ سے کوئی ترمیم نہیں کرسکتے تھے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

’’کون ہے تم میں کہ بچل رہا ہے‘‘

دونوں ترجمے سامنے ہیں۔قارئین کرام خود ملاحظہ فرمالیں کہ جناب علاّمہ نے ترجمے میں کیا تیر مارا ہے۔رہا شاہ صاحب کے ترجمے میں ’’بچل رہا ہے‘‘ ہونے کا سوال تو امید بلکہ یقین ہے کہ اُن کے عہد میں یہ لفظ کسی ایک طبقے کے ساتھ مخصوص نہ رہا ہوگا؛ مگر جناب علاّمہ کے عہد میں ہی فرہنگ آصفیہ مرتب ہوئی جس میں الفاظ کے مسلّم جوہری اور پارکھی مولوی سیّد احمد دہلوی نے اس لفظ کو ہندووں کا لفظ لکھا۔اور ہندووں کے اس لفظ کے ساتھ جناب علاّمہ محمود الحسن کی محبت ہی خاص نہیں ہے بلکہ اُن کے شاگرد اور مفسّر علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے جناب علاّمہ سے ۱۳-۱۴ برس کے بعد بھی اس لفظ سے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور اسی آیت کے حاشیے میں تحریر فرمایا۔’’پاگلوں کی طرح بچلی بچلی باتیں کرتا تھا‘‘۔کیا جناب شبیر احمد اس جگہ ’’بہکی بہکی باتیں‘‘ نہیں لکھ سکتے تھے؟ مگر دل کا لگاؤ تو کسی دوسرے فرقے اور اُس کی زبان کے ساتھ تھا۔

ع ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اور جناب علاّمہ محمود الحسن کی اس لفظ کے ساتھ قلبی وابستگی کا عالم یہ ہے کہ اسی سورت کی آیت ۲۸ کے ترجمے میں عربی لفظ ’’اوسط‘‘ کا ترجمہ بھی ’’بچلا‘‘ ہی کیا ہے (کیا آیت ۶ میں جو قاری ’’بچلا‘‘ کو ’’بھٹکا‘‘ کے معنی میں لے چکا ہے وہ اس مقام پر ’’بھٹکا‘‘ کے معنی نہیں لے گا؟) کیا وہ اس لفظ کا ترجمہ منجھلا، مجھولا، درمیانی، بیچ والا نہیں کر سکتے تھے؟ مگر جب دل ہی صنم آشنا ہو تو......

امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ تحریر کرایا:

’’کہ تم میں کون مجنون تھا‘‘

آیت ۴۲: علاّمہ محمود الحسن صاحب اس آیت کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے مصحف سے معمولی تصرف کے ساتھ اس طرح نقل فرماتے ہیں:

’’جس دن کہ کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو پھر نہ کر سکیں‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

’’جس دن کھولی جاوے پنڈلی اور بلائے جاویں سجدے کو پھر نہ کر سکیں‘‘

’’پنڈلی‘‘ لفظ ’’ساق‘‘ کا ترجمہ ہے۔اس لفظ پر غیر مسلموں نے اعتراض کیے ہیں۔جملہ اعتراضات اگرچہ ہٹ

دھرمی پر مبنی ہیں مگر مخالفین کی زبان کون روک سکتا ہے۔ بات یہ بھی ہے کہ جب اپنا ہی پیسہ کھوٹا ہو تو پرکھنے والے کا کیا دوش۔ کمی ترجمہ کرنے والوں کی تھی۔ اگرچہ ۱۳-۱۴ برس بعد علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے حاشیہ لکھا تو اس لفظ کی وضاحت کی مگر یہ بھی تو ہے کہ ہر مصحف میں حاشیہ نہیں ہوتا۔ بغیر تفسیری اشاروں کے بھی قرآن کریم کے نسخے طبع ہوتے ہیں۔ ایسے نسخوں میں ترجمہ پڑھنے والے کا ذہن کدھر جائے گا۔ اس بارے میں جناب علاّمہ نے کچھ نہیں سوچا۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اگر سوچتے بھی تو کیا کر لیتے۔ جب شاہ عبدالقادر صاحب کے نسخے میں انہیں اس لفظ پر کوئی تبصرہ نہیں ملا تو وہ اپنے طرف سے کیسے کچھ لکھ دیتے۔ شاید جناب علاّمہ میں نہ اتنا علم تھا نہ حوصلہ۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

"جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنی اللّٰہ ہی جانتا ہے) اور سجدے کو بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے"

سچ یہ ہے کہ ترجمے کا حق ادا ہو گیا۔ قوسین کے سات لفظوں نے سارے الزامات کو اُٹھا دیا اور قاری کو شبہے سے بچا لیا۔

۶۹- سورۂ حاقّہ

آیت ۵: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"سو وہ جو ثمود تھے غارت کر دیئے گئے اُچھال کر"

شاہ صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"سو وہ جو ثمود تھے سو کھپائے گئے اُچھال سے"

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"تو ثمود تو ہلاک کیے گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے"

آیت ۴۲: جناب علاّمہ نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ اپنے نسخے میں تحریر فرمایا:

"اور نہیں ہے کہا پریوں والے کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو"

جناب شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور نہ کہنا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو"

''پریوں والے''''کاہن'' کا ترجمہ ہے۔قرآن اور اسلام سے دلچسپی رکھنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو اس لفظ (کاہن) سے واقف نہ ہو۔ چونکہ شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا وہ ابتدائی کوشش تھی۔ کاہن کے لیے انہیں کوئی اور لفظ نہیں سوجھا تو انہوں نے ''پریوں والے'' ترجمہ کر دیا اور اُسی کو جناب علاّمہ نے اپنے ترجمے میں نقل کرلیا۔

اب سے پچاس برس پہلے تلک دھاری برہمن نژاد لوگ دیہات اور شہر کے محلوں میں پوتھی (پترا) لیے گلی گلی بلکہ گھر گھر گھومتے اور پوتھی اور ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر عورتوں اور بچوں کا مستقبل بتاتے پھرا کرتے تھے۔ٹونے ٹوٹکے بھی خوب کراتے تھے۔ بہت سے گھروں میں آگ بھی انہی کے مشوروں سے لگائی جاتی تھی۔اُن کو بعد میں جوتشی کہا جانے لگا اور وہ پھرنے گھومنے کے بجائے کچہری، جیل، اسٹیشنوں پر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اپنا دھندا کرنے لگے۔

اُس عہد میں (پچاس برس پہلے تک) ان کو ''پَریے''، ''پَڑیے''''مُراری'' یا ''پریوں والے'' کہا جاتا تھا۔شاہ صاحب کے عہد میں اردو زبان میں الفاظ کا کال تھا۔اس لیے انھوں نے ''پریوں والے'' ہی ترجمہ فرما دیا۔ جناب علاّمہ کا مزاج ترجمہ نگاری میں کچھ ایسا تھا جس کو آج کل مکھّی پر مکھّی مارنا کہتے ہیں۔تل بھر اِدھر سے اُدھر نہیں ہونا چاہتے تھے۔شاید یہ اُن کی مجبوری ہی تھی اس لیے انہوں نے اس کو یوں ہی رہنے دیا۔ وہ اس کی جگہ ''شگونی''''فال گو'' یا ''فال کھولنے یا دیکھنے والا'' بھی لکھ سکتے تھے۔یا کاہن ہی رہنے دیتے، اس سے بھی مفہوم میں کچھ دشواری نہ ہوتی، مگر بات وہی مجبوری کی ہے۔امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور نہ کسی کاہن کی بات کتنا کم دھیان کرتے ہو''

۷۰- سورۂ معارج

آیت ۵: جناب علاّمہ نے اس آیت کا ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے اس طرح لفظ بلفظ نقل فرمایا:

''سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا''

ترجمے کے دوسرے فقرے (بھلی طرح کا صبر کرنا) کا مفہوم واضح نہیں۔امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''تو تم اچھی طرح صبر کرو''

آیت ۱۱: جناب علاّمہ کے مترجمہ قرآن کریم میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح درج ہے:

''سب نظر آ جائیں گے اُن کو چاہے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے دے اُس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے کو''

جناب شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''نظر آ جاویں گے اُن کو مناوے گا گنہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے اُس دن کی مار سے اپنے بیٹے''

ان ترجموں میں لفظ ''چھڑوائی'' غیر فصیح ہے جناب علاّمہ کا ترجمہ کسی مفہوم کو واضح نہیں کرتا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے مجرم آرزو کرے گا کاش اُس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دے دے اپنے بیٹے''

۷۱- سورۂ نوح

آیت ۹: جناب علاّمہ زیر آیت رقم طراز ہیں:

''پھر مَیں نے اُن کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''پھر مَیں نے اُن کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے''

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ جناب علاّمہ کے ترجمے کو اُن کا کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ ''کھول کر'' اور ''چھپ کر'' کے بالمقابل امام احمد رضا کے ترجمے کے لفظیات ملاحظہ فرمائیے:

''پھر مَیں نے اُن سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا''

۷۲- سورۂ جن

آیت ۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب کے اس آیت کے ترجمے کو معمولی سے تصرّف کے ساتھ اس طرح اپنے نسخے میں نقل فرمایا:

''تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سُن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہنے لگے ہم نے سُنا ہے ایک قرآن عجیب''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سُن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہا ہم نے سُنا ہے ایک قرآن عجیب''

ترجمے کی زبان اور اسلوبِ بیان کے فرق کو دیکھنے کے لیے اس آیت کا امام احمد رضا کا املا کرایا ہوا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سُنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا''

آیت ۱۰: پہلے اس آیت شریفہ کا جناب علاّمہ کا تحریر فرمایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ہے اُن کے حق میں اُن کے رب نے راہ پر لانا''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی لگ بھگ یہی تھا۔ ملاحظہ فرمایئے:

''اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کچھ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا اُن کے حق میں اُن کے رب نے راہ پر لانا''

سر دُھنتے رہیے۔ کیا مجال کہ ترجمے سے آیت کا مفہوم واضح ہو جائے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والوں سے کوئی بُرائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا اُن کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے''

اس ترجمے سے آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اب اوپر کے دونوں ترجمے پڑھیے وہ بھی سمجھ میں آ جائیں گے، مگر کنزالایمان کے وسیلے سے۔ اُس کے مطالعے کے بعد۔

آیت ۱۴: جناب علاّمہ نے اس آیت کے تحت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو چند تصرّفات کے ساتھ اس طرح نقل فرمایا:

''اور یہ کہ کچھ ہم میں حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف سو جو لوگ حکم میں آ گئے سو انہوں نے اٹکل کر لیا نیک راہ کو''

جناب شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیتِ مقدسہ کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا تھا:

''اور یہ کہ کوئی ہم میں حکم بردار ہیں اور کوئی بے انصاف سو جو حکم میں آئے سو انہوں نے اٹکلی نیک راہ''

جناب علاّمہ نے ''کوئی'' کو ''کچھ'' سے بدلا اور ''اٹکلی'' کو ''اٹکل کر لیا'' سے بدل دیا۔ یہ اچھا کیا بلکہ اپنے دعوے

کے مطابق کیا؛ مگر اس کے باوجود آیت کا مفہوم غیر واضح ہی رہا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور یہ کہ ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم تو جو اسلام لائے انھوں نے بھلائی سوچی''

اِس ترجمے سے آیت کا مفہوم روشن ہو گیا۔ اب جناب علاّمہ کا ترجمہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

۷۳- سورۂ مُزَّمِّل

آیت ۱۰: جناب علاّمہ نے اس آیت کے تحت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کو اس طرح تصرّف کر کے تحریر فرمایا:

''اور سہتا رہ جو کچھ کہتے رہیں اور چھوڑ دے اُن کو بھلی طرح کا چھوڑنا''

لگے ہاتھوں شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

''اور سہتا رہ جو کہتے ہیں اور چھوڑ اُن کو بھلی طرح کا چھوڑنا''

ترجمے میں صفائی دیکھنی ہو تو امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو''

آیت ۱۶: جناب علاّمہ نے اس آیتِ مبارکہ کے ترجمے کو شاہ صاحب کے ترجمے سے اس طرح تصرّف فرما کر نقل فرمایا:

''پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اُس کو وبال کی پکڑ''

اس آیت مبارکہ کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا جس میں تصرف کر کے جناب علاّمہ نے اُس کو اپنا بنا کر پیش کیا:

''پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اُس کو پکڑ وبال کی''

''اُس کو'' کی جگہ ''اُس کی'' ہوتا تو فصیح ہوتا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کے ترجمے کو ان الفاظ میں واضح فرمایا:

''تو فرعون نے اُس رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اُسے سخت گرفت سے پکڑا''

۷۴- سورۂ مدثّر

آیت ۱۲: جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بغیر کسی تصرّف کے اپنے مصحف میں اُٹھا کر رکھ لیا۔ وہ

اس طرح ہے:

”اور دیا میں نے اُس کو مال پھیلا کر“

جناب علاّمہ نے نقل مار لی۔اب مفہوم کو جاننے کے لیے آپ اپنے ذہن کو تکلیف دیتے رہیے۔امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”اور اُسے وسیع مال دیا“

آیت ۳۵: جناب علاّمہ نے اپنے قارئین کو اس آیت کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

”وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی“

مفہوم قطعی غیر واضح ہے جبکہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں ایسی بات نہیں تھی۔اُن کا ترجمہ یہ ہے:

”وہ دوزخ ایک ہے بڑی چیزوں میں“

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں میں کی ایک ہے“

حاشیہ لکھتے وقت جناب شبیر احمد عثمانی کو جناب علاّمہ کے ترجمے کی کمی کا احساس ہوا تو انہیں اس پر یہ حاشیہ چڑھانا پڑا:

”یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں دوزخ اُن میں کی ایک چیز ہے“

صاف معلوم ہوتا ہے کہ کنز الایمان سے استفادہ کیا گیا ہے۔

آیت ۴۵: جناب علاّمہ نے آیت زیر بحث کے ذیل میں جو ترجمہ لکھا ہے اُس کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ترجمہ یہ ہے:

”اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ“

اور شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ نے اردو زبان کی ناداری کے عہد میں یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”اور ہم تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے“

اگر آپ کی فہم نے شکست تسلیم کر لی ہو تو امام احمد رضا کا فی الفور قلم بند کروایا ہوا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

”اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے“

۷۵- سورۂ قیامہ

آیت ا: اس آیت کے ذیل میں جناب علاّمہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کا یہ ترجمہ من وعَن نقل فرمایا:

”قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی“

ایسی ہی لفظیات آیت کے ترجمے کی بھی ہے۔ زبان، چلن اور استعمال کی پابند ہوتی ہے۔ اس لیے قواعد کے لحاظ سے ”قسم کھانا“ صحیح اور درست روزمرّہ ہے؛ لیکن اللّٰہ رب العزت کی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک محتاط شخص اُس کے لیے عرفاً یا مجازاً بھی کھانے پینے جیسے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کھانے پینے جیسے افعال سے پاک ہے۔ اسی لیے امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

”روزِ قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں“

آیت ۱۵: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ذیل میں جناب شاہ صاحب کا لکھا ہوا یہ ترجمہ ہو بہو نقل فرمالیا:

”اور پڑا لا ڈالے اپنے بہانے“

اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے لفظ ”پڑے“ (”خواہ“ اور ”اگر“ کے معنی میں) مستعمل تھا۔ مگر ”پڑا“ نہیں۔ شاہ صاحب نے لفظ ”پڑا“ کسی مجبوری کے باعث لکھا تو جناب علاّمہ نے اُس کو بغیر سوچے سمجھے نقل فرمالیا۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”اور اگر اُس کے پاس جتنے بہانے ہوں سب لا ڈالے“

۷۶- سورۂ دھر

آیت ۱۱: حضرت علاّمہ نے اس آیت کے تحت یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

”پھر بچالیا اُن کو اللّٰہ نے بُرائی سے اُس دن کی اور مِلا دی اُن کو تازگی اور خوش وقتی“

دینا، عطا کرنا یا بخشنا کے معنی میں ”ملانا“ کم از کم سو ۱۰۰ برس سے تو اردو میں مستعمل ہے نہیں۔ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے عہد کی بول چال میں اس کے مروّج ہونے کے امکان کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اُس وقت شاہ صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''پھر بچالیا اُن کو اللّٰہ نے برائی سے اُس دن کی اور ملائی اُن کو تازگی اور خوش بختی''

جناب علّامہ نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ ''ملائی'' کو ''ملادی'' سے بدلا اور شاہ صاحب کے ترجمے کے مالک بن بیٹھے۔ گویا ''ملائی'' متروک یا مشکل تھا اور ''ملادی'' رائج اور سہل ہے۔ جواب نہیں ہے اس فہم کا۔ اسی کو کہتے ہیں ''کاتا اور لے دوڑی''۔ امام احمد رضا نے جناب صدرالشریعہ کو اس آیت مبارکہ کا فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا:

''تو انہیں اللّٰہ نے اُس دن کے شر سے بچالیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی''

آیت ۱۸: جناب علّامہ محمودالحسن اس آیت کریمہ کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے ہو بہو نقل فرما کر درج ذیل الفاظ میں رقم طراز ہیں:

''ایک چشمہ ہے اُس میں اُس کا نام کہتے ہیں سلسبیل''

قائین کرام غور فرمائیں کہ یہ برصغیر کے کس علاقے کی اردو ہے۔ ''نام'' اور ''کہتے ہیں'' ایک ساتھ نہیں آتے ہیں۔ یا تو یوں ہونا چاہیے کہ ''اس شہر کو دلّی کہتے ہیں'' یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ''اس شہر کا نام دلّی ہے''۔ ''اس شہر کا نام دلّی کہتے ہیں'' جناب علّامہ کے عہد بلکہ اُن کے عہد سے پہلے بھی نہیں بولا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ شاہ صاحب کے عہد کی بنتی بگڑتی زبان میں اس کا چلن رہا ہو۔ مگر شاید جناب علّامہ کو ان باتوں کی فہم نہیں تھی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ تحریر کرایا:

''جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں''

۷۷- سورۂ مُرسلٰت

آیت ۲۳: اس آیت کے ترجمے میں حضرت علّامہ کی اردو زبان سے نا آشنائی ملاحظہ فرمائیے کہ دو فقرے ہیں اور ترجمے میں دونوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ معاً یہ ترجمہ بارگاہِ الٰہی میں گستاخی جیسا بھی ہے۔ ترجمہ یہ ہے:

''پھر ہم اُس کو پورا کر سکے سو ہم کیا خوب سکت والے ہیں''

مصدر ''سکنا'' کے ماضی مطلق کے صیغے سے خواہ وہ مثبت ہی ہو فاعل کی مجبوری یا بے بسی کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے ''زید صبح ۶ ؍ بجے سو کر اُٹھ سکا''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ۶ ؍ بجے سے پہلے نہیں اُٹھ سکا یا ''بکر ایک گھنٹے میں ۵ ؍ کلومیٹر چل سکا'' مطلب ہوا کہ بکر میں اور زیادہ چلنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ یا ''خالد ایک ماہ میں ایک ہزار روپے

بچاسکا'' مطلب واضح ہے کہ وہ ایک ہزار سے زیادہ نہیں بچا سکا ورنہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ بچت کرنا چاہتا ہے۔

(جناب علاّمہ نے جس طرح ''پورا کرا سکے'' لکھا ہے یہ اس طرح بولا بھی نہیں جاتا۔ اُس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کام کی تکمیل میں دشواری ہو)

جناب علاّمہ نے جس کا ترجمہ ''کرا سکے'' کیا ہے وہ قولِ الٰہی ہے۔ جبکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ جیسا کہ جناب علاّمہ بھی متعدد مقامات پر ترجمہ فرماتے رہے ہیں۔ لیکن یہاں قدرتِ الٰہی سے انکار ہے اس لیے یہ بارگاہِ الوہیت میں گستاخی ہے۔

جب اسی آیت میں یہ بھی ہے کہ ''ہم خوب سکت والے ہیں'' تو یہ تضاد ہوا۔ قدرت کا انکار تو پہلے فقرے میں ہی ہوگیا جہاں فعل ''سکے'' کی نسبت اُس کی طرف کردی گئی۔

اگرچہ جناب شاہ عبدالقدر علیہ الرحمہ نے بھی ایسا ہی ترجمہ فرمایا تھا۔ ترجمہ یہ تھا۔ ''پھر ہم کر سکے سو کیا خوب سکت والے ہیں'' مگر فقیر کی نظر میں شاہ صاحب سے جو نادانستہ لغزش ہوئی ہے اُس سے صرفِ نظر بہتر ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کا عہد تشکیلِ زبان کا عہد تھا۔ اصول و قواعد ہی منضبط نہیں ہوئے تھے، زبان کی باریکیوں کی تو کون کہے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''پھر ہم نے اندازہ فرمایا تو ہم کیا ہی اچھے قادر''

۷۸- سورۂ نبا

آیت ۲۰: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت مجیدہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتا ریتا''

اچھی چیز کی تعریف کرنی ہی پڑتی ہے۔ ترجمہ بلاشبہ اچھا ہے۔ کوئی کھوٹ کسر بھی نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے پر ترقی بھی ہے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور چلائے جاویں پہاڑ تو ہو جاویں ریتا''

جناب علاّمہ نے ''چمکتا ریتا'' اور شاہ صاحب نے ''ریتا'' عربی لفظ ''سَرابًا'' کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کو اردو میں ''سُراب'' ہندی میں iÉ«hÉÉ àÉÉàÉÉàÉÉhÉÉàÉÉÇMÉÉ یا àÉ®õÉÒ àÉÉâü

ÉÊSÉBÉEÉ اور انگریزی میں MIRAGE کہتے ہیں۔تشریح یہ ہے۔

غیاث اللغات میں "سُراب" کا تعارف درج ذیل الفاظ میں کرایا گیا ہے:

"بفتح۔ آنچه در ایّامِ گرما مسافرِ تشنه را تابشِ آفتاب ریگِ صحرا از دور چون آب نمائد و گاهے در شبِ ماهتاب نیز هم چنیں می نمائد" (یعنی زبر کے ساتھ۔وہ کہ گرمی کے دنوں میں پیاسے راہی کو سورج کی چمک سے جنگل کا ریت دور سے پانی کی طرح دکھائی دیتا ہے اور کبھی رات میں چاندنی بھی ایسا ہی ظاہر کرتی ہے)

فرہنگ آصفیہ میں سُراب کے یہ معنی لکھے ہیں۔"وہ چیز جو موسمِ گرما میں عین دوپہر کے وقت زمینِ شور میں پانی کا دھوکا دیتی ہے...... وہ کلر زمین جو سورج کے سامنے پانی کے مانند چمکتی ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُن آب نما بخارات کا نام ہے جو بیابان میں پانی کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔"

نوراللغات میں اس کے یہ معنی درج ہیں: "ریتیلی زمین جو چاند سورج کی چمک سے پانی کا دھوکا دیتی ہے"۔

اس آیت مجیدہ کے رضوی ترجمے کی جانب ڈاکٹر مجید اللّٰہ قادری صاحب (کراچی) نے توجہ دلائی۔موصوف نے مفسرینِ قرآن کی متعدد تفاسیر سے بھی لفظ سُراب کی تشریحات نقل فرمائی ہیں۔جس کو زیادہ احتیاج ہو وہاں دیکھے۔(دیکھیے "کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن" از ڈاکٹر پروفیسر مجید اللّٰہ قادری صفحہ ۵۳۴ تا ۵۳۸) فقیر پروفیسر قادری کا ممنون ہے۔

سُراب کی کوئی بھی تعریف اُس وقت تک مکمل نہ ہوگی۔جب تک ریت، چمک اور پانی کی موجودگی کے کاذب احساس کا فوری طور پر ذکر نہ کیا جائے۔اردو شاعری خصوصاً غزل میں یہ لفظ بہت استعمال ہوتا ہے مگر بار بار اس کی مکمل تشریح کرنے کے بجائے اساتذہ محض ایک لفظ "دھوکا" سے اس کی ترجمانی کر دیتے ہیں اور یہ واقعی ایک دھوکا ہے اس لیے کچھ غلط بھی نہیں۔لغات میں بھی اس کے معانی میں لفظ "دھوکا" شامل ہوتا ہے۔

امام احمد رضا کے ترجمے سے پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ترجمۂ قرآن میں بھی اس لفظ کی مکمل تعریف بیان کی جاسکتی ہے۔کنزالایمان کے مطالعے کے بعد یہ کام مشکل معلوم نہ ہوا، مگر اس سے پہلے ناممکن جیسا تھا۔اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس آیت کے ترجمے میں امام احمد رضا نے زبان دانی کا کیا کمال دکھایا ہے۔ترجمہ یہ ہے:

"اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا"

لفظ''سُراب'' کی مکمل تشریح بھی یہاں ہوگئی اور''ریتا'' اور''دیتا'' میں قافیے کا لطف بھی شامل ہوگیا۔

اِس آیت کے ترجمے کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ کنزالایمان میں ایسے مقامات پیچھے بھی آئے ہیں جہاں کوئی خاص خوبی اور دلکشی نظر آئی ہے، مگر اُس کو ظاہر نہیں کیا جاسکا۔ وجہ یہ رہی کہ ہمارے ماہرینِ بلاغت نے ابھی تک بہت سی خوبیوں اور صنعتوں کے نام تجویز نہیں کیے ہیں۔ اس وجہ سے ان خوبیوں کا ذکر بھی جائزے میں نہ کرسکا۔ اب تک کنزالایمان کی ۲۱ رخوبیاں گنائی جاچکی ہیں۔ مگر نام معلوم نہ ہونے کے سبب جو گنانے سے چھوڑ دی گئیں اُن کی تعداد اب فقیر کے ذہن میں نہیں ہے۔ بہرحال آیتِ مذکورہ بالا میں ترجمے کی جو خوبی سامنے آئی ہے اس بے نام کی خوبی کو بھی شمردہ خوبیوں میں شامل کرلیجیے اور تعداد کو اہمیت نہ دیجیے۔

آیت ۳۵: جناب علّامہ نے اس آیت پاک کا ترجمہ اس طرح عنایت فرمایا:

''نہ سُنیں گے وہاں بک بک نہ مُکرانا''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ تھا:

''نہ سنیں گے وہاں بکنا اور نہ مُکرانا''

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''جس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں اور نہ جھٹلانا''

آیت ۴۰: جناب علّامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیتِ مقدسہ کے آخری حصّے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹّی ہوتا''

شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ تھا:

''اور کہے منکر کسی طرح میں مٹّی ہوتا''

امام احمد رضا نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''اور کافر کہے گا ہائے مَیں کسی طرح خاک ہوجاتا''

دونوں آیتوں کے ترجمے خود ہی کنزالایمان کی قدر و قیمت بتارہے ہیں۔

۷۹۔ سورۂ نٰزعٰت

آیت ۱: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیتِ مقدسہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

"قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر"

ساتھ ہی شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

"قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی ڈوب کر"

دونوں ترجمے آیت مقدسہ کی بالکل وضاحت نہیں کرتے۔ جناب علاّمہ نے "ڈوب کر" کو "غوطہ لگا کر" سے بدل دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی نظر میں "ڈوب کر" متروک تھا یا مشکل؛ مگر اس کے باوجود بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آیتِ مقدسہ میں کیا فرمایا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا نے اس آیتِ مقدسہ کا جناب صدرالشریعہ کو فوری طور پر یہ ترجمہ املا کرایا:

"قسم ہے اُن کی کہ سختی سے جان کھینچیں"

جناب علاّمہ محمود الحسن صاحب کے شاگرد علاّمہ شبیر احمد عثمانی کے گلے سے بھی اپنے اُستاد کا ترجمہ نہیں اُترا تو انہوں نے حاشیے میں اس کی اس طرح وضاحت فرمائی: "یعنی اُن فرشتوں کی قسم جو کافر کی رگوں میں گھس کر اُس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالیں"۔

امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ پھر پڑھیے اور ساتھ میں جناب شبیر احمد عثمانی کی وضاحت بھی۔ کنزالایمان کا سایہ تفسیر عثمانی پر صاف نظر آئے گا۔

آیت ۲: جناب علاّمہ نے اس آیت پاک کا ترجمہ اس طرح رقم فرمایا:

"اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر"

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

"اور بند چھڑا دینے والوں کی کھول کر"

شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی؛ مگر جناب علاّمہ سے بھی کچھ نہ ہو سکا۔ انہوں نے "چھڑا دینے" کو "چھڑانے" سے بدلا۔ شاید "چھڑا دینے" اُن کے نزدیک متروک یا مشکل تھا۔ مگر بات جہاں تھی وہیں رہی۔ ایک عام قاری کے لیے اردو ترجمہ بھی اتنا ہی مشکل رہا جتنا مشکل اُس کے لیے عربی متن تھا۔ امام احمد رضا نے آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور نرمی سے بند کھولیں''

جناب علّامہ کے ترجمے کی خامی کو اُن کے شاگرد اور مفسّر جناب عثمانی نے بھی بھانپ لیا۔ اس لیے انہوں نے وضاحت فرمائی:

''یعنی جو فرشتے مؤمن کے بدن سے جان کی گرہیں کھول دیں''۔

اس حاشیے پر بھی کنزالایمان کا ہی اثر نظر آ رہا ہے:

آیت ۱۱: جناب علّامہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ درج بین السطور فرمایا۔

''کیا جب ہم ہو چکیں ہڈّیاں کھوکھری''

حیرت کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں بھی لفظ ''کھوکھری'' موجود ہے۔ ہوسکتا ہے یہ سہو کتابت ہو کیونکہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے سورۂ یٰس کی ایک آیت کے ترجمے میں ''کھوکھلی'' تحریر فرمایا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شاہ صاحب کے ناشر کی کارستانی ہو۔ کیونکہ شاہ صاحب کے ترجمے کو جو ناشر دستیاب ہوئے وہ علّامہ محمود الحسن صاحب کے ٹولے کے ہی تھے۔ اور کیا تعجب ہے کہ انہوں نے سورۂ یٰس میں ہو چکی غلطی کی خفت مٹانے کے لیے آگے جہاں جہاں ''کھوکھلا'' یا ''کھوکھلی'' لکھا دیکھا اس کو ''کھوکھرا'' اور ''کھوکھری'' بنا دیا ہو۔ ورنہ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ مسلمان شرفا کی زبانوں پر کبھی نہیں رہا۔ امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''کیا جب گلی ہڈّیاں ہو جائیں گے''

۸۰۔ سورۂ عَبَس

آیت ۲۵: جناب علّامہ محمود الحسن صاحب نے آیتِ ہٰذا کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا''

کچھ ایسا ہی ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے بھی تحریر فرمایا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا''

''ڈالا'' اور ''گرتا'' دونوں میں سے ایک لفظ بھرتی کا ہے۔ پانی اوپر سے ہی ڈالا جاتا ہے اور نیچے کو گرتا بھی ضرور

ہے۔شاہ صاحب کی زبان تو خیر اردو کے تشکیلی عہد کی زبان تھی مگر جناب علاّ مہ کو ایسی باتوں کی پرکھ ہی نہیں تھی۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا:

”کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا“

آیت ۲۶: جناب علاّ مہ اور شاہ صاحب کا اس آیت کا ترجمہ ایک ہی ہے جو درج ذیل ہے:

”پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر“

اس ترجمے میں بھی یہی خامی ہے جو اس سے پہلے بیان کیے گئے ترجمے میں تھی یعنی ”چیرا“ اور ”پھاڑ کر“ میں سے ایک بھرتی کا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ عبارت کے اس عیب (بھرتی یا زوائد) سے جناب علاّ مہ قطعاً نابلد تھے۔امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر زمین کو خوب چیرا“

۸۱۔ سورۂ تکویر

آیت ۱: جناب علاّ مہ نے شاہ عبدالقادر صاحب کے اس آیت کے ترجمے کو اس طرح من وعن نقل فرمایا:

”جب سورج کی دھوپ تہہ ہو جائے“

آنکھیں بند کر کے نقل کرتے وقت جناب علاّ مہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ دھوپ تو سورج کی ہی ہوتی ہے چاند یا کسی دیگر روشن شے کی دھوپ نہیں ہوتی، اس لیے ترجمے میں سورج کا ذکر کرنا ہی بھرتی کے لفظ کا داخل کرنا ہے۔یہ اس دعوے کا مزید ثبوت ہے کہ موصوف زبان کی اس خامی سے واقف نہیں تھے۔امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

”جب دھوپ لپیٹی جائے“

آیت ۷: اس آیت مقدسہ کا جناب علاّ مہ سے منسوب ترجمہ یہ ہے:

”اور جب جیوں کے جوڑے باندھے جائیں“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”اور جب جیوؤں کے جوڑ بند ہیں“

(یہ آخری لفظ بندھیں ہوسکتا ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے عہد میں ہائے ملفوظ اور ہائے مخلوط کا املا ایک ہی تھا۔)

شاہ صاحب کے عہد میں ’’دل‘‘ اور ’’جان‘‘ کو ’’جی‘‘ بولا اور لکھا جاتا تھا؛ مگر جناب علاّمہ کے عہد کی تحریری زبان میں بمعنی ’’جان‘‘ اس کا رواج کم ہوتے ہوتے ترک ہونے کے قریب آ گیا تھا۔ (اگرچہ بمعنی دل صحیح اور فصیح ہے اور اب بھی بولا جاتا ہے)؛ مگر پھر بھی جناب علاّمہ نے اپنے وعدے کے مطابق اس کو بدلا نہیں۔ امام احمد رضا نے اس آیت مقدسہ کا یہ ترجمہ لکھایا:

’’اور جب جانوں کے جوڑ بنیں‘‘

۸۲۔ سورۂ انفطار

آیت ۶: جناب علاّمہ سے منسوب ترجمہ اس طرح ہے:

’’اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر‘‘

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارقام فرمایا تھا:

’’اے آدمی کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر‘‘

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا:

’’اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے‘‘

قارئین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ صحیح اور فصیح اردو میں کون سا ترجمہ ہے۔

آیت ۱۶: جناب علاّمہ نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ بین السطور میں درج فرمایا:

’’اور نہ ہوں گے اُس سے جدا ہونے والے‘‘

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

’’اور نہ ہوں گے اُس سے چھپ رہنے والے‘‘

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

’’اور اُس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے‘‘

جناب علاّمہ اور امام احمد رضا کی زبان پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ زبانیں خود ہی بول رہی ہیں؛ لیکن فقیر یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے۔ جناب علاّمہ کے مفسر علاّمہ شبیر احمد عثمانی کے مطابق ''اُس'' سے مراد جنت ہے جبکہ امام احمد رضا کے ترجمے سے واضح ہے کہ لفظ ''اُس'' سے اُن کی مراد ذاتِ خدائے تعالیٰ ہے۔ چونکہ یہ تفسیر کا معاملہ ہے۔ اس لیے فقیر حقیر کے دائرۂ کار سے خارج ہے۔ تفسیر سے ذوق رکھنے والوں کی تحقیق کے لیے اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۸۳۔ سورۂ مطفّفین

آیت ۲۶: جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ اپنے نسخے میں اس طرح نقل فرمایا:

''اور اُس پر چاہیے کہ ڈھکیں ڈھکنے والے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نسخے میں ''ڈھکیں ڈھکنے والے'' کی بجائے ''ڈہکیں ڈہکنے والے'' ہے۔ جناب علاّمہ نے صرف املا بدل کر ترجمہ اپنا کر لیا؛ مگر بہت بڑی ٹھوکر کھائی۔ بالکل واضح نہیں ہوتا کہ جناب علاّمہ نے عربی متن اور شاہ صاحب کے ترجمے کا کیا مفہوم برآمد کیا۔ ''ڈھکنا'' کے معنی تو سرپوش، ڈھکّن، چھپانا، پوشش کرنا وغیرہ کے آتے ہیں۔ مگر ان لفظوں میں سے یہاں کسی کا موقع نہیں ہے۔ لغات میں ایک مصدر ''ڈہکانا'' ہے، جو متعدی ہے۔ ممکن ہے شاہ صاحب کے عہد کی دلّی میں کوئی مصدر ''ڈہکنا'' بھی رائج رہا ہو۔ جس کا متعدی لغات میں باقی رہ گیا۔ اغلب ہے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے وہی مصدر استعمال کیا ہو، جس کو اپنی عظیم زباندانی اور علاّمیت کے باعث جناب علاّمہ نے یہ سمجھ لیا کہ شاہ صاحب نے اپنے عہد کے املا میں ''ڈھکیں ڈھکنے والے'' لکھا ہوگا اور انہوں نے اپنی قابلیت کے زعم میں اصلاح کا قلم چلا دیا۔ جس سے ترجمہ مہمل ہوگیا۔ اس بات کو شاید اُن کے شاگرد جناب شبیر احمد عثمانی نے بھانپ لیا اور اُستاد کے ترجمے کی وضاحت کیے بغیر اس طرح لیپا پوتی کا فریضہ انجام دیا۔ ''یہ شرابِ طہور ہے جس کی طرف لوگوں کو ٹوٹ پڑنا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے'' مگر جناب علاّمہ کے نام نہاد ترجمے سے یہ کیا کوئی بھی معنی حاصل نہیں ہوتے۔

اس وقت ایک اور نکتہ بھی خیال میں آتا ہے۔ ممکن ہے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ''ڈُہلیں ڈہلنے والے'' لکھا ہو۔ جس کو آج کل کے املا میں ''ڈھلیں ڈھلنے والے'' لکھا جائے گا۔ ''ڈُھلنا'' مصدر کے معنی ہیں متوجہ ہونا، مائل

ہونا۔اگر شاہ صاحب کا ترجمہ یہی تھا تو بالکل ابہام نہیں ہے۔اگر ایسا ہے تو لیتھو کی چھپائی یا اُس کی کتابت میں ''ل'' کا ''ک'' بن جانا بعید از قیاس نہیں؛ مگر جناب علّامہ کی لیاقتِ زباندانی بے پناہ تھی اس لیے انہیں ان باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔بس شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کی اصلاح کر دی۔مفہوم کچھ بر آمد ہو یا نہ ہو اس کے لیے وہ ذمّے دار نہیں۔امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اور اُس پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے''

آیت ۲۹: جناب علّامہ کا شاہ صاحب کے ترجمے سے اخذ کیا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''وہ لوگ جو گنہگار ہیں تھے ایمان والوں سے ہنسا کرتے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ عنایت فرمایا تھا:

''وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے''

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''بے شک مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے''

۸۴۔ سورۂ انشقاق

آیت ۲: جناب علّامہ کے نسخے میں اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ درج ہے:

''اور سُن لے حکم اپنے رب کا اور وہ آسمان اسی لائق ہے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور سُن لے حکم اپنے رب کا اور اسی لائق ہے''

شاہ صاحب نے یہاں آسمان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تھا کہ اُس کا ذکر اس سے پچھلی آیت میں ہو چکا تھا۔جناب علّامہ نے اس لفظ کی تکرار کی پھر بھی ترجمہ واضح نہیں ہوا۔امام احمد رضا بریلوی نے اس آیت کا فوری طور پر یہ ترجمہ لکھایا:

''اور اپنے رب کا حکم سُنے اور اُسے سزاوار ہی یہ ہے''

آیت ۵: کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ بالا میں آسمان کے بارے میں فرمایا

گیا ہے اور اس آیت میں زمین کے بارے میں۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ اور امام احمد رضا نے اس آیت کے ترجمے بھی وہی کیے ہیں جو درج بالا آیت کے ہیں۔ بغیر کسی کمی بیشی کے جناب علّامہ نے ترجمے میں زمین کو بھی داخل کر دیا ہے۔

آیت ۲۳: جناب علّامہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمہ قرآن سے اس آیت کا ترجمہ نقل کر کے اس طرح لکھا ہے:

"اور اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں"

(شاہ صاحب کے ترجمے کی نقل مطابق اصل)

امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ جناب صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو فوری طور پر املا کرایا:

"اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں"

۸۵۔ سورۂ بروج

آیت ۲/ و ۳/ و ۴: جناب علّامہ نے ان تینوں آیتوں کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"اور (قسم) اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اُس کی کہ جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"اور (قسم) اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوویں"

امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

"اور (قسم) اُس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اُس کی جو گواہ ہے اور اُس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں"

(واضح ہو کہ تراجم میں لفظ "قسم" موجود نہیں ہے۔ یہ آیت نمبر ا میں ہے۔ یہاں صرف تفہیم کی غرض سے قوسین میں لکھ دیا گیا ہے)

ترجمہ کنزالایمان میں زبان کی صفائی قابلِ داد ہے۔

۸۶۔ سورۂ طارق

آیت ۹: جناب علّامہ نے اس آیت پاک کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے میں خفیف سا فرق کر کے یوں تحریر فرمایا:

"جس دن جانچے جائیں بھید"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا عنایت کردہ ترجمہ یوں ہے:

"جس دن جانچے جاویں بھید"

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

"جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی"

ترجمے کی خوبی واضح ہے۔ تبصرے کی ضرورت نہیں۔

۸۷۔ سورۂ اعلیٰ

آیت ۱: جناب علّامہ محمود الحسن نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں معمولی سا تصرف کر کے یوں نقل فرمایا:

"پاکی بیان کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر"

ساتھ میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

"پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر"

قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جناب علّامہ محمود الحسن نے ترجمہ نگاری میں کتنی محنت کی ہے۔ اب اُن کی علمیت کی بھی داد دینی چاہیے کہ وہ "بولنا" کو متروک یا مشکل سمجھتے تھے اسی لیے "بول" کی جگہ "بیان کر" لائے۔ امام احمد رضا کا فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

"اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے"

لفظ "اوپر" سے جو ایک فاسد معنی پیدا ہو سکتے تھے "کنز الایمان" میں اُن کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

آیت ۸: جناب علّامہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے مصحف سے صرف ایک حرف کا تصرف کر کے اس طرح نقل فرمایا:

"اور سہج سہج پہنچائیں گے ہم تجھ کو آسانی تک"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"اور سہج سہج پہنچا دیں گے ہم تجھ کو آسانی تک"

جناب علاّمہ نے یہ کیا کہ شاہ صاحب کے حرف "دال" کو "ہمزہ" سے بدل دیا اور ہو گئے مترجم (واضح ہو کہ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ "پہنچادیں گے" بالدال ہی ہے۔ گمان غالب ہے کہ "یہ پہنچاویں گے" بالواؤ ہوگا۔ کیونکہ جناب علاّمہ شاہ صاحب کے "واؤ" کو ہی ہمزہ سے بدلا کرتے ہیں۔ لیتھو کی کتابت اور طباعت میں "دال" اور "واؤ" کا امتیاز ذرا مشکل ہوتا تھا)

امام احمد رضا نے صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کو اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

"اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دیں گے"

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے دو ترجمے غیر زبان والوں نے کیے ہیں اور تیسرا ترجمہ اردو کے کسی ماہرِ زبان نے کیا ہے۔

۸۸۔ سورۂ غاشیہ

آیت ۲۲: امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"تم کچھ اُن پر کرّوڑا نہیں"

لفظ "کرّوڑا" پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ (اگر کوئی اس کو مزید طول دینا چاہے تو فقیر ہمہ وقت تیار ہے) مگر اس آیت کو یہاں اِس واسطے زیرِ بحث لانا پڑا کہ "فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف نے اِس آیت کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ یا تو یہاں آ کر اُن کی نظر چوک گئی یا پھر یہ وجہ ہو کہ اس میں لفظ "کرّوڑا" "وکیل" کا ترجمہ نہیں بلکہ "مُصَیْطِرٍ" کا ترجمہ ہے۔ طویل بحث سے بہتر یہ ہے کہ اب تک کنزالایمان کا جن دونوں ترجموں سے موازنہ ہوتا رہا ہے اُن کو بھی یہاں نقل کر دیا جائے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے جو ترجمہ تحریر فرمایا تھا بالکل وہی جناب علاّمہ نے اپنے نسخے میں نقل کر لیا ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

"تو نہیں ان پر داروغہ"

جناب علاّمہ محمود الحسن اس سے پہلی آیت کے ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''سوتو سمجھائے جا تیرا کام تو یہی سمجھانا ہے''

اور علاّمہ شبیر احمد عثمانی اس ترجمے کی شرح اس طرح فرماتے ہیں:

''اگر یہ نہیں سمجھتے تو کوئی آپ اُن پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے ہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور اُن کے دلوں کو بدل ڈالیں''

اگر کسی کو عثمانی صاحب کی اس رائے سے اتفاق ہے تو اُسے یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا کوئی داروغہ حضور رسول اکرم ﷺ سے ضد کی حد تک مخالفت رکھنے والے سردارانِ قریش کے مثل لوگوں سے زبردستی اپنی بات منوا سکتا ہے؟ (غور طلب ہے کہ جناب علاّمہ نے یہ ترجمہ برٹش عہد میں تیار کیا تھا۔ اُس وقت کلکٹر، کمشنر، ایس. پی کے عہدے بھی ہوتے تھے۔ اگر وہ داروغہ کی جگہ کلکٹر، کمشنر، ایس. پی جیسے کسی عہدے دار کا مذکور کر دیتے تو اُن کی بات کا وزن بڑھ جاتا۔ یا گورنر، لاٹ صاحب، ریزیڈینٹ جیسے کسی اعلیٰ عہدے کا نام بجائے داروغہ لکھ دیتے تو بات کچھ اور بہتر ہو جاتی؛ مگر خدا جانے وہ داروغہ کو کیا سمجھتے تھے کہ ایسے موقع پر اُس کے عہدے کا ذکر کیا ہے۔ یا پھر انہوں نے شاہ صاحب کی نقل مارنے پر اکتفا کی۔ رہا شاہ صاحب کا اس موقع پر داروغہ لکھنا تو بارہا لکھا جا چکا ہے کہ اُس عہد میں زبان کی بڑی مجبوری تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاہ صاحب کے عہد میں داروغہ کی اہمیت اب کے مقابلے میں زیادہ ہو۔)

یہ جملہ ہائے معترضہ بیچ میں آ گئے۔ پھر اُسی مقام پر آیئے جہاں گفتگو ہو رہی تھی۔ سوال یہ بھی ہے کہ کیا کوئی داروغہ لوگوں کے دلوں کو بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ اگر اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں ہے تو جناب علاّمہ کا ترجمہ درست ہونے میں کلام نہیں اور اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو پھر امام احمد رضا کے ترجمے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور اگر وہ لوگ اس طرح سمجھانے سے نہیں مانتے تو سوچ کر بتائیں کہ کسی داروغہ کے کہنے سے کوئی بات مان سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر غور و فکر کے بعد جواب ''ہاں'' میں آتا ہے تو یہ بتائیں کہ اگر کوئی داروغہ ''فاضل بریلوی کا مشن'' کے مصنف اور ان کے ہم نواؤں سے کہے کہ وہ مسلک امام احمد رضا پر گامزن ہو جائیں تو کیا وہ ایسا کریں گے؟ اگر اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں ہو تو فقیر بھی جناب علاّمہ محمود الحسن کے ترجمے کی تائید کرے گا اور اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو کیا وہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ سے بھی زیادہ کٹّر پہنچتی ہیں؟ جن کے ایک داروغہ کے کہنے سے فہمایش کا

امکان تھا مگر ان کے لیے یہ ناممکن ہے۔

ہوسکتا ہے جواب میں راقم سے بھی یہی سوال کیا جائے کہ کیا ''کرُوڑا'' ایسی پاور رکھتا تھا؟ تو جواباً عرض ہے کہ موجودہ عہد میں تو ''کرُوڑا'' کا عہدہ ہوتا ہی نہیں (معلوم ہو کہ یہ مسلم عہدِ حکومت کا عہدہ تھا) جس عہد میں تھا اُس کے حکم سے سرتابی کی گنجایش کم لوگوں میں تھی۔

۸۹۔ سورۂ فجر

آیت ۱۳: جناب علاّمہ نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے اس طرح ہو بہو نقل فرمایا ہے:

''پھر پھینکا اُن پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا''

''کوڑا مارنا'' تو زبان ہے۔''کوڑا پھینکنا'' کہاں کی اردو ہے فقیر کے علم میں نہیں۔

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھا یا:

''تو اُن پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوّت مارا''

آیت ۲۲: جناب علاّمہ کے مصحف میں اس آیت کا یہ ترجمہ درج ہے:

''اور آئے تیرا رب اور فرشتے آئیں قطار قطار''

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اور آوے تیرا رب اور فرشتے قطار قطار''

دونوں ترجمے مبہم ہیں۔ کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ''آوے تیرا رب'' ایسا فقرہ ہے جس پر مفتیانِ کرام ہی کچھ حکم صادر فرما سکتے ہیں۔ فقیر کو یہ بات تسلیم نہیں کہ رب تعالیٰ کہیں آتا جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''اور تمہارے رب کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار''

۹۰۔ سورۂ بلد

آیت ۳: جناب علاّمہ نے آیت ہٰذا کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''اور قسم ہے جنتے کی اور جو اُس نے جنا''

اور شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''اور جنتے کی اور جو جنا''

جناب علاّمہ نے اس آیت کے ترجمے میں کچھ وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے؛ مگر بات پھر بھی بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ فقیر کو اس ترجمے پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرما لیجیے اور خود فیصلہ کیجیے۔ امام صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

''اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اُس کی اولاد کی کہ تم ہو''

آیت ۲۰: جناب علاّمہ نے آیت مبارکہ کا درج ذیل ترجمہ رقم فرمایا:

''اُنہی کو آگ میں موند دیا ہے''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ فرمایا تھا:

''اُنہیں کو آگ میں موندا ہے''

ممکن ہے دو چار فیصد حضرات ترجمے کو سمجھ گئے ہوں، جو نہیں سمجھے اُن کو کون سمجھائے گا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اُن پر آگ ہے کہ اُس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دی گئی''

۹۱۔ سورۂ شمس

آیت ۱: اس آیت شریفہ کا جناب علاّمہ محمود الحسن نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

''قسم سورج کی اور اُس کے دھوپ چڑھنے کی''

خط کشیدہ اضافت (کے) کا مضاف دھوپ ہے اور دھوپ بلا اختلاف مؤنث ہے۔ اس لیے عبارت میں ''کے'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہیے تھا۔ البتہ جناب علاّمہ کی رائے میں دھوپ اگر مذکر ہے تو ترجمے کی زبان میں کوئی خامی نہیں ہے؛ مگر ایسی رائے اُسی شخص کی ہو سکتی ہے جو کسی دوسری دنیا میں رہتا ہو۔ اغلب یہ ہے کہ انہیں حروف اضافت کا سلیقہ بھی نہیں تھا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں یہ خامی نہیں تھی۔ شاہ

صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ چڑھنے کی"

یہ ترجمہ جناب علاّمہ کو غلط معلوم ہوا تبھی تو انہوں نے اصلاح فرمائی؛ مگر ایسی اصلاح کہ زبان کی لُٹیا ہی ڈبو دی۔

امام احمد رضا نے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

"سورج اور اُس کی روشنی کی قسم"

۹۲۔ سورۂ لیل

آیت ۷: جناب علاّمہ نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے ایک لفظ بدل کر نقل فرمایا:

"تو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"سو اُس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں"

سہج سہج بہت زمانے سے تحریر میں استعمال نہیں ہوتا۔امام احمد رضا نے اس آیت کا فی الفور یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

"تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے"

۹۳۔ سورۂ ضحیٰ

آیت ۱ و ۲: جناب علاّمہ نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ صرف ایک حرف بدل کر شاہ صاحب کے نسخے سے یوں نقل فرمایا:

"قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے"

شاہ صاحب نے "چھا جاوے" لکھا تھا۔ جناب علاّمہ نے "واؤ" کو "ہمزہ" سے بدل کر ترجمے پر قبضہ کرلیا۔غور طلب یہ ہے کہ "رات چھا جانا" اہلِ زبان کا روزمرّہ نہیں ہے۔اندھیرا چھا جانا، تاریکی چھا جانا، بادل چھا جانا تو استعمال میں ہیں۔ "رات چھا جانا" کہیں تحریر میں نظر نہیں آیا۔امام احمد رضا نے اس آیت پاک کا یہ ترجمہ قلم بند کرایا:

''چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے''

۹۴۔ سورۂ انشراح

آیت ۱: جناب علاّمہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا کیا ہوا اس آیت کا ترجمہ حرف بہ حرف اُٹھا کر اپنے نسخے میں رکھ لیا، جو یوں ہے:

''کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ''

ترجمے کو پڑھنے والا ہر شخص عالم یا سُلجھا ہوا نہیں ہوتا۔ کم پڑھے بلکہ ابجد خواں بھی ترجمہ پڑھتے ہیں۔ کوئی ایسا کم علم اس ترجمے سے یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ قمیص کے سارے بٹن کھول دیے۔ یہ ترجمے کی خامی ہے۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا:

''کیا ہم نے تمہارے لیے سینہ کشادہ نہ کیا''

۹۵۔ سورۂ تین

آیت ۴ و ۵: جناب علاّمہ نے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے من وعن نقل کیا' جو یوں ہے:

''ہم نے بنایا آدمی خوب سے اندازے پر پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے''

اگر ''نیچے سے نیچے'' ہوتا تو ایک بات تھی۔ نیچوں سے نیچے تو مروّج ہی نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے دونوں آیتوں کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اُسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا''

۹۶۔ سورۂ علق

آیت ۶ و ۷: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اِن آیتوں کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کو دیکھ کر یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

''کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پرواہ''

شاہ عبدالقادر صاحب نے ان آیتوں کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''کوئی نہیں آدمی سرچڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے ہے آپ کو محفوظ''

جناب علامہ نے لفظ ''محفوظ'' کو متروک سمجھا اور اُس کو ''بے پروا'' سے بدل دیا۔ پھر بھی کیا فرمایا گیا ہے ہر کسی کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ امام اہلِ سُنّت نے یہ ترجمہ مرحمت فرمایا:

''ہاں ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا''

۹۷۔ سورۂ قدر

آیت ۴: جناب علّامہ نے آیت ہٰذا کے تحت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا تحریر فرمایا ہوا یہ ترجمہ ہو بہو نقل فرمالیا:

''اُترتے ہیں فرشتے اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر''

امام احمد رضا نے آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے''

۹۸۔ سورۂ بیّنہ

آیت ۲: اس آیت شریفہ کا ترجمہ جناب علّامہ کے مترجمہ قرآن کریم مطبوعہ سعودی عرب میں یوں درج ہوا ہے:

''ایک رسول اللّٰہ کا پڑھتا ہوا ورقِ پاک''

اور جس ترجمے میں ایک لفظ بڑھا کر جناب علّامہ نے اس کو اپنایا ہے یعنی شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ وہ اس طرح ہے:

''ایک رسول اللّٰہ کا پڑھتا ورق پاک''

امام احمد رضا نے آیت کا یہ صاف اور رواں ترجمہ فوری طور پر جناب صدر الشریعہ کو قلم بند کرایا:

''وہ کون وہ اللّٰہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے''

۹۹۔ سورۂ زلزال

آیت ۱: جناب علّامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں معمولی سا تصرّف کرکے اس آیت کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''جب ہلا ڈالے زمین کو اُس کے بھونچال سے''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''جب ہلائے زمین کو اُس کے بھونچال سے''

امام احمد رضا نے آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

''جب زمین تھرتھرا دی جائے جیسا اُس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے''

۱۰۰۔ سورۂ عٰدیٰت

آیت ۲: جناب علاّمہ نے اس آیتِ عظیمہ کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں معمولی سے تصرف کے بعد اس طرح تحریر فرمایا:

''پھر آگ سلگانے والے جھاڑ کر''

واضح ہو کہ اس آیت سے پہلے یعنی آیت نمبر ا میں دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت کے ترجمے کو پڑھا جائے تو نہ تو دونوں آیتوں میں کسی ربط یا تال میل کا پتہ چلتا ہے اور نہ کوئی بات واضح ہوتی ہے۔ جب کہ کلامِ الٰہی مربوط ہے۔ یہ سب ایک قدیم ترجمے کو بغیر غور و فکر کے نقل کرنے کا نتیجہ ہے۔ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیت مکرمہ کا اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں یہ ترجمہ ارشاد فرمایا تھا:

''پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر''

امام احمد رضا نے حضرت صدر الشریعہ کو اس آیتِ مکرمہ کا یہ ترجمہ املا کرایا:

''پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر''

۱۰۱۔ سورۂ قارعہ

آیت ا: اس ہفت حروفی آیت مبارکہ کے تراجم جناب علاّمہ، شاہ عبدالقادر اور امام احمد رضا نے علی الترتیب اس طرح عنایت فرمائے۔ پڑھیے اور خود فیصلہ فرمائیے۔

ا۔ ''وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی'' ۲۔ ''وہ کھڑکھڑاتی'' ۳۔ ''دل دہلانے والی''

۱۰۲۔ سورۂ تکاثر

آیت ۳: جناب علاّمہ نے آیت ہٰذا کا درج ذیل ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے ہو بہو نقل فرما کر تحریر فرمایا:

”کوئی نہیں آگے جان لوگے“

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا تھا:

”ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے“

۱۰۳۔ سورۂ عصر

آیت ۱: اس ایک لفظی آیت کا ترجمہ جناب علاّمہ نے یوں تحریر فرمایا:

”قسم ہے عصر کی“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”قسم ہے اُترتے دن کی“

چونکہ دن ڈھلتے یا اُترتے وقت عصر کی نماز کا وقت ہوتا ہے اور آیت کا متن (عربی میں) ”والعصر“ ہے اس لیے جناب علاّمہ نے بے دھڑک مذکورہ ترجمہ فرما دیا۔ امام احمد رضا نے اس آیتِ پاک کا یہ عارفانہ ترجمہ املا کرایا:

”اس زمانۂ محبوب کی قسم“

۱۰۴۔ سورۂ ھمزۃ

آیت ۱: جناب علاّمہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں اصلاح فرما کر اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا:

”خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چُننے والے کی“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے عہد کے روزمرّہ میں یہ سیدھا سادہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

”خرابی ہے ہر طعنہ دیتے عیب چنتے کی“

امامِ اہلِ سُنّت نے جناب صدر الشریعہ کو آیت ہٰذا کا یہ نفیس ترجمہ املا کرایا:

”خرابی ہے اُس کے لیے جو لوگوں کے منھ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے“

آیت ۳: جناب علاّمہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں ایک لفظ بڑھا کر اس طرح تحریر فرمایا:

''خیال رکھتا ہے کہ اُس کا مال سدا کو رہے گا اُس کے ساتھ''

''سدا'' کے بعد ''کو'' (خط کشیدہ) کا اضافہ جناب علاّمہ کا کیا ہوا ہے۔ شاہ صاحب کے ترجمے میں یہ لفظ نہیں ہے اور بلاشبہہ اس لفظ نے ترجمے کو خراب کر دیا۔ ''سدا'' کے بعد ''کو'' آج روزمرّہ ہے نہ علاّمہ کے عہد میں تھا۔ ''سدا کے لیے'' ہوتا تو درست ہوتا؛ مگر جناب علاّمہ کے خیال شریف میں یہ بات نہیں آئی۔ انہیں ترجمے کو اپنا بنانے کے لیے کچھ نہ کچھ گھٹانا یا بڑھانا بھی تھا۔ اسی لیے ایک لفظ بڑھایا اور ترجمے کی تجدید کے بجائے تخریب کر دی۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

''کیا یہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا''

۱۰۵۔ سورۂ فیل

آیت ۱: معمولی سے تصرّف کے ساتھ جناب علاّمہ نے اس آیت حکیمہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے یوں نقل فرمایا:

''کیا تُو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ''

لگے ہاتھوں اس آیتِ حکیمہ کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے تاکہ جناب علاّمہ کی محنت کا اندازہ ہو۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے:

''کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ان ہاتھی والوں سے''

اب امام احمد رضا کا فی الفور (آیت سن کر) لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا''

آیت ۲: حضرت علاّمہ نے اس آیت مجیدہ کے ذیل میں شاہ صاحب کے ترجمے میں ذرا سا تصرف فرما کر یوں تحریر فرمایا:

''کیا نہیں کر دیا اُن کا داؤ غلط''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''نہ کر دیا اُن کا داؤ غلط''

اورامام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

"کیا اُن کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا"

۱۰۶۔ سورۂ قریش

آیت ا: جناب علاّمہ کے مصحف میں آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ درج ہے:

"اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو"

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس آیتِ حمیدہ کا یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو"

واضح ہو کہ "ہل جانا"، "ہلانا" (متعدی) اور ہلا رکھنا (متعدی) آج بھی مروّج ہیں، متروک نہیں۔ امام احمد رضا کی زبان پر آیت سنتے ہی یہ ترجمہ جاری ہو گیا:

"اس لیے کہ قریش کو مَیل دلایا"

۱۰۷۔ سورۂ ماعون

آیت ا: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے میں تصرف کر کے یوں نقل فرمایا:

"تو نے دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونے کو"

شاہ صاحب قبلہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

"تو نے دیکھا وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا"

اور امام احمد رضا نے یہ ترجمہ مرحمت فرمایا:

"بھلا دیکھو تو جو دین کو جھٹلاتا ہے"

۱۰۸۔ سورۂ کوثر

آیت ا: جناب علاّمہ محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ ایک لفظ کے اضافے کے ساتھ شاہ صاحب کے ترجمے سے یوں نقل فرمایا:

”بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی یہی تھا یعنی

”ہم نے دی تجھ کو کوثر“

”کوثر“ لغت نویسوں، اہلِ زبان اور شعرا میں بالاتفاق مذکّر ہے۔ عوام میں بھی مذکّر ہی مستعمل ہے۔ البتہ ”نہر“ یا ”حوض“ کے ساتھ تانیث کے صیغے میں بولا اور لکھا جاتا ہے؛ مگر وہ تانیث کوثر کی نہیں ہوتی بلکہ نہر یا حوض کی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے عہد کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں جو ترجمہ کیا تھا اُس کی تصحیح کی جانب جناب علاّمہ نے یا تو توجہ نہیں دی یا وہ اس غلطی کو سمجھے ہی نہیں۔ چاہتے تو ٹھیک کر سکتے تھے۔ یہ کچھ دشوار نہیں تھا۔

امام احمد رضا نے آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ املا کرایا:

”اے محبوب بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں“

۱۰۹۔ سورۂ کفرون

آیت ۱: جناب علاّمہ نے اس آیت کا شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا لکھا ہوا ترجمہ لفظ بہ لفظ اس طرح نقل فرمالیا:

”تو کہہ اے منکرو“

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

”تم فرماؤ اے کافرو“

۱۱۰۔ سورۂ نصر

آیت ۱: جناب علاّمہ کے مصحف میں آیت ہٰذا کا یہ ترجمہ درج ہے:

”جب پہنچ چکے مدد اللّٰہ کی اور فیصلہ“

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ ارشاد فرمایا تھا:

”جب پہنچ چکی مدد اللّٰہ کی اور فیصلہ“

امام احمد رضا نے یہ ترجمہ لکھایا:

”جب اللّٰہ کی مدد اور فتح آئے“

۱۱۱۔ سورۂ لھب

آیت ۱: جناب علّامہ نے اس آیت کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے سے اس طرح لفظ بہ لفظ نقل فرمایا:

''ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ''

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ ارشاد فرمایا:

''تباہ ہوجائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا''

آیت ۳: جناب علّامہ نے اس آیت شریف کا ترجمہ شاہ صاحب کے ترجمے میں ایک لفظ بدل کر اس طرح تحریر فرمایا:

''اب پڑے گا ڈیگ مارتی آگ میں''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ ترجمہ تحریر فرمایا تھا:

''اب پیٹھے گا ڈیگ مارتی آگ میں''

جناب علّامہ نے ''پیٹھے'' کو ''پڑے'' سے بدل دیا مگر ڈیگ کو ایسے ہی رہنے دیا۔ شاید وہ ''ڈیگ'' کو فصیح اور رائج سمجھتے تھے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا:

''اب دھنستا ہے لپٹ مارتی آگ میں وہ''

۱۱۲۔ سورۂ اخلاص

آیت ۱: آیت ہٰذا کا ترجمہ جناب علّامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے سے لفظ بہ لفظ نقل کر کے اس طرح تحریر فرمایا:

''تو کہہ وہ اللّٰہ ایک ہے''

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھایا:

''تم فرماؤ وہ اللّٰہ ہے وہ ایک ہے''

تبصرے کی ضرورت نہیں ترجمہ خود بول رہا ہے۔

آیت ۳: علّامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے شاہ صاحب کے ترجمے سے استفادہ کر کے اپنا ترجمہ یوں تحریر فرمایا:

''نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا''

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے:

''نہ کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا''

شاہ صاحب کا ترجمہ جناب علاّمہ کے ترجمے سے بہتر ہے اور صحیح ہے۔ جناب علاّمہ نے نقل کرنے میں اس کی خوبی کو کم کردیا کیونکہ وہ واوٗ عطف کا ترجمہ کھا گئے۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا یہ ترجمہ املا کردیا:

''نہ اُس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا''

''جنا'' جیسے لفظ سے بھی ترجمے کو نجات مل گئی۔ اس کو کہتے ہیں زبان پر عبور۔

۱۱۳۔ سورۂ فلَق

آیت ا: جناب علاّمہ نے اس کا ترجمہ شاہ صاحب کے نسخے سے لفظ بلفظ اس طرح نقل فرمایا:

''تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی''

امام احمد رضا کا اس آیت کا املا کرایا ہوا ترجمہ یہ ہے:

''تم فرماؤ میں اُس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے''

۱۱۴۔ سورۂ ناس

آیت ا: جناب علاّمہ نے شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے اس آیت کے ترجمے کو بلفظہٖ اُٹھا کر اپنے نسخے میں سجا لیا۔ ترجمہ اس طرح ہے: (شاہ صاحب کا سمجھ لیجیے یا جناب علاّمہ کا)

''تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی''

امامِ عشق و محبت نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس آیت کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا:

''تم کہو میں اُس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب''

جناب علاّمہ محمود الحسن کے مترجمہ قرآن کریم (مطبوعہ سعودی عرب) میں دعاے ختم القرآن (۳ عدد) کے بھی اردو ترجمے موجود ہیں۔ ان دعاؤں کے ترجمے کسی مترجم قرآن کریم میں فقیر کی نظر سے نہیں گزرے۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ قارئین کرام پر جناب علّامہ کی قابلیتِ ترجمہ نگاری کا رعب ڈالنے کے لیے یہ ترجمے درج کیے گئے ہیں۔

اگر واقعتاً یہ اسی لیے کیا گیا ہے تو یہ محض دھوکا ہے۔ ان تینوں دعاؤں کے ترجمے کسی ایک شخص کے ہیں ہی نہیں؛ بلکہ دو ایسے شخصوں کے کیے ہوئے ہیں جو جناب باری تعالیٰ عزّ وجلّ کے بارے میں جُدا جُدا لہجے رکھتے ہیں۔

پہلی دعا میں اللّٰہ رب العزت سے جن صیغوں میں دعا مانگی گئی ہے؛ وہ یہ ہیں۔

مانوس کر، رحم کر، بنا، یاد دِلا، سِکھا، نصیب کر، دلیلِ راہ بنا۔

جبکہ دوسری اور تیسری دعا میں فعل کی صورتیں یہ ہیں۔

مواخذہ نہ کیجیے، قبول فرمائیے، آپ سُننے اور جاننے والے ہیں، رکھیے، قبول کیجیے، کر دیجیے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاریگری جناب علّامہ کی عربی دانی اور ترجمہ نگاری کی دھاک جمانے کے لیے کی گئی ہے۔

جناب علّامہ محمود الحسن نے مقدمہ (جو قرآن کے آخر میں دیا گیا ہے) میں شاعری اور فنِ تاریخ گوئی سے بھی اپنی وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ اس نئے ترجمے کی تاریخ اس طرح نکالی ہے۔

یادگارِ شہِ عبدالقادر — ترجمہ موضحِ قرآن مجید
وہ کہ آں معدن صد خوبی را — کرد ترمیم اقل العبید
تبے شش و پنج بگفتہ محمود — سال او موضح فرقان حمید

۱۳۳۶ھ

جناب علّامہ نے یہ تاریخ (موضحِ فرقان حمید) غالباً اس لیے نکالی ہے کہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمۂ قرآن کا اسمِ تاریخی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۳۳۰ھ رکھا تھا۔ جناب علّامہ نے بھی کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ وہ بھی کوئی ایسا ہی جامع نام استخراج کرلیں۔ مگر غالباً یہ اُن کے لیے ناممکن تھا۔ اس لیے مادّہ تاریخ میں شش و پنج (۶+۵=۱۱) "گیارہ" کا تخرجہ کرکے کام چلانا پڑا۔ جب کہ ماہرینِ فن ۹ ر عدد سے زیادہ کا تخرجہ یا تدخلہ معیوب مانتے ہیں۔ (فنِ تاریخ گوئی مصنفہ ابوالبلاغت پنڈت رتن پنڈ وروی ناشر دفتر ماہ نامہ شانِ ہند دلّی ۱۹۸۴ء صفحہ ۲۶ نیز نگارستانِ تاریخ ۱۹۳۹ء مصنف و ناشر جناب کلیم سرونجی ۱۹۹۷ء صفحہ ۳۴)

اگراس موقع پرموازنے کے لیے امام احمد رضا کی تاریخ گوئی کا ذکر کیا جانے لگے تو ایک طویل مضمون بلکہ کتاب کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

چونکہ ''بے کم وکاست'' تاریخی مادّہ جناب علاّمہ محمودالحسن سے استخراج نہ ہوسکا۔اس لیے تخرجہ کے لیے قطعہ کہنا پڑا۔اس قطعے کے ۶ مصرعوں کا یہ حال ہے کہ پہلا مصرع فاعلاتن فعلاتن فعلن کے وزن پر بحررمل مسدس سالم مخبون مسکن مخدوف میں ہے۔ پھراسی وزن پر تیسرا مصرع ہے۔ پانچویں مصرع کے حصّہِ عروض میں ''فعْلان'' (ع ساکن) آرہا ہے۔اس کے اجتماع کا بھی جواز ہے۔مگردوسرے، چوتھےاور چھٹےمصرع کا حصہ ضرب وزن کے اعتبار سے بالکل خلافِ قاعدہ ہے۔کیونکہ ان میں ''عین'' ساکن ہونے کے بجائے متحرک ہےاور ساکن کے ساتھ اس کا اجتماع جائز نہیں۔اور چوتھے مصرع کی تو کوئی کل ہی سیدھی نہیں ہے۔ یہ نہ نثر ہے نہ نظم۔معلوم ہوا کہ ۶/ مصرعوں میں سے۳(یعنی پچاس فی صد)غلط ہیں۔

یقیناً جناب علاّمہ کواس فن میں اپنی صلاحیت کا اندازہ ہوگا۔اگر وہ اپنی قوتِ شاعری کا اظہار نہ فرماتے تو اچھا ہوتا۔بڑے عالم اور بھاری بھرکم شخصیت کے مالک ہونے کا بھرم تو رہ جاتا۔

اس کے برعکس امام احمد رضا کی شاعری کا ذکراس موقع پراس لیے بے محل ہے کہ یہاں اس کی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی کتنے ہی اختصار سے کام لیا جائے تشنگی باقی رہ جائے گی۔موصوف کی شاعری پراب تک ہزاروں صفحات لکھے جاچکے ہیں جسے احتیاج ہو وہ مولانا عبدالستار حبیب ہمدانی مصروفؔ مدظلہٗ العالی کی ضخیم تصنیف ''فن شاعری اور حسان الہند'' کا مطالعہ کرے۔

اس جائزے کوقرآن کریم کی ہرسورت سے نمونے کے ترجے نقل کر کے مکمل کیا گیا ہے۔ یہ جائزہ سرسری ہے۔اگر کوئی ذی استعداد اور نکتہ داں گہرائی اور باریکی کے ساتھ جائزہ لے تو مزید بہت سے نکات سامنے آئیں گے۔ بایں حال ایک قاری اگر سرسری نظر سے بھی اس جائزے کا مطالعہ کرے تو اُسے ترجمہ کنزالایمان کی خوبیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔اور بہ نظرِ غائر مطالعہ کرنے پرتو اس ترجمے کی زبان کے جوہر آشکار ہوجائیں گے۔

اس جائزے میں کنزالایمان کا موازنہ یا تقابل علاّمہ محمودالحسن صاحب کے ترجمے سے کیا گیا ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں تھا مگراس خیال سے کہ ایک شے کی خوبی کا اندازہ دوسری شے سے مقابلے کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔مقابلے کے واسطے وہ ترجمہ چنا گیا جس کوایک ایسے شخص نے اردو کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا تھا

جو اپنے طبقے میں علاّ مہ فہامہ اور عظیم دانشور مانا جاتا تھا۔ اس موازنے سے جہاں اُس نام نہاد دانشور کی دانشوری کی پول کھلی وہیں عام لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جناب علاّ مہ محمود الحسن مستقل ترجمہ نگار نہیں تھے۔ انہوں نے شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے کی نام نہاد اصلاح کی کوشش کی تھی۔ خود فرماتے ہیں:

’’اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین مخلصین کی خدمت میں پیش کیا تو اُن حضرات نے بھی اس عاجز کی رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا اور یہی بات ذہن نشین ہو گئی کہ مستقل ترجمے سے یہ امر زیادہ مناسب اور مفید ہے کہ موضحِ قرآن میں جو شکایت پیدا ہو گئی ہے اُس کے رفع کرنے میں کوشش کی جائے۔‘‘ (مقدمہ ص ۲ و ۳)

مگر شکایت رفع کرنے کے بجائے مزید شکایات کا سامان فراہم کر دیا۔ جیسا کہ اس جائزے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس سے علاّ مہ محمود الحسن صاحب کی جو ابیج اُبھر کر سامنے آئی وہ موازنے کا نتیجہ ہے۔ فقیر کا یہ مقصد نہیں تھا۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوا کہ جب اردو کے سب سے اچھے ترجمے کا یہ حال ہے تو دیگر تراجم کا کیا حال ہوگا۔

جناب علاّ مہ محمود الحسن کے اسلوب نگارش میں جو ایک خاص بات نظر آئی۔ وہ فعل متعدی المتعدی کا بے جا اور کثیر استعمال ہے۔ فقیر یہ نہیں کہتا کہ اس کا استعمال گناہ یا ناجائز ہے۔ یہ بھی نہیں کہتا کہ اس کا استعمال قطعاً نہ ہو۔ حسبِ ضرورت کہیں ایک آدھ بار استعمال کر لیا جائے تو اُس کو خطا نہ ماننا ہی بہتر ہے؛ مگر جس کثرت سے جناب علاّ مہ نے اس کا استعمال کیا (اور وہاں بھی جہاں شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس کا استعمال نہیں کیا تھا) پسندیدہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کے استعمال کے بارے میں حضرت علاّ مہ میں ذوقِ سلیم کی کمی تھی۔

جہاں تک مناسب معلوم ہوا فقیر نے ایسے مقامات کی نشان دہی کی؛ مگر جب یہ دیکھا کہ جناب علاّ مہ اس کے بغیر عبارت لکھنے سے معذور نظر آتے ہیں تو ایسے افعال کی نشان دہی بند کر دی۔ اندازہ تھا کہ شاید یہی تناسب آگے بھی ہوگا جو اُس وقت تک رہا تھا؛ مگر اس کے بعد تو جناب علاّ مہ نے فعل متعدی المتعدی کی بھرمار ہی کر دی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شخص اپنے تکیہ کلام سے مجبور ہو جو اُس سے چھوٹتا ہی نہیں۔ فعل متعدی المتعدی کا استعمال بھی جناب علاّ مہ کی مجبوری معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کا اظہار کیا جا چکا تھا کہ آگے فعل متعدی المتعدی کو نظر انداز کیا جائے گا (کیونکہ جتنا کچھ پیش کیا جا چکا تھا کم نہ تھا) اس لیے باوجود بھرمار کے پھر اُس کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جناب علاّ مہ محمود الحسن کے شاگرد عزیز اور اُن کے حاشیہ نگار علاّ مہ شبیر احمد عثمانی پر بھی اپنے اُستاد کا کچھ ایسا پرچھاواں پڑا کہ وہ بھی انہی کی بولی بولتے نظر آئے اور بعد میں فعل متعدی المتعدی کا اتنا

زیادہ استعمال کیا جیسے یہ بھی کوئی کارِثواب ہو۔

اس کے مقابلے میں کنزالایمان کی زبان صاف،شستہ،رواں اور علاقہ روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان ہے۔شرفا کے روزمرّے الفاظ کی عمدہ دروبست،نثر کی صحیح ترکیب نحوی نے تاثیر بھی پیدا کردی ہے۔کچھ خوبیاں جائزے میں گنائی جاچکی ہیں۔اس لیے اس بارے میں زیادہ خامہ فرسائی کرنا طوالتِ کلام کا سبب ہوگا۔جائزہ آپ کے سامنے ہے۔اس لیے مزید کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔

فقیر کا ارادہ تھا کہ وہ اس ترجمے کی خوبیاں ایک ایک کرکے بیان کرے،لیکن اس کی کم علمی اور کج مج زبان دونوں چیزیں اُس کی راہ میں حائل رہیں۔کچھ دورتک تو کام ٹھیک ٹھاک چلامگر پھر خوبیوں کو محسوس کرنے کے باوجود اُن کے نام معلوم نہ ہونے کے باعث اُن کو بغیر اظہار کے ہی چھوڑ دینا پڑا۔بہت دور چل کر سورہ ۷۸ (النباء) کے ترجمے میں ایک ایسی خوبی نظر آئی،جس کو کسی طرح نظر انداز کرنا درست معلوم نہ ہوا۔اُس وقت ذہن نے معاونت کی اور اس خوبی کے ذکر کے ساتھ اس کو"بے نام خوبی" سے موسوم کردیا۔کاش کے ذہن میں پہلے ہی یہ بات آجاتی۔

مکمل فرصت اور ذہن کی یکسوئی کے وقت ترجموں کے موازنے میں چند مقامات پر ایسا بھی ہوا کہ دونوں ترجموں کے ایک ایک فقرے کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ کر بالکل ہندی کی چندی کردینے کا موقع مل گیا۔اگر قرآن کریم کے مکمل ترجمے کا جائزہ اس طریقے سے لیا جاسکتا تو بات کچھ اور ہی ہوتی؛مگر کتاب کی ضخامت امید سے کہیں زیادہ ہوجاتی اور یہ بھی ہے کہ انسان کا کیا ہوا کوئی کام اپنے میں مکمل نہیں ہوتا۔اگر کوئی باہمت نوجوان اس کام کا بیڑا اُٹھالے تو کیا ہی خوب ہو۔

جن حضرات کو فقیر کا یہ کام اچھا لگے وہ اس کی تعریف کرنے کے بجائے فقیر کے لیے حسنِ خاتمہ کی دعا فرمائیں کہ یہ سب سے بڑی کامیابی اور سب سے بڑا انعامِ الٰہی ہے اور یہ صرف مولائے تعالیٰ کے کرم پر منحصر ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام فقیر کی اس گزارش کو نظر انداز نہیں فرمائیں گے۔

۲۱/مارچ ۲۰۰۵ء سیف خاں سرائے،سنبھل (ضلع مرادآباد)